کتاب شہادت (جلد 2) صفحہ 742 تا 958

کتاب شہادت

اس کتاب میں اسلام کے ان عظیم الشان
واقعات پر جس پر پردہ پڑا ہوا تھا پوری
روشنی ڈالی گئی ہے اور یہ ثابت کیا گیا
ہے کہ جس طرح جنگ صفین و جمل
ایک بے بنیاد افسانہ اور بعد کی
کھڑت ہیں اسی طرح امام حسین
کی شہادت کا واقعہ بالکل
غلط اور محض بے بنیاد ہے۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ (سورۃ انفال: ۷،۸)

ترجمہ: اللہ چاہتا ہے کہ حق کو اپنی باتوں سے ثابت کر دے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے تاکہ حق ثابت کر دے اور باطل کو مٹا دے اور اگرچہ (اس سے) گنہگار ناخوش ہوں۔

کتاب شہادت

حضرت علیؓ کے مفروضہ اوصاف اور ان کی تحقیق

تیسرا مقدمہ

مصنفہ

مرزا حیرت دہلوی

کرزن پریس دہلی انڈیا

المطبوعہ ۱۳۲۵ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تیسرا مقدمہ

حضرت علی کے مفروضہ اوصاف اور اُنکی تحقیق

شیعی علماء کا یہ دعویٰ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت علی سب سے بڑے زاہد تھے۔اس کا جواب یہ ہے کہ محض غلط ہے۔ کیونکہ وہ اہل علم جوان سب باتوں کو اچھی طرح جانتے ہیں اِس امر کی صاف شہادت دیتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد شرعی زہد میں سب سے بڑھے ہوئے ابوبکر و عمر تھے۔ اِسکی دلیل یہ ہے کہ ابوبکر کے پاس اپنی ذاتی کمائی کا بہت کچھ مال تھا۔اور آپ نے سارا مال راہ خدا میں خیرات کر دیا تھا۔اس لیے جب آپ خلیفہ ہوئے ہیں تو آپ نے اپنے بال بچوں کی پرورش کی واسطے اپنا تجارتی کام جاری رکھا۔ایک دن آپ بازار میں فروخت کرنے کے لیے چادریں لیے جا رہے تھے۔راستہ میں عمر مل گئے پوچھا کہاں جاتے ہو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں نے خلیفہ ہو کے اپنے بال بچوں کے لیے روزی کمائی چھوڑ دی نہیں میں تو اُن کی پرورش کے لیے وہی کام کرتا ہوں جو پہلے کیا کرتا تھا۔ یہ سُن کے عمر خاموش ہو رہے اور سیدھے ابوعبیدہ اور مہاجرین کے پاس جا کے یہ ساری کیفیت بیان کی کہ ابوبکر بیت المال میں سے اپنے بچوں کی پرورش کے لیے بھی ایک پائی نہیں لیتے اور اب بھی اپنی تجارت ہی سے گزر اوقات کرتے ہیں سب صحابہ کا اِس معاملہ میں مشورہ ہوا اور آخیر یہ بات قرار پائی کہ بیت المال میں سے ابوبکر کو دو درہم روز ملنے چاہیں اس مشورہ کے بعد کل صحابہ مل کے ابوبکر کے پاس آئے اور اپنی تجویز بیان کی۔ابوبکر نے کسی قدر وقفہ کے بعد دریافت کیا کہ تم لوگ قسم کھا کے کہتے ہو کہ یہ دو درہم روز بیت المال سے لینے میرے لیے مباح ہیں سب نے آپ کے آگے قسمیں کھائیں آخر آپ نے صحابہ کی تجویز کو منظور کر لیا۔ اللہ اکبر اتنی بڑی مملکت کا خلیفہ یا حاکم چادریں بیچ کے تو اپنی گزر کرے اور اپنے بال بچوں کو پالے اور جب صحابہ اُس سے دو درہم روزانہ لینے کی درخواست کریں تو اُنھیں قسمیں دے کے پوچھے کہ یہ دو درہم کیا میرے لیے مباح ہیں۔ کیا دنیا میں کسی قوم میں بھی ایسی نظیر مل سکتی ہے؟ اور سنیئے جب ابوبکر کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے

اپنی صاحبزادی عائشہ صدیقہؓ کو حکم دیا کہ مسلمانوں کا جس قدر مال میرے مال میں آ گیا ہو وہ سب بیت المال ہی میں واپس کر دینا. بزرگ اور زاہد باپ کے اس حکم کی تعمیل صدیقہؓ نے وفات کے بعد فوراً کی. آپ کو صرف ایک پھٹی ہوئی چادر ملی جو ایک درہم کی بھی مشکل سے ہوگی اور ایک حبشیہ لونڈی تھی جو صدیقہؓ کے شیر خوار بھائی کو دودھ پلاتی تھی. اور ایک حبشی غلام تھا اور ایک آب کش اونٹ تھا اور بس یہ دونوں لونڈی غلام، اونٹ اور پھٹی ہوئی چادر صدیقہ نے فاروق اعظم خلیفہ وقت کے پاس بھجوادی، عبدالرحمٰن بن عوف کو جوں ہی یہ خبر ہوئی وہ فوراً دوڑے ہوئے فاروق اعظم کے پاس آئے اور کہا ہائے ابوبکرؓ کے بال بچوں کے پاس سوائے اُن چیزوں کے اور رکھا ہی کیا ہے تم اُن سے انہیں بھی چھین لیتے ہو. فاروق اعظم نے جو جواب دیا. سنو عبدالرحمٰن! قسم ہے رب کعبہ کی ابوبکر نے اپنی زندگی بھر میں بھی اس سے کسی قسم کا گناہ نہیں کمایا اب اِن کی وفات کے بعد میں اس کا متحمل ہوتا ہوں غرض وہ چیزیں سب بیت المال میں داخل رہیں. علیؓ کے زاہد ہونے کا ہم انکار نہیں کرتے بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ ابوبکرؓ اور علیؓ کے زہد میں زمین آسمان کا فرق ہے. علیؓ کی کوئی ہستی زہد میں ابوبکر کے آگے نہیں تھی. سنو اور خوب توجہ سے میری طرف دھیان کرو کہ ابوبکر ابتداءِ اسلام میں بڑے مالدار تھے. ان کی تجارت کا معقول پیمانہ پر کاروبار ہوتا تھا اور اُنہوں نے اپنا کل مال متاع راہ خدا میں دے دیا اور اخیر اُن کی مالی حالت ایسی کمزور ہوگئی کہ بعد وفات سوائے ایک پھٹی ہوئی چادر اور ایک اونٹ کے اُنکے پاس کچھ نہ نکلا اور اخیر وہ بھی مسلمانوں کے حوالہ کر دیا گیا. اب اُسکے مقابلہ میں حضرت علی کو دیکھا جائے جیسا کہ ابن زنجویہ نے لکھا ہے کہ علی ابتداء اسلام میں بہت تنگ دست تھے اپنے بال بچوں کا خرچ بھی بمشکل چلاتے تھے مگر چند سال کے بعد آپ زرعی زمین اور باغات کے مالک بن گئے. اور جب آپ شہید ہوئے ہیں تو آپ کے ۱۹ غلام اور چار بیویاں تھیں. یہ اللہ کا شکر ہے کہ یہ سب کچھ مباح ہی تھا مگر علیؓ نے اپنے مال کو بیت المال میں داخل کرنے کا حکم نہیں دیا۔ آپ کی وفات کے بعد امام حسنؓ نے لوگوں کو جمع کر کے خطبہ پڑھا. اور اُس میں یہ بیان کیا کہ ہمارے باپ نے سوائے سات سو درہم کے جو اُن کی کمائی کے ہیں زر نقد اور کچھ نہیں چھوڑا. پھر اسود بن عامر نے شریک نخعی سے اور اُنہوں نے عاصم بن کلیب سے انہوں نے محمد بن کعب قرظی سے روایت کی ہے کہ علی نے خود اِس

بات کا اقرار کیا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بھوکا رہنے کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھے رکھتا تھا اور اب میرے مال کی زکوٰۃ چالیس ہزار درہموں تک پہنچتی ہے. یہ روایت امام احمد بن حجاج سے اور اُنہوں نے شریک سے نقل کی ہے انکے علاوہ ابراہیم بن سعید جوہری نے بھی اُسے نقل کیا ہے اس میں فرق اتنا ہے کہ بجائے چالیس ہزار درہم کے چار ہزار اشرفیاں زکوٰۃ کی بیان کی گئی ہیں. اب آپ انصاف سے بلا روعایت ابوبکرؓ اور علیؓ کے زہد کا موازنہ کر کے دیکھ لیں اس پر زیادہ لکھنے کی ضرورت ہے نہ بحث کرنے کی۔ اس بات کے لیے دلیل کی بھی مطلق ضرورت نہیں ہے کہ ابتداء اسلام میں علی مفلس محض تھے اور ابوبکر قبل از اسلام بڑے مالدار تھے. آپ چالیس ہزار اشرفیوں کے مالک تھے جو آپ نے راہِ خدا میں دے دیں اور بہت سے بے کس اور بے بس مظلوم مسلمان غلاموں کو جو ایمان لانے کی وجہ سے سخت مصیبت میں مبتلا تھے رہا کرایا. یہ سب مظلوم اور کمزور تھے اِن رہا شدہ غلاموں کا تنکے توڑنے کا بھی احسان ابوبکر پر نہیں ہے. جب حضور انور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ابوبکر نے ہجرت کی ہے تو چالیس ہزار اشرفیوں میں سے صرف چھ ہزار درہم آپ کے پاس رہ گئے تھے ا. اور یہ کل درہم آپ اپنے ساتھ ہی لے آئے تھے. اپنی بی بی بچوں کے لیے اس میں سے ایک درہم بھی نہیں چھوڑا. مدینہ پہنچ کے وہ بھی سب راہ خدا میں دے دیئے اور اپنے پاس کچھ نہ رکھا. آپ کے پاس صرف ایک قمیص رہ گئی تھی. جب لیٹتے تو اُسے اُتار کے بچھا لیتے اور جب اُٹھتے تو اُسے پہن لیتے. آپ کے سوا اور صحابہ خاصے دولتمند ہو گئے تھے بڑی بڑی زمینیں پیدا کر لی تھیں اور صاحب جائیداد بن گئے تھے مانا کہ یہ سب حلال تھا مگر تو بھی جس نے اُسکے عوض میں صرف اللہ ہی کو اختیار کیا اور سب اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا اُس شخص سے بیشک زیادہ زاہد ہے جس نے خرچ بھی کیا اور جمع بھی کیا. اب اور سنئے پھر آپ خلیفہ کئے گئے تو اس حالت میں بھی نہ لونڈیاں بھریں نہ مال دولت جمع کیا. مرتے دم تک اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے بیت المال میں داخل کرنے کی وصیت کر دی جسکا ذکر آپ ابھی اُوپر پڑھ چکے ہیں. مگر یہ یاد رکھیئے کہ ابوبکر کی جتنی چیزیں بیت المال میں داخل ہوئیں اُن کی ذاتی ملک تھیں کیونکہ وہ ان کے ان حصوں میں آئی ہوئی تھیں جو اُنہوں نے رسول اللہ کی ہمرکاب ہو کے اور آپ کے بعد جہاد کئے تھے اور حصہ رسد آپ کو ملی تھیں کوئی کہہ سکتا ہے کہ صحابہ میں سے ایک شخص بھی زہد میں ابوبکر کی

برابری کرسکتا ہے؟ ہاں آپ کے بعد مہاجرین اولین میں ابان اور ابوعبیدہ کی بیشک تعریف کی جاتی ہے یہ دونوں اسی طریقے پر رہے جس طریقہ پر اُنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تھا. ابوبکر کے قدم بقدم اگر کوئی رہا تو وہ عمر فاروق تھے. کیونکہ مال اور عیش وعشرت سے اعراض کرنے میں وہ علی سے ہزاروں درجہ زیادہ بڑھے ہوئے تھے. سب اس پر متفق ہیں اور یہ بات بتواتر ثابت ہے کہ جس وقت حضرت علی کا انتقال ہوا تو آپ کے خادموں اور غلاموں کی ایک بہت معقول تعداد تھی. ان کے علاوہ چار بیویاں. اُنیس ام ولد، چوبیس لڑکے لڑکیاں. یہ تو آپ کا انسانی کنبہ تھا اب جائیداد دیکھی جائے تو وہ بھی اتنی تھی کہ آپ اپنے خاندان میں سب سے بڑے دولتمند مشہور تھے۔ منجملہ ان کی زمینوں کے ایک ینبع زمین تھی جو آپ نے وقف کردی تھی جس میں علاوہ اور پیداوار کے ایک ہزار وسق چھوہارے آیا کرتے تھے لہٰذا اس ثروت کو ابوبکر کے زہد سے کیا نسبت ہے. باقی بال بچوں کی محبت اور ان کی طرف میلان ہونا یہ بھی دیکھ لیا جائے. ابوبکر کے قرابت دار تو ایسے لوگ تھے جیسے مہاجرین اولین میں سے طلحہ بن عبداللہ جو اسلامی فضائل میں ایک خاص حصہ رکھتے تھے اور آپ کے صاحبزادے عبدالرحمٰن بن ابی بکر تھے جو ابتداء سے حضور انور رسول اللہ ﷺ کی فیض بخش مبارک صحبت میں رہے اور ہجرت سابقہ کی مگر سمجھنے کی بات یہ ہے کہ ابوبکر نے اِن میں سے کسی کو کہیں کا عامل نہیں بنایا. حالانکہ سلطنت بہت وسیع تھی. عمان، حضرموت، بحرین، یمامہ، طائف، مکہ اور حجاز کے تمام صوبے آپ کے ماتحت میں تھے اگر آپ اپنے رشتہ داروں میں سے یا عبدالرحمٰن اپنے بیٹے کو اِن میں سے ایک صوبہ کا عامل بنا دیتے تو قباحت ہی کیا تھا. مگر آپ مہاباۃ سے ڈرے اور یہ خیال کیا کہ ایسا کرنے میں کہیں میری ذاتی خواہش شامل نہ ہو جائے۔ پھر فاروق اعظم کا خیال کرو، آپ نے باوجود اتنی وسعت سلطنت کے بنی عدی بن کعب میں سے کس کو عامل نہیں کیا سوائے ایک نعمان بن عدی کے جو میان کا گورنر بنا دیا گیا تھا. لیکن چند روز کے بعد اُسے معزول کردیا اِس لیے اس کا گورنر ہونا نہ ہونا یکساں ہے. اب بنی عدی پر خیال کیا جائے کہ وہ کیسے اسلام کے شیدا تھے اور اُن کی ہجرت سب سے بہتر اور اعلیٰ تھی. واقعی یہ سنکے تعجب ہوتا ہے کہ قریشی خاندانوں میں صرف ایک یہی بنی عدی خاندان تھا جسکا ایک متنفس بھی مکہ میں نہ رہا تھا اور سب کے سب حضور انور ﷺ کے بعد مدینہ چلے آئے تھے. اِن ہی مہاجرین

اولین میں سے سعید بن زید، ابوالجہم بن حذیفہ، خارجہ بن خدافہ، معمر بن عبداللہ وغیرہ ہیں۔ اور یہ بات بھی دیکھنے کی ہے کہ نہ ابوبکر نے اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کو نہ عمر نے اپنے بیٹے عبداللہ کو اپنے بعد خلیفہ بنایا۔ خلیفہ بنانا تو کیسا کہیں عامل بھی تو نہیں کیا. حالانکہ یہ فضلاء صحابہ اور بہترین صحابہ میں تھے اکثر صحابہ ان کی خلافت پر رضامند بھی تھے اور اگر یہ دونوں یا ان میں سے ایک خلیفہ بنا دیا جاتا تو کوئی معترض نہ ہوتا. اب ان کے مقابلہ میں علی کو دیکھا جائے کہ جب وہ تخت خلافت پر جلوہ افروز ہوئے تو انہوں نے گورنری جیسے مہتم بالشان عہدہ پر اپنے رشتہ داروں کو اندھا دھند بھر دیا. مثلاً ابن عباس بصرہ کے گورنر بنائے گئے عبیدہ اللہ ابن عباس یمن کے اور عباس کے دو بیٹے قثم اور سعید کو مکہ اور مدینہ کا گورنر کیا گیا. اور اپنے بھانجے یعنی اُم ہانی بنت ابوطالب کے بیٹے جعدہ بن ہبیرہ کو خراسان کا گورنر بنا دیا اور اپنے گیلڑ یعنی بیوی کے بیٹے محمد بن ابی بکر کو مصر کی گورنری سونپ دی اور ساتھ ہی اسکے برخلاف ابوبکر وعمر کے علی کی یہ خواہش تھی کہ میرے بعد میرا بیٹا حسن خلیفہ بنایا جائے. اِن سب باتوں کے دیکھنے کے بعد صاف طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ زہد میں ابوبکر وعمر کے مقابلہ میں علی کی کوئی ہستی نہیں ہے اور یہ دونوں سب صحابہ سے زیادہ زاہد تھے اور اُس پر سب کا اتفاق ہے.

حضرت علی کے زہد کا دوسرا بیان: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ علی نے دنیا کو تین طلاقیں دے دی تھیں. آپ کی خوراک نیم کوفتہ جو تھے. اُنہیں بھی آپ مہر لگا کے رکھتے تھے کہ کہیں ابوبکر وعمر ان میں نمک وغیرہ نہ ڈلوا دیں. آپ بہت موٹے کم قیمت اور ادنیٰ درجہ کے کپڑے پہنا کرتے تھے اور ان کپڑوں میں اس قدر پیوند لگواتے تھے کہ پیوند لگانے والا بھی شرما جاتا تھا آپ کی تلوار کا پرتلہ اور آپ کے جوتے کھجور کی چھال کے ہوتے تھے. (پھر شیعی علماء فرماتے ہیں) اخطب خوارزم نے عمار سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ علی سے فرماتے تھے کہ تمہیں اللہ نے ایسی زینت سے مزین کیا ہے کہ اس سے اپنے اور بندوں کو مزین نہیں کیا اور تمہاری زینت سے زیادہ اللہ کو اور کوئی زینت محبوب نہیں ہے دنیا میں تمہارا ہی زہد بس زہد ہے. سب فقراء کے دلوں میں تمہاری محبت بھر دی گئی ہے میں ان فقراء سے اس بناء پر راضی ہوں کہ وہ تمہارے

پیرو ہیں اور تمہارے امام ہونے سے خوش ہیں اے علی اس شخص کو خوشی کرنی چاہیے جسے تم سے محبت ہوا اور تمہاری تصدیق کرے اور وہ بد بخت ہے جو تم سے بغض رکھے اور تمہاری تکذیب کرے. جو لوگ تم سے محبت رکھیں اور تمہاری تصدیق کریں وہ تمہارے دین میں تمہارے بھائی ہیں اور جنت میں تمہارے پاس رہیں گے. اور جو تم سے بغض رکھیں اور تمہاری تکذیب کریں تو اللہ کو واجب ہے کہ قیامت کے دن انہیں جھوٹوں میں کھڑا کرے. (پھر شیعی علماء گوہر افشانی کرتے ہیں) سوید بن غفلہ کہتے ہیں میں ایک روز عصر کے وقت علی کے پاس گیا میں نے دیکھا کہ آپ تشریف رکھتے ہیں اور آپ کے آگے گرم دودھ کا بھرا ہوا ایک پیالہ رکھا ہے. وہ دودھ اس قدر رکھٹا اور سڑا ہوا تھا کہ اُسکی بدبو دور ہی سے میری ناک میں آئی. آپ کے ہاتھ میں ایک روٹی بھی تھی. میں نے دیکھا کہ جو کی بھوسی آپ کے لبوں پر لگی ہوئی ہے. آپ کبھی تو اس روٹی کو ہاتھوں سے توڑتے تھے اور جب ہاتھوں سے نہ ٹوٹ سکتی تھی تو اپنے گھٹنوں سے توڑ کے اُوپر والے دودھ میں ڈبو دیتے تھے مجھ سے فرمانے لگے کہ سوید آؤ ہمارے اس کھانے میں سے کچھ تم بھی کھالو میں نے عرض کیا میں روزے سے ہوں فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ جس شخص کا روزہ اُسے ایسے کھانے سے روکے جسکے کھانے کو اُس کا دل چاہتا ہو تو اللہ پر واجب ہے کہ وہ بہشتی کھانے کھلائے اور وہاں کی شرابیں پلائے. وہیں آپ کی لونڈی بھی کھڑی تھی میں نے اس سے کہا اے فضہ (لونڈی کا نام) بڑے افسوس کی بات ہے کیا تجھے خدا کا خوف نہیں کہ تو اس بڑھاپے میں انکی خبر گیری نہیں کرتی انکی روٹی میں بھوسی صاف معلوم ہو رہی ہے کیا اس آٹے کو چھانا نہیں تھا۔ اُس نے جواب دیا یہ آپ کیا فرماتے ہیں ہم سے تو جناب امیر نے عہد لے لیا ہے کہ ہم اُن کے آٹے کو چھانا نہ کریں. اِس کے علاوہ علیحدگی میں جو کچھ باتیں میری فضہ سے ہوئیں میں نے جناب امیر کی خدمت میں عرض کیں فرمایا میرے ماں باپ اُس پر قربان ہوں جس کے لیے کبھی آٹا چھانا نہیں گیا نہ اُس نے کبھی تین روز گیہوں کی روٹی پیٹ بھر کے کھائی یہاں تک اللہ عز وجل نے اُس کی روح قبض کر لی. ایک دن آپ نے گاڑھے کے دو کپڑے خریدے پھر آپ نے غلام قنبر کو اختیار دے دیا کہ ان میں سے جو تو چاہے لے لے۔ چنانچہ ایک اس نے لے لیا اور دوسرا آپ نے پہن لیا. آپ کی آستین انگلیوں سے نکلی ہوئی تھی آپ نے اُس آستین کو

اُسی وقت کتر دیا۔ضرار بن ضمرہ کہتے ہیں امیر المومنین علی کے قتل ہو جانے کے بعد میں ایک دن معاویہ کے پاس گیا. اُنہوں نے مجھ سے کہا علی کے اوصاف بیان کرو میں نے کہا مجھے اس سے معاف رکھئے معاویہ نے کہا نہیں ضرور بیان کرنے ہوں گے میں نے کہا اچھا آپ مجھ پر اتنا اصرار کرتے ہیں تو میں خدا کی قسم کھا کے بیان کرتا ہوں کہ وہ بڑے عاقل اور قوی شخص تھے منصفانہ حکم دیتے تھے فیصلہ کرنے میں کسی کی رعایت نہ کرتے تھے.ان کے ہر طرف سے حکمت بولتی تھی وہ دنیا سے اور دنیا کی زینت سے وحشت کرتے تھے اور رات اور اُس کی تاریکی سے انہیں اُنس تھا.وہ ہر وقت خوف خدا سے روتے اور سوچ وفکر میں رہتے تھے. انہیں موٹا جھوٹا لباس پسند تھا. وہ بہت ہی ادنیٰ درجہ کے کھانے خوش ہو کے کھایا کرتے تھے وہ ہم میں ہماری ہی طرح بے تکلف رہتے تھے.جس وقت ہم ان سے کچھ دریافت کرتے تھے فوراً جواب دیتے تھے اور جب ہم باتیں کرتے تھے باتیں کرنے لگتے تھے.اللہ کی قسم باوجود یکہ ہم ہر وقت اُن کے پاس بیٹھتے اُٹھتے تھے لیکن ان کا رعب ایسا تھا کہ اُن سے بات کرتے ہوئے ہمارا دم بند ہوتا تھا وہ اہل دین کی تعظیم کرتے تھے. مساکین کو اپنے پاس بٹھاتے تھے.قوی کی کچھ رعایت نہ کرتے تھے اور ضعیف پر ظلم نہ کرتے تھے میں اللہ کو حاضر ناظر جان کے کہتا ہوں بیشک میں نے سُنا ہے آپ یہ فرمایا کرتے تھے اے دنیا مجھے چھوڑ اور کسی اور کو فریب دے تو مجھ سے منہ موڑتی ہے یا میری شایق ہے خبردار میں تو تجھے تین مغلظ طلاقیں دے چکا ہوں۔اب میں تجھ سے رجعت نہیں کر سکتا.تیری عمر تھوڑی ہے ترے فریب لاتعداد ہیں.تیرے عیش وعشرت حقیر ہیں. ہائے افسوس زادراہ تھوڑا ہے اور سفر دور کا ہے.راستہ خطرناک ہے.میں یہاں تک کہنے پایا تھا کہ معاویہ رونے لگے اور کہا ابوالحسن پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اور اُن کی مغفرت کرے.بیشک وہ ایسے ہی تھے.پھر حضرت معاویہ کہنے لگے اے ضرار تجھے اُنکا کیسا غم ہے؟ میں نے کہا مجھے ایسا غم ہے جیسا اُس عورت کو ہو جسکا بچہ اُسکی گود میں ذبح کر دیا جائے کہ اُس کے آنسو تھمتے ہیں اور نہ اُسے رنج سے کبھی تسکین ہوتی ہے.

جواب: مال ودولت کے بارے میں علی کے زاہد ہونے میں کوئی شک نہیں مگر بحث ہے کہ آیا علی ابوبکر سے زیادہ زاہد تھے یا نہیں جو کچھ شیعی علماء نے بیان کیا ہے اُس میں کوئی امر ایسا نہیں ہے جو اس پر

دلالت کرتا ہو کہ علی ابوبکر سے زیادہ زاہد تھے جو باتیں اس میں حق ہیں وہ ہم پہلے ہی سے تسلیم کر چکے ہیں اور باقی باتیں کیا تو جھوٹی ہیں یا ایسی ہیں کہ کچھ زیادہ تعریف کے قابل نہیں ہیں حضرت علی سے مشہور تو فقط اتنا ہے کہ ایک دفعہ آپ نے یہ فرمایا اے چاندی سونے میں تجھے تین طلاقیں دے چکا ہوں اب تو مجھے چھوڑ اور کسی اور ہی کو فریب دے میں اب تجھ سے رجعت نہیں کر سکتا فقط۔

مگر یہ اس پر دلالت نہیں کرتا وہ اس سے زیادہ زاہد تھے جس نے یہ الفاظ نہیں کہے اس لئے کہ ہمارے نبی اور ان سے پہلے اور پیغمبر نے کبھی یہ الفاظ نہیں کہے باوجودیکہ وہ زہد میں علی سے بدرجہا زیادہ تھے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی دیکھنے کی ہے جب انسان زہد کرتا ہے تو منہ سے یہ نہیں کہتا میں زاہد ہو گیا ہوں اور یہ کوئی قاعدہ نہیں ہے کہ جس نے زبان سے کہہ دیا کہ میں زاہد ہوں وہ تو زاہد شمار کیا جائے اور جس نے زبان سے نہ کہا ہو وہ زاہد نہ گنا جائے اب شیعی علماء کا یہ کہنا کہ حضرت علی نیم کوفتہ جو کھایا کرتے تھے اور ان میں نمک نہ پڑتا تھا اس میں بھی زہد کی کوئی بات نہیں پائی جاتی۔ اول تو یہ کہ یہ کہانی یقیناً جھوٹ ہے۔ دوسرے اس میں کوئی تعریف کی بات نہیں ہے اس لئے کہ حضور انور رسول اللہ کل زاہدوں کے پیشوا تھے مگر ماحضر کو کبھی رد نہ کیا کرتے تھے اور جو نہ ہوتا اُسکے نہ ہونے کا تکلف نہیں کرتے تھے مرغ کا گوشت ہوا تو وہ نوشِ جاں فرمالیا اور اگر بکرے کا گوشت ہو تو وہ تناول فرمالیا حلوہ یا شہد یا کسی قسم کا میوہ ہوا تو وہ کھالیا اور اگر کچھ بھی نہ ہو تو اُس میں کچھ تکلف نہیں کیا۔ آپ کا قاعدہ تھا کہ جس وقت کھانا آتا تھا بھوک ہوئی تو کھالیا نہ بھوک ہوئی نہ کھایا بعض اوقات بھوک کی شدت سے آپ پیٹ پر پتھر باندھ لیتے تھے مہینہ دو مہینے ایسے بھی گزر جاتے تھے کہ آپ کے گھر میں چولھا نہ سُلگتا تھا صحیحین میں ثابت ہے کہ چند آدمی حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ زاہد اور دین داری کے بڑے شائق تھے ایک کہنے لگا میں تو ہمیشہ روزے ہی رکھا کروں گا کبھی افطار نہ کرونگا دوسرا بولا میں تو ہمیشہ رات کو نماز ہی پڑھا کروں گا کبھی نہ سوؤں گا تیسرا بولا میں کبھی شادی نہیں کرنیکا چوتھا بولا میں کبھی گوشت نہ کھاؤں گا حضور انور رسول اللہ نے چاروں کی یہ باتیں سن کے ارشاد کیا میں روزے بھی رکھتا ہوں افطار بھی کرتا ہوں رات کو نماز بھی بڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں میری بیویاں بھی

ہیں اور گوشت بھی کھاتا ہوں جو شخص میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ سے اور میرے طریقہ پر نہیں ہے خیال تو کیجئے کہ حضرت علیؓ جیسے فدائی اسلام پر کیونکر گمان ہوسکتا کہ اُنہوں نے اپنے نبی ﷺ کی سنت سے اعراض کیا کیا غضب کی بات ہے کہ اس خطرناک حالت یعنی سنت سے اعراض کرنے کو حضرت علی کے مناقب میں شمار کیا جاتا ہے۔ **لاحول ولا قوۃ.** اب یہ بات دریافت طلب ہے کہ جب علی عراق کے حاکم تھے آیا اُس وقت بھی بے نمک نیم کوفتہ جو کھایا کرتے تھے نہ گیہوں کی روٹی کھاتے تھے اور نہ گوشت حالانکہ متواتر روایتیں اِس کے بالکل خلاف ہیں کیا صحابہ میں کوئی ایسا ہوا جس نے خلاف سنت ایسا کیا ہو یا ان میں سے کسی نے ایسا کہا ہے کہ ایسا کرنا مستحب ہے۔

فضہ چھوکری کی نسبت ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ اس نام کی کوئی لونڈی نہ حضرت علی کے پاس تھی اور نہ حضرت خاتون محشر کے پاس یہاں تک کہ مدینہ بھر میں اس نام کی کوئی لونڈی کسی مہاجر یا انصار کے پاس نہ تھی شیعی علماء کے دماغ نے اِس لونڈی کو پیدا کیا اور پھر انہوں نے اپنی طرف سے روایتیں تصنیف کر کے اِس فرضی ہیولے کے سر چپک دیں۔ اب شیعی علماء کا یہ قول کہ علیؓ کی تلوار کا پرتلہ اور اُن کے جوتے کھجور کے پتوں کے ہوتے تھے یہ بھی محض غلط ہے اور اگر صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو اس میں بھی کسی قسم کی تعریف نہیں ہے. کیونکہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ حضور انور کے جوتے چمڑے کے ہوتے تھے اور حضور انور کی تلوار کا پرتلہ سونے چاندی کا تھا جب چمڑے وغیرہ کا سامان میسر آ سکتا ہے تو کونسی تعریف کی بات ہے کہ اُس سے نفرت کی جائے اور کھجور کی چھال کو کام میں لایا جائے یہ سامان میسر نہ ہو تو بات اور ہے ابوامامہ باہلی نے کہا ہے۔ **لقد فتح البلاد اقوام کانت ختم خیلھم لیفاور کبھم العالبی.** یعنی ایسی قوموں نے بہت سے ملک فتح کر لیے جن کے گھوڑوں کی ڈوریں لیف کی تھیں اور جنکی سواریاں مریل اونٹ تھے۔ (اسے بخاری نے روایت کیا ہے) اب نفس ان حدیثوں پر خیال کرو کہ عمار کی حدیث موضوعات میں سے ہے اسی طرح سوید بن غفلہ کی حدیث بھی حضور انور رسول اللہ ﷺ تک مرفوع نہیں ہے۔ باقی کپڑے والی روایت جو حضرت علی نے خریدا تھا معروف ہے اور ضرار بن ضمرہ کی حدیث بھی نقل کی گئی ہے لیکن ان دونوں حدیثوں

میں کوئی امر ایسا نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ علی ابوبکر و عمر سے زیادہ زاہد تھے اور اصل میں گفتگو اسی میں ہے جو شخص عمرؓ کی سیرت ان کے انصاف اور ان کے زہد سے واقف ہوگا اور اس سے بھی کہ انہوں نے اپنے رشتہ داروں کو کسی قسم کی حکومت نہیں دی اور اپنے بیٹے کی تنخواہ ان کے ہم عمروں سے بھی کم کر دی تھی اسی طرح اپنی بیٹی سے بھی یہی سلوک کیا. باوجودیکہ قیصر و کسریٰ کے خزانے آپ نے فتح کر کے مسلمانوں کو تقسیم کر دئے تھے مگر اپنی فقیرانہ وضع اور سادی معاشرت میں ذرا فرق نہیں آنے دیا تھا۔ اُسکے مقابل میں جو کچھ علی نے تقسیم کیا وہ عمر کی فتوحات کا ایک جز تھا اور جس وقت عمر کا انتقال ہوا اسی ہزار درہم ان کے ذمہ تھے تو اس شخص کو متعدد طریقوں سے یہ یقیناً معلوم ہو جائے گا کہ عمر علی سے بیشک زیادہ زاہد تھے اور عمر سے ابوبکر زیادہ زاہد ہونے میں تو کسی کو بھی شک نہیں ہے۔

حضرت علیؓ کے زہد کا تیسرا بیان: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ زہد میں نہ کوئی علی کے برابر ہو سکا تھا نہ کوئی اِن سے بڑھ سکا اور سب سے زیادہ زاہد یہی ہیں تو بس وہی امام ہوئے کیونکہ مفضول فاضل سے مقدم نہیں ہوا کرتا. فقط

جواب: یہ دونوں قضیے باطل اور غلط ہیں. علیؓ ابوبکرؓ و عمرؓ سے زیادہ ہرگز نہ تھے اور نہ یہ کوئی قاعدہ ہے کہ جو سب سے زیادہ زاہد ہو وہی امامت کا حقدار ہو۔ سنو اور غور کرو کہ علی کے پاس مال و دولت، لونڈی غلام اور بال بچے اتنے تھے کہ نہ ابوبکرؓ کے پاس تھے نہ عمرؓ کے عبداللہ بن احمد نے کعب قرظی سے مرفوعاً روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں میں نے علیؓ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بھوک کی شدت کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھے رہتا تھا اور آج میرے مال کی زکوۃ چالیس ہزار آدمیوں پر تقسیم ہوتی ہے. یہ روایت اگرچہ ضعیف ہے تو بھی اُس کا مقابلہ ضرور کرتی ہے جو کہتا ہے کہ عراق میں علی صرف جو ہی کی روٹی کھایا کرتے تھے اور وہ بھی بے نمک اس میں ذرا شک نہیں کہ ابوبکر و عمر سے زیادہ علی کے پاس مال و دولت تھی آمدنی کی کئی صورتیں تھیں ایک تو وہ تنخواہ تھی جو عمر علی کو اور ان کے بال بچوں کو دیا کرتے تھے۔ اور وہ بہت معقول رقم تھی اتنی کہ اگر یہی اکیلی آمدنی ہوتی جب بھی بہت کافی تھی کیونکہ قریش کے کل قبائل سے علی اور اُن کے بچوں کو زیادہ دیا جاتا تھا عمرؓ نے نہ اتنا اپنی

عدی کو دیا اور نہ بنی تیمی کو نہ عرب کے دوسرے خاندانوں کے کسی آدمی کو دیا. غرض عمر رسول ﷺ کے قرابت داروں کو سب سے زیادہ دیا کرتے تھے ایک تنہا عمر کا علی کو دینا اُن کی دولتمندی کو کافی طور پر ثابت کرتا ہے. مگر اس آمدنی کے علاوہ وہ صاحب جائیداد تھے کھجوروں کے باغات، زرعی زمینیں ان کی مِلک تھیں انہیں کافی طور پر ان سے آمدنی تھی آپ نے ایک بہت بڑی جائیداد بھی وقف کر دی تھی جس سے صاف طور پر پایا جاتا ہے کہ آپ کیسے صاحب ثروت تھے عمر نے بھی اپنا خیبر والا حصہ وقف کر دیا تھا مگر ان کے پاس سوائے اسکے اور کچھ نہ تھا کہ وقف کرتے علی کے پاس غیر وقف شدہ جائیداد وینبع وغیرہ میں اتنی تھی جس سے ایک شخص مالدار بن سکتا تھا۔

حضرت علیؓ کی عبادت: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ حضرت علی سب سے زیادہ عابد تھے. دن کو روزے رکھتے تھے رات کو نمازیں پڑھتے تھے. رات کو نمازوں کی نفلیں اور اکثر عبادتیں لوگوں نے ان ہی سے سیکھی ہیں اور آپ کا باقی سارا وقت ادعیہ ماثورہ ہی میں گزرتا تھا. آپ ایک رات دن میں ایک ہزار رکعتیں پڑھا کرتے تھے سوائے لیلۃ الحصیر کے. آپ کی رات کی نماز میں کبھی خلل نہیں آیا. ابن عباس کہتے ہیں کہ میں نے آپ کو ایک جنگ میں دیکھا کہ آپ آفتاب کو دیکھ رہے ہیں. میں نے دریافت کیا اے امیر المومنین کیا ملاحظہ ہو رہا ہے؟ فرمایا زوال کو دیکھ رہا ہوں وقت ہو جائے تو نماز پڑھ لوں میں نے کہا اس وقت جبکہ میدان کارزار گرم ہے فرمایا ہم تو شدید سے شدید جنگ میں بھی اپنی نمازیں قضا نہیں کیا کرتے. اس سے معلوم ہو گیا کہ آپ ایسے نازک اوقات میں بھی عبادت کو اول وقت ادا کرنے میں ذرا غفلت نہ کرتے تھے. اگر کسی جنگ میں آپ کے جسم مبارک میں نیزہ یا تلوار وغیرہ گھس جاتی تھی اور لوگ اُس کے نکالنے کا ارادہ کرتے تھے اور اتنے میں نماز کا وقت ہو جاتا تھا تو آپ اُسے یوں ہی چھوڑ دیتے تھے اور نماز پڑھنے کھڑے ہو جاتے تھے اور اللہ کے سوا ہر چیز سے بے خبر ہو جاتے تھے لوگ نماز کی حالت میں اُس چبھے ہوئے نیزے کو نکال لیتے تھے اور آپکو مطلق خبر نہ ہوتی تھی. ایک مرتبہ آپ نے نماز اور زکوۃ دونوں کو جمع کر دیا تھا یعنی رکوع کرتے ہوئے خیرات کی تھی اس پر اللہ نے ایک آیت نازل فرمائی جو قرآن میں اب بھی پڑھی جاتی ہے اور اپنا اور اپنے بال بچوں کا

سارا کھانا تین روز تک خیرات کیا تھا یہاں تک کہ ان ہی کے حق میں اللہ نے یہ نازل فرمایا۔ هَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ. آپ نے رات کو اور دن کو خفیہ اور علانیہ صدقہ دیا تھا اور رسول اللہ سے کچھ راز کی باتیں کی تھیں اور اس سے پہلے اُنہوں نے ہی صدقہ دیا تھا اس بارے میں بھی اللہ نے ایک آیت نازل فرمائی ہے آپ نے اپنی کمائی سے ایک ہزار غلام آزاد کئے تھے اور جب رسول اللہ ﷺ مکہ میں شعب ابوطالب میں پناہ گزیں تھے تو حضرت علیؓ مزدوریاں کر کے آپ کو کھلاتے تھے۔ جب آپ ﷺ سب سے زیادہ عابد ہوئے تو سب سے افضل بھی ہوئے اور جو افضل ہو وہی امام ہوتا ہے۔

جواب: شیعی علماء نے جو کچھ فرمایا ہے افسوس ہے کہ اس میں رائی کے دانہ کے برابر بھی صداقت نہیں ہے جو باتیں بیان کی گئی ہیں ان میں سے ایسے مختلف جھوٹ ہیں جو ایسے لوگوں سے بھی مخفی نہیں رہ سکتے جو ان کے احوال سے بالکل ناواقف اور بے علم ہیں۔ اور پھر لطف یہ ہے کہ ان بے نظیر اور شاندار غلط بیانوں میں بھی کوئی بات قابل تعریف نہیں ہے۔ علیؓ کی نسبت یہ کہنا کہ وہ دن کو روزہ رکھتے تھے اور رات بھر نماز پڑھا کرتے تھے عالی درجہ کا آپ پر بہتان ہے اور درحقیقت یہ کوئی خوبی بھی نہیں ہے بلکہ ایک قسم کا جنون ہے کہ آدمی اپنی طاقت سے زیادہ کم کرے اور پھر چند روز میں جا کے بیکار ہو جائے اور عبادت الٰہی کا اصل مقصد پورا نہ ہو۔ اس کے علاوہ حضور انور کا ارشاد بھی بیان ہو چکا ہے آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ میں روزے بھی رکھتا ہوں اور نہیں بھی رکھتا اور رات کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور میری بیویاں بھی ہیں اور جو کوئی میری امت سنت سے منہ موڑے وہ میرے طریقہ پر نہیں ہے اس کے علاوہ صحیحین میں عبداللہ بن عمر سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ میں نے سُنا ہے تم یہ کہتے ہو کہ جب تک میں زندہ رہوں گا ساری عمر روزے رکھے جاؤں گا اور ساری رات نماز پڑھا کروں گا میں نے عرض کیا ہاں بے شک یا رسول اللہ میں نے یہ عہد کر لیا ہے فرمایا خبردار ایسا کبھی نہ کرنا۔ ایک روایت میں یہ ہے حضور انور ﷺ نے فرمایا میں نے سُنا ہے کہ تم روزانہ روزے رکھتے ہو اور ایک رات میں قرآن مجید ختم کر لیتے ہو عبداللہ بن عمر کہتے ہیں میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ میں صرف اپنی بہتری کی غرض سے ایسا کیا کرتا ہوں آپ نے فرمایا اتنی مشقت

اُٹھانے کی ضرورت نہیں ہے تمہارے لیے یہی کافی ہے کہ ہر مہینے میں تین روزے رکھ لیا کرو میں نے عرض کیا یارسول اللہ اس سے زیادہ بھی میں رکھ سکتا ہوں اس پر آپ نے ارشاد کیا دیکھو اپنی طاقت اسی میں صرف مت کرو. کیونکہ تم پر تمہاری بیوی کا بھی حق ہے تمہارے مہمانوں کی میزبانی کا بھی حق ہے تمہارے بدن کا بھی حق ہے لہٰذا ان سب حقوق کی رعایت کرنی چاہیے پھر فرمایا اگر تم اس پر بھی نہیں مانتے تو داؤد کی طرح روزے رکھ لیا کرو کیونکہ وہ سب سے زیادہ روزے رکھنے والے تھے مگر پھر بھی ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن نہ رکھتے تھے اور قرآن مجید کو ایک مہینے میں ختم کیا کرو میں نے عرض کیا میں اِس سے زیادہ طاقت رکھتا ہوں. فرمایا اچھا بیس روز میں سہی مگر میرے مزید اصرار پر آپ ﷺ نے انقطاعی لہجے میں فرمایا کہ دیکھو سات روز سے کم میں کبھی قرآن شریف ختم نہ کیا کرو صحیحین میں حضرت علی سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں ایک مرتبہ رات کو میں اور فاطمہ رضی اللہ عنہا سو رہے تھے کہ یکا یک رسول اللہ ہمارے ہاں تشریف لے آئے فرمایا کہ تم دونوں سو رہے ہو نماز کیوں نہیں پڑھتے میں نے عرض کیا یارسول اللہ ہماری جانیں تو اللہ کے قبضے میں ہیں وہ جب ہمیں اُٹھانا چاہے گا نماز کے لیے اُٹھا دے گا یہ سنتے ہی حضور انور ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اپنی رانوں پر مارے اور فرمایا۔ وَكَانَ الْإِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا اور یہ فرما کے آپ تشریف لے گئے. اس حدیث سے صاف طور پر پایا جاتا ہے کہ حضرت علی شب کو سویا کرتے تھے اور باوجود حضور انور ﷺ کے جگانے کے بھی آپ نے حجت کی اور اُٹھ کے نماز نہ پڑھی. پھر شیعی علماء کا یہ فرمانا کہ رات کی نماز اور دن کی نفلیں لوگوں نے حضرت علی سے سیکھی ہیں اگر اس سے یہ مراد ہے کہ بعض مسلمانوں نے آپ سے سیکھی تھیں تو یہ کوئی تعریف کے قابل بات نہیں ایسے تو سب صحابہ ہیں. جن سے بعض مسلمانوں نے دین کے احکام سیکھے ہیں اور اگر شیعی علماء کی اِس سے یہ غرض ہے کہ کل مسلمانوں نے حضرت علی سے رات کی نماز اور دن کی نفلیں سیکھی ہیں تو یہ بالکل سفید جھوٹ ہے کیونکہ سارے مسلمان تو درکنار اکثر مسلمانوں نے بھی حضرت علی کو نہیں دیکھا حالانکہ وہ راتوں کو برابر نماز پڑھتے اور دن کو نفلیں ادا کرتے تھے مسلمانوں کے اکثر شہر جو فاروق اعظم اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں فتح ہوئے جیسے شام، مصر، مغرب اور خراسان وغیرہ ان کے باشندوں نے نہ حضرت علی کو دیکھا نہ حضرت علی کی تعلیم ان تک پہنچی پھر یہ بھلا

حضرت علی سے کیونکر سیکھ سکتے ہیں حضور انور کی مبارک زندگی میں جیسے علی تھے ایسے ہی اور صحابہ تھے یہ سب کے سب حضور ہی سے سیکھتے تھے ہاں اگر اہل کوفہ کی نسبت کہا جائے کہ اُنہوں نے راتوں کی نمازیں اور دن کی نفلیں حضرت علی سے سیکھی تھیں تب بھی کچھ بات بن سکتی ہے مگر غور سے دیکھنے کے بعد اہل کوفہ کے حق میں بھی یہ دعویٰ صادق نہیں آ سکتا کیونکہ وہاں کے باشندے اس عبادت کو ابن مسعود وغیرہ سے سیکھ چکے تھے حضرت علی تو اُس وقت تک عراق تشریف بھی نہیں لے گئے تھے. پھر شیعی علماء کا یہ فرمانا کہ حضرت علی ان ہی دعاؤں کو پڑھتے رہتے تھے جو ان سے منقول ہیں یہ بھی غلط اور محض غلط ہے کیونکہ ان میں اکثر ایسی دعائیں بھی موجود ہیں جو حضرت علی پر جھوٹ اور ان کے ذمے بہتان ہیں حضرت علی کی شان اس سے کہیں ارفع ہے کہ وہ ایسی دعاؤں کے ذریعہ سے دعا مانگی جو خود ان کے اور تمام صحابہ کے حال کے ہرگز لائق نہیں ہیں نہ ان میں کسی کی کوئی سند ہے ہاں وہ دعائیں جو حضور انور سے ثابت ہیں وہ ان دعاؤں سے یقیناً افضل ہیں جو اپنی طرف سے کسی نے بنالی ہوں جو دعائیں حضور انور ﷺ سے ثابت ہیں اس امت کے اولین اور آخرین سے بہترین لوگ ان ہی دعاؤں کے ذریعہ سے دعا مانگا کرتے تھے۔ اسی طرح شیعی علماء کا یہ کہنا حضرت علی ایک رات دن میں ایک ہزار رکعتیں پڑھا کرتے تھے ایسا صریح جھوٹ ہے جس سے زیادہ اور جھوٹ نہیں ہوسکتا نہ اس سے کوئی تعریف نکل سکتی ہے دیکھو حضور انور رسول اللہ ﷺ کی رات دن میں کل نماز مع فرض اور نفلوں کے صرف چالیس رکعتیں ہوتی تھیں خیال کرنے کی بات ہے کہ جو شخص حکومت کرتا ہو مسلمانوں کے جان و مال کی حفاظت اُسکے ذمے ہو اور ایک وسیع سلطنت کے امور جہاں داری کو طے کرتا ہو اور سلطنت کا سارا بار اُسی پر ہو اُدھر اپنے بیوی اور بچوں کے حقوق کا بھی اُسے پاس ہو۔ وہ کس طرح رات دن میں ایک ہزار رکعتیں پڑھ سکتا ہے۔ ہاں اگر یہ ہزار رکعتیں وہ اس طرح سے پڑھے جیسے پہلوان بیٹھکیاں لگاتا ہے تو بیشک ہزار رکعتیں پوری کر لینی ممکن ہیں۔ مگر خلفائے راشدین کی ایسی نماز نہیں ہوتی تھی۔ ان کا قیام ان کا رکوع ان کا سجدہ کامل نہایت سکون اور سچی عاجزانہ صورت سے ہوتا تھا۔ اور یہ بھی سمجھ لیجئے کہ جلدی نماز پڑھنی منافقوں کا طریقہ ہے حضرت علی اس سے بالکل منزہ و مبرا تھے۔ باقی لیلۃ صفین کی بابت خود حضرت علی سے صحیح ثابت ہے آپ لوگوں سے فرماتے تھے کہ وہ وظیفہ جو نبی ﷺ نے

فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بتایا تھا اسی کا میں وردر کھتا ہوں میں نے اُسے کبھی نہیں چھوڑا کسی نے پوچھا کہ لیلۃ صفین میں آپ نے نہیں چھوڑا کہا نہیں میں صبح اُٹھتے ہی پڑھ لیا کرتا تھا. پھر شیعی علماء کی یہ گوہر افشانی کہ جب کوئی بھالے کا ٹکڑا یا تلوار کا پھیلا یا پیکان آپ کے بدن میں گھس جاتا تھا اور وہ کسی طرح نہ نکل سکتا تھا تو لوگ اس وقت کہ جب آپ نماز پڑھتے تھے آپ کے بدن سے نکال لیتے تھے اور آپ کو خبر نہ ہوتی تھی یہ بھی محض غلط بالکل غلط اور سراسر جھوٹ ہے کہیں کسی صحیح تاریخی نوشتے میں یہ پتہ نہیں لگتا کہ کبھی بھی حضرت علی کے جسم میں تلوار یا نیزہ ٹوٹ کے رہ گیا ہو یہ ایک دل خوش کن کہانی ہے ایسی جھوٹی باتوں سے حضرت علی کی کوئی وقعت نہیں ہوسکتی کیونکہ اللہ تعالی کی طرف سے جتنی عزت انکو ملی ہے وہی کافی ہے یہ جھوٹی باتیں کسی صورت سے بھی ان کی وقعت کہ نہیں بڑھا سکتیں. باقی شیعی علماء نے جو یہ فرمایا ہے کہ حضرت علی نے نماز کی حالت میں زکوۃ دی یعنی نماز اور زکوۃ کو جمع کرلیا بھی کذب محض بہتان عظیم اور سفید جھوٹ ہے اس پر ہم پہلے مفصل بحث کر چکے ہیں یہاں صرف اتنا اور کہنا چاہتے ہیں کہ اس میں کوئی تعریف نہیں نکل سکتی اگر یہ فعل مستحب ہوتا تو سب مسلمانوں کے لے جائز اور مشروع ہوتا اور پھر مسلمان نماز پڑھنے کی حالت میں ضرور خیرات کیا کرتے لیکن جب شرعی طور پر یہ مستحب نہیں ہے نہ آج تک کسی مسلمان نے ایسا کیا لہٰذا صاف طور پر اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ یہ عبادت نہیں ہے اور نماز میں ایسا کرنا بالکل مکروہ ہے اسی طرح شیعی علماء کی یہ رام کہانی کہ حضرت علی نے اپنے ہاتھ کی کمائی میں سے ایک ہزار غلام آزاد کیے تھے ایسا صاف جھوٹ ہے کہ وہ نفس جھوٹ کی انتہاء سے بھی گزر چکا ہے ایک ہزار غلام تو ایک طرف رہے حضرت علی نے تو کبھی سو غلام بھی آزاد نہیں کیے سو تو سوا اُن کی ذاتی کمائی تو اتنی بھی نہ تھی کہ وہ دس غلام بھی آزاد کرتے نہ انہوں نے کبھی کوئی تجارت کی نہ ایسا کوئی ہنر انہیں آتا تھا کہ جس سے وہ بھی اپنی کمائی میں کوئی وسعت پیدا کرتے ۔ پھر شیعی علماء کا یہ کہنا کہ شعب میں حضرت علی مزدوریاں کر کے رسول اللہ پر خرچ کیا کرتے تھے یہ بھی محض جھوٹ اور سراسر غلط ہے اور اسکے غلط ہونے کی کئی وجوہات ہیں. اوّل تو یہ کہ یہ لوگ شعب سے باہر کبھی نہیں گئے اور خاص شعب میں کوئی آدمی ایسا نہ تھا جو حضرت علیؓ کو نوکر رکھ کے اُن سے کام لیتا یا مزدوری کراتا دوسرے حضور انور کا کل خرچ ابوطالب کے ذمے تھا. تیسرے خدیجۃ الکبری سے آپ کو

بہت مدد ملتی تھی. چوتھے مکے میں حضرت علی نے کبھی مزدوری نہیں کی کیونکہ جسوقت حضورِ انور شعب میں تھے علی صغیر سن تھے اور ابھی تک بالغ بھی نہیں ہوئے تھے اس چھوٹی سی عمر کا یہ تقاضا تھا کہ اُن کا خرچ یا تو ان کے باپ ابوطالب اُٹھائیں یا حضور انور کیونکہ اس صغیر سن بچے کی ذاتی آمدنی کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ جب وہ اپنا خرچہ خود نہیں اُٹھا سکتے تھے تو حضور انور کا خرچ کیونکر اٹھا سکتے تھے۔ متواتر حدیثوں سے ثابت ہے کہ جب حضور انور شعب میں جا کے مقیم ہوئے تھے تو اس وقت ابوطالب زندہ تھے۔ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حضور انور کے طائف تشریف لے جانے سے پہلے ابوطالب کا انتقال ہو چکا تھا ابوطالب اور خدیجۃ الکبریٰ کی وفات کا زمانہ بہت قریب ہی قریب ہے اور حضور انور شعب میں ابتداء سلام میں مقیم ہوئے تھے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ جس وقت ابن عباس پیدا ہوئے تو یہ لوگ شعب میں تھے اور جس وقت حضور انور کی وفات ہوئی ہے تو ابن عباس مراہق تھے یعنی زمانہ بلوغ کے قریب تھے اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حضرت علی حضور انور کی ہجرت کی بعد چالیس برس تک زندہ رہے۔ اور حضور انور کو نبوت ہجرۃ سے تیرہ برس پہلے ملی تھی اور حضور کی عمر زیادہ سے زیادہ ۶۳ برس کی شمار ہوئی ہے اِس حساب سے اسلام لانے کے وقت علی کی عمر زیادہ سے زیادہ دس برس کی ثابت ہوتی ہے بھلا خیال کرنے کی بات ہے کہ دس برس کا بچہ کیا مزدوریاں کرتا کیا اپنا پیٹ پالتا کیا حضور کی مدد کرتا فقط۔

حضرت علی کا علم: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے بڑے عالم علی تھے فقط

جواب: ہم اس کا صاف انکار کرتے ہیں کیونکہ جس بات پر کل علماء اسلام کا اتفاق ہے وہ یہ ہے کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کے بعد سے بڑے عالم سب سے زیادہ جاننے والے اوّل ابوبکر ہیں پھر عمر ،اس اجماع کا ذکر اکثر لوگوں نے کیا ہے۔ حضور انور رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں سوائے ابوبکر کے کوئی ایسا نہ تھا کہ حضور انور کے سامنے قضاۃ کرتا خطبہ پڑھتا اور فتوے دیتا ہو دینی مسائل میں سے کبھی کوئی ایسا مسئلہ صحابہ کو پیش نہیں آیا جسکی ابوبکر نے حق کے مطابق تفصیل نہ کر دی ہو مثلاً وفات کے بعد حضور انور کے دفن کرنے میں لوگوں کو فکر ہوا کہ کہاں دفن کریں آخر یہ مسئلہ بھی ابوبکر نے بیان کیا پھر

زکوۃ نہ دینے والوں سے جنگ کرنے میں شک ہوا تو اُسے بھی ابوبکر ہی نے صاف کیا کلالہ کی تفسیر کی تو اِس میں کسی نے اُن کا خلاف نہیں کیا علی وغیرہ بہت سے صحابہ نے ابوبکر سے رِوایت کی ہے چنانچہ سنن میں علی سے مروی ہے وہ کہتے ہیں جب میں نبی ﷺ سے کوئی حدیث سُنتا تو اس سے جو کچھ اللہ کو منظور ہوتا وہ مجھے نفع دیتا باقی جس وقت کوئی اور مجھ سے حدیث بیان کرتا تھا تو میں اُس سے قسم لیتا تھا اگر اُس نے قسم کھالی تو میں اُسے سچا سمجھتا تھا ورنہ اُس کے قول پر مجھے اعتبار نہ ہوتا تھا۔ ابوبکر نے مجھ سے جب کوئی حدیث بیان کی تو وہ واقعی سچ بیان کی مثلاً ایک حدیث میں اُنہوں نے یہ بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی مسلمان احیاناً گناہ کرنے کے بعد وضو کرکے دو نفل پڑھ لے اور اللہ تعالی سے استغفار کرے تو اللہ تعالی ضرور اُس کا گناہ بخش دیگا۔

یہ اچھی طرح سے سمجھ لیجئے کہ ابوبکر نے کوئی فتوی ایسا نہیں دیا جو نص کے مخالف ہو اِس کے مقابلے میں عمر اور علی کے بہت سے فتوے نصوص کے خلاف ہوجاتے تھے امام شافعی نے علی اور ابن مسعود کے خلاف میں ایک بہت بڑی کتاب تالیف کی ہے اور اسی بارے میں محمد بن نصر مروزی نے بھی ایک ضخیم کتاب لکھی ہے صحابہ نے جد کو میراث ملنے میں ابوبکر کا خلاف کیا تھا مگر جب زیادہ غور کیا گیا تو معلوم ہوا کہ صدیق ہی کا قول ٹھیک تھا دس سے زیادہ جلیل القدر صحابہ اس پر متفق ہیں صرف زید اور ابن مسعود نے اِس کا خلاف کیا ہے مگر ان دونوں کے اقوال اِس مسئلے میں کچھ ایسے مضطرب ہیں جس سے صاف یقین ہوجاتا ہے کہ اُن کا قول ٹھیک نہیں ہے بلکہ صدیق ہی کا قول ٹھیک ہے۔ بہت سے ائمہ نے اِس پر اجماع ہونا نقل کیا ہے کہ ابوبکر علی سے بہت زیادہ عالم تھے منجملہ ان کے ایک امام منصور بن عبدالجبار سمعانی مروزی ہیں جو ائمہ شافعیہ میں ایک معتمد علیہ امام ہیں اِس فاضل نے اپنی کتاب تقدیم الادلہ میں یہ ذکر کیا ہے کہ علماء اسلام کا اِس پر اجماع ہے کہ ابوبکر علی سے زیادہ عالم تھے اِسکی وجہ سے ظاہر ہے اور اُسکے لیے کسی دلیل کی حاجت نہیں کیونکہ ابوبکر حضور انور رسول اللہ ﷺ کے سامنے فتوے دیتے امر ونہی کرتے اور نصیحت کرتے تھے اور جب حضور انور کے ہمرکاب کہیں باہر جاتے تو ابوبکر ہی لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے اور اُنہیں ہدایت کیا کرتے تھے یہ مرتبہ اور کسی کو نصیب نہ تھا جب حضور انور بڑے بڑے ذی رائے اور عقلمندوں سے مشورہ لیتے تھے تو اِس مشورے میں ابوبکر

اور عمر کی رائے سب سے مقدم رکھتے تھے یہی دونوں علمی باتوں میں گفتگو کرتے تھے اور یہی دونوں حضور انور کے دربار میں اور سب صحابہ سے زیادہ مقدم سمجھے جاتے تھے جیسا کہ بدر وغیرہ کے قیدیوں کے معاملے میں بھی اُن ہی کی رائے مقدم رہی تھی یہاں تک کہ حضور انور نے صاف فرمادیا تھا کہ جس بات پر تم دونوں کا اتفاق ہو جائے گا میں اِسکے خلاف کبھی کرنے کا۔ سنن میں حضور انور سے مروی ہے آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا تھا کہ میرے بعد تم ابوبکر و عمر کا اقتدا کرنا یہ مرتبہ ان دونوں کے سوا اور کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ مسلم نے اپنی صحیح میں ایک طویل حدیث راویت کی ہے جسکا خلاصہ مضمون یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور انور ﷺ صحابہ سفر میں آپ کے ہمرکاب تھے حضور انور ﷺ نے ایک موقع پر ان کی طرف خطاب کر کے فرمایا کہ میرے بعد اگر تم لوگ ابوبکر و عمرؓ کی اطاعت میں رہو گے تو راہ راست پر رہو گے. ابن عباس سے ثابت ہے کہ وہ قرآن شریف سے فتوی دیتے تھے اور اگر کسی مسئلے کا جواب قرآن شریف سے نہیں ملتا تھا تو رسول اللہ کی حدیث سے دیتے تھے اور اگر حدیث میں نہیں ملتا تھا تو پھر ابوبکر و عمر کے قول سے فتوے دیتے تھے مگر عثمان اور علی کے قول کو اُنہوں نے کبھی مس تک نہیں کیا ابن عباس اپنے زمانہ میں سب صحابہ سے زیادہ عالم تھے ہمیشہ اُنہوں نے ابوبکر و عمر کا قول سب صحابہ پر مقدم رکھا حضور انور ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے ابن عباس کے حق میں یہ دعا کی تھی **اللھم فقھہ فی الدین وعلمہ التاویل** یعنی خدا ابن عباس کو دین کی سمجھ عطا کر اور قرآن کے معنی سکھا۔ حضور انور کو سب صحابہ سے زیادہ ابوبکر و عمر سے ایک خاص خصوصیت تھی کیونکہ یہ دونوں اکثر راتوں کو حضور انور ﷺ کی خدمت رہتے اور علم دین اور مصالح مسلمین کی باتیں کرتے رہتے تھے۔ صحیحین میں عبدالرحمٰن بن ابی بکر سے روایت ہے کہ اصحاب صفہ فقیر آدمی تھے انکی نسبت حضور انور ﷺ نے ایک دفعہ یہ فرمادیا تھا کہ جس کے پاس دو آدمیوں کی بھوک کا کھانا ہو تو وہ ان صفہ والوں میں سے تیسرے کو لیجایا کرے اور جسکے پاس تین کا کھانا ہو وہ چوتھے کو اور جس کے پاس چار کا ہو وہ پانچویں اور چھٹے کو ایک دن اسی ارشاد کے مطابق ابوبکر تین آدمیوں کو لائے اور حضور انور دس آدمیوں کو لے گئے ابوبکر شام کا کھانا حضور انور ﷺ کے ساتھ تناول کر کے وہیں ٹھہر گئے یہاں تک کہ عشا کی نماز ہوئی نماز پڑھنے کے بعد بھی حضور انور ہی کی خدمت میں رہے یہاں تک کہ حضور انور خواب استراحت فرمایا جب زیادہ

رات گزر گئی تو ابو بکر گھر آئے آپ کی بیوی نے کہا تم نے اپنے مہمانوں کی بھی خبر نہیں لی یہ سُنتے ہی آپ چونک پڑے آپ نے فرمایا کیا تم نے ابھی تک انہیں کھانا نہیں کھلایا وہ بولیں میں نے چاہا تھا وہ کھانا کھالیں لیکن اُنہوں نے کہا بغیر ابو بکر کے آئے ہم کھانا نہیں کھانے کے۔ ایک اور روایت میں یہ ہی عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میرے والد نبی ﷺ سے اکثر رات رات گئے تک باتیں کیا کرتے تھے اور ہجرت کے سفر میں سوائے میرے والد کے حضور انور کے ساتھ کوئی اور نہ تھا اسی طرح جنگ بدر کے دن عریش میں حضور انور ﷺ کے پاس ابو بکر کے سوائے اور کوئی نہ رہا تھا صحیحین میں ابو داؤد سے مروی ہے وہ کہتے ہیں میں نبی ﷺ کے پاس بیٹھا تھا کہ یکا یک ایک ابو بکر اپنی تہمد کا پلہ اس طرح پکڑے ہوئے آئے کہ ان کے دونوں گھٹنے کھل گئے تھے حضور انور نے انہیں دیکھتے ہی فرمایا خدا خیر کرے آج ابو بکر کو کوئی فکر لاحق ہے ابو بکر نے آ کے سلام کیا اور پھر یہ عرض کیا کہ مجھ میں اور ابن خطاب میں کچھ بات ہوگئی تھی مگر پہل میری طرف سے ہوئی تھی پھر میں نادم ہوا اور ان سے بہت التجا کی کہ میری خطا معاف کردو مگر انہوں نے صاف انکار کر دیا اب میں حضور انور ﷺ کی خدمت میں آ گیا ہوں حضور انور ﷺ کو اختیار ہے یہ سُن کے حضور انور نے دوبارہ یہ فرمایا اے ابو بکر تمہاری خطا تو اللہ معاف کر دیگا تم ایسے پریشان کیوں ہوتے ہو پھر عمر بھی نادم ہوئے کہ میں نے ابو بکر کی خطا کیوں نہ معاف کر دی اس خیال سے وہ دوڑے ہوئے پہلے ابو بکرؓ کے گھر گئے مگر وہاں انہیں نہ پایا پھر وہ حضور انور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے عمر کو دیکھ کے حضور انور کا چہرہ سُرخ ہو گیا آپ اس قدر غصے ہوئے کہ ابو بکر بھی کانپ گئے اور دست بستہ عرض کیا یا رسول اللہ خطا میری ہے حضور انور ﷺ نے سب صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ جب اللہ نے مجھے نبی بنا کر تمہاری طرف بھیجا تو تم نے میری تکذیب کی سوائے ابو بکر کے اُس نے میری تصدیق کی اور اپنی جان و مال سے ہر طرح میرا ساتھ دیا کیا اب تم میرے ایسے ساتھی کو چھوڑتے ہو کیا تم اسے حقارت کی نظروں سے دیکھتے ہو۔ اگر چہ یہ روایت ہم پہلے کہیں نقل کر چکے ہیں مگر چونکہ اس سے ایک خاص گہرا تعلق نبی اور صدیق میں ظاہر ہوتا ہے اور یہاں یہی دکھانا مقصود ہے اس لئے ہم نے اس جگہ بھی اسے نقل کر دیا ہے۔ بخاری لکھتے ہیں کہ خیر میں ابو بکر سب سے سبقت لے گئے جنگ اُحد میں قریشوں کے سردار نے محمد ﷺ ابو بکر اور عمر ہی کو پکارا تھا جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

ہارون رشید نے امام مالک بن انس سے یہ دریافت کیا کہ ابوبکر و عمر کا نبی ﷺ کے نزدیک کیسا مرتبہ تھا مالک نے جواب دیا حضور انور کی زندگی میں حضور انور ﷺ کے نزدیک ان کا ایسا مرتبہ تھا جیسا آپ کے نزدیک آپ کی وفات کے بعد ہے۔ رشید خوش ہو گئے اور یہ فرمایا کہ اے مالک واقع تم نے سچ کہا بے شک میری اس سے تسکین ہو گئی باوجود کمالِ مودت کمالِ اسلام اور علم و دین کمال مشارکت ہونے کے پھر سب سے زیادہ حضور انور ﷺ کا خاص ہونا اور آپ کا ہر طرح ہر بات میں ساتھ دینا یہ چاہتا ہے کہ یہ دونوں اس کے سب سے زیادہ حق دار تھے جسے صحابہ کے احوال کی کچھ بھی خبر ہے اُسکے لیے یہ امر روزِ روشن کی طرح صاف ہے علم و فقہ میں صدیق اکبر کا ایسا مرتبہ ہے کہ اُس سے علی تو علی عمر بھی عاجز ہیں یہاں تک کہ سب اس بات کے قائل ہیں کہ ابوبکر کا کوئی قول ایسا معلوم نہیں ہوتا جو نص کے خلاف ہو اور یہ اُن کی انتہاء درجے کی معرفت علم دین کی دلیل ہے ہاں ان کے سوا اور صحابہ کے بہت سے ایسے قوال ہیں جو نصوص کے خلاف پڑے ہیں۔ اس پر بھی عمر کے اقوال میں جو نصوص کی موافقت دیکھی جاتی ہے وہ علی کے اقوال کی موافقت سے کہیں زیادہ ہے یہ بات مسائل علم، علماء کے اقوال ادلہ شرعیہ اور ان کے مراتب کو دیکھنے سے معلوم ہوتی ہے مثلاً جس عورت کا شوہر مر گیا ہو اُسکی عدت کا مسئلہ ہے اس میں فاروق اعظم ہی کا قول نصوص کے موافق ہے علیؓ کا قول نصوص کے موافق نہیں ہے اسی طرح مسئلہ حرام میں عمر ہی کا قول نصوص کے موافق ہے نہ کہ علی کا اسی طرح اِس عورت کا مسئلہ ہے جسے اُسکے شوہر نے اختیار دے دیا۔ غرض اِس قسم کے بہت سے فقہی مسائل ہیں جن میں علی کا قول نصوص کے خلاف آ کے واقع ہوا ہے۔ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حضور انور نے نماز پر جو عمودِ اسلام ہے ابوبکر اپنا خلیفہ بنایا تھا پھر ابوبکر ہی نے یہ اعلان کرایا تھا کہ اس سال کے بعد اب کوئی مشرک حج کرنے نہ پائے گا۔ نہ کوئی برہنہ بیت اللہ کا طواف کرنے پائے گا۔

اس کے علاوہ علی ابوبکر کے شاگرد بھی ہیں کہ انہوں نے بعض حدیثیں آپ سے سیکھیں تھیں مگر ابوبکرؓ نے علیؓ سے کچھ نہیں سیکھا اِن اُمور کا اظہار اس سے ہوتا ہے کہ علماء کوفہ جو عمر اور علی کی صحبت میں رہے ہیں مثلاً علقمہ، اسود اور شریح وغیرہ یہ سب عمر کے قول پر ترجیح دیتے تھے یعنی عمر کے قول کے سامنے علی کے قول کو نہیں مانتے تھے باقی مدینے کے اور بصرے والے علماء تو باتفاق عمر ہی کے

قول پر فتوے دیتے تھے ہاں یہ ہم مانتے ہیں کہ علی کا علمِ فقہ بیشک کوفے میں مشہور تھا۔ وہ بھی اِس وجہ سے کہ اُنہوں نے اپنی خلافت کا زمانہ وہیں گزارا تھا۔ تو بھی علی کے تمام شیعہ جنہوں نے اُنکا ساتھ دیا اور انکی صحبت میں رہے ان میں سے ایک شخص نے بھی علی کو ابوبکر و عمر پر مقدم نہیں کیا نہ فقہ میں نہ علم میں نہ دین میں بلکہ وہ سب شیعہ جنہوں نے علی کا ساتھ دیا تھا ابوبکر اور عمر کے مقدم ہونے پر متفق تھے۔ ہاں وہ چند آدمی جو بظاہر اپنے کو شیعانِ علی کہتے تھے لیکن ہمیشہ انہوں نے حضرت علی کو ستایا انہیں پریشان کیا اُن کا حکم نہیں مانا وہ بیشک اس سے اختلاف رکھتے تھے اِن میں تین فرقہ ہیں ایک فرقہ تو وہ ہے کہ اُنہوں نے غلو کر کے علی کو معبود بنا دیا اُن لوگوں کو جتنے گرفت میں آسکے حضرت علی نے زندہ آگ میں جلوا دیا دوسرا فرقہ وہ ہے جو ابوبکر کو بُرا کہتا تھا انکا سردار عبداللہ بن سبا تھا علی نے اُسے بھی قتل کرنا چاہا تھا مگر وہ گرفتار نہ ہوسکا اور مدائن بھاگ کے چلا گیا تیسرا فرقہ وہ ہے جو علی کو شیخین پر فضیلت دیتا تھا اس کی بابت حضرت علی نے فرمایا تھا جس شخص سے میں نے یہ سُن لیا کہ علی ابوبکر و عمر سے افضل ہے تو میں اُس کے حدِ قذف لگاؤں گا یعنی وہ سزا دوں گا جو تہمت لگانے والے کو ملتی ہے۔ اتنی روایتوں کے قریب ہیں جو حضرت علی سے مروی ہیں کہ آپ کوفے میں ممبر پر بیٹھ کے علی الاعلان یہ فرمایا کرتے تھے کہ امت مرحومہ اُسکے نبی کے بعد سب سے بہتر اول ابوبکر ہیں پھر عمر صحیح بخاری وغیرہ میں ہمدانی راویوں سے مروی ہے کہ محمد بن حنیفہ نے اپنے باپ علی سے دریافت کیا تھا کہ نبی کے بعد سب سے بہتر کون ہے فرمایا ابوبکر پھر اُنہوں نے پوچھا کہ ان کے بعد فرمایا عمر پھر محمد بن حنفیہ بولے کہ ان کے بعد آپ ہیں حضرت علی نے فرمایا اے بیٹا تیرا باپ ایک معمولی مسلمان ہے ان کے مرتبے کا ہرگز نہیں ہے۔ بخاری کہتے ہیں ہم سے محمد بن کثیر نے ان سے سفیان ثوری نے ان سے جامع بن شداد نے ان سے ابویعلی منذر ثوری نے بیان کیا انہوں نے محمد بن حنیفہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں میں نے اپنے باپ سے کہا اے باپ رسول اللہ کے بعد سب سے بہتر کون ہے اُنہوں نے تعجب سے دریافت کیا اے بیٹا کیا تمہیں اتنی بھی خبر نہیں میں نے کہا نہیں فرمایا سب سے بہتر ابوبکر ہے میں نے کہا پھر کون فرمایا عمر یہ بات بتواتر ثابت ہے کہ جو شخص آپ کو شیخین پر فضیلت دیتا تھا اُسے آپ سزا دیتے اور مفتری خیال کرتے تھے اگر کوئی یہ کہے کہ آپ محض تواضعاً یا انکساری کے طور پر ایسا کہہ دیا کرتے

تھے تو یہ بھی محض غلط ہے کیونکہ متواضع کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اگر کوئی اُسے حق کے موافق افضل کہے تو یہ اُسے سزا دے اور اُس کا نام مفتری رکھے۔ اب ملاحظہ ہو نیچے آنے والی حدیث جسکی نہ صرف شیعوں میں بلکہ عوام سنیوں میں بھی بہت شہرت ہے اور وہ سب اسے صحیح حدیث سمجھتے ہیں اور وہ حدیث یہ ہے انا مدینة العلم و علی بابها یعنی میں علم کا شہر ہوں اور علی اُس کا دروازہ ہے یہ حدیث بالکل جھوٹ سرتاپا غلط اور محض واہی تباہی ہے کہیں اِس کا پتہ نہیں چلتا اگرچہ بعض اہل مطابع نے اپنی لاعلمی اور نادانی سے اسے کسی حدیث کی کتاب کے حاشیے پر لکھ دیا ہے مگر یہ کھلم کھلا موضاعات میں شمار کی گئی ہے ابن جوزی نے اِسے ذکر کر کے کہا ہے کہ اس کے سب طریقے موضوع ہیں اور اس روایت کا جھوٹا ہونا خود اُس کے متن اور مضمون سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ جب نبی علم کا شہر ہوئے اور اس شہر کا دروازہ ایک ہی ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ علم دین فقط ایک ہی شخص کو حاصل ہوا تو اِس بناء پر اسلام کی بنیاد اُکھڑ جائے گی اِسی لئے سب مسلمانوں کا اسپر اتفاق ہے کہ آپ کے علم کو پہچاننے والے وہ اہل تواتر ہوں یعنی اس قدر لوگ ہوں جنکے خبر دینے اور بیان کرنے پر بعد کے آنے والی نسلوں کو یقین ہو جائے۔ یہ بات قرآن مجید اور سُننِ متواتر سے ثابت ہو چکی ہے کہ ایک کی شہادت کوئی شہادت نہیں ہے نہ کسی صورت سے اُسے تسلیم کیا جا سکتا ہے نہ ایک کے خبر دینے اور بیان کرنے سے کسی کو یقین آ سکتا ہے اس پر اگر شیعی علماء یہ کہیں کہ علی اگرچہ اکیلے ہیں لیکن وہ معصوم ہیں۔ اس لئے ان کی خبر سے یقین کا فائدہ حاصل ہوتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے اُن کے معصوم ہونے کا علم ضروری ہے ان کی عصمت فقط ان کے خبر دینے سے ثابت نہیں ہو سکتی اور نہ یہ اجماع سے ثابت ہوتی ہے کیونکہ اِسکی بابت کبھی اجماع نہیں ہوا کہ حضرت علی کو سب نے معصوم گردان لیا ہو اور امامیہ کے نزدیک اجماع حجت ہے اِس لئے کہ اس اجماع میں اِن کے خیال کے مطابق امام معصوم بھی ہے لیکن پھر عصمت کے ثابت کرنے کی ضرورت پڑتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ اگر علی کی عصمت حق ہوتی تو ضرور تھا کہ ان کی خبر کے سوا وہ کسی اور طریقے سے بھی معلوم ہو جاتی مگر ایسا نہیں پس اگر علم کے شہر کا دروازہ سوائے علی کے اور کوئی نہیں ہے تو نہ اُن کی عصمت ثابت ہوگی اور نہ اُمور دین میں سے کوئی اور امر ثابت ہوگا اِس سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث کسی جاہل زندیق نے افترا کر لی ہے جس سے بظاہر اُس نے تعریف نکالی

ہے مگر یہ درحقیقت تعریف نہیں ہے بلکہ زندیقیوں کو دین اسلام میں قدح کرنے کا طریقہ بتانا ہے یہ بات تواتر سے ثابت ہو چکی ہے کہ تمام اسلامی شہروں کو رسول اللہ کا علم بغیر علی کے پہنچا۔ چنانچہ اہل مدینہ اور اہل مکہ میں تو یہ بات صاف ظاہر ہے کہ اُنہوں نے علیؓ سے کوئی بات نہیں سیکھی اسی طرح شام اور بصرے کا حال ہے کہ اُن کے رہنے والوں نے علی سے کوئی روایت نقل نہیں کی الا ماشاء اللہ ہاں علی کے علم کا شہرہ کوفہ میں کسی قدر بیشک تھا اور باوجود اس کے اہل کوفہ بھی قرآن اور حدیث کو عثمان کے خلیفہ ہونے سے پہلے ہی سیکھ چکے تھے چہ جائے کہ علی سے سیکھتے جو ان کے بعد ہوئے فقہائے اہل مدینہ دین کو فاروق اعظم کی خلافت میں سیکھ چکے تھے اور اہل یمن کو معاذ کا تعلیم دینا اور ان میں رہنا علی سے بدرجہا زیادہ ہے اسی وجہ سے اہل یمن کی وہ روایتیں جو اُنہوں نے معاذ بن جبل سے نقل کی ہیں اور ان روایتوں سے کہیں زیادہ ہیں جو انہوں نے علی سے نقل کی ہیں؟ شریح وغیرہ اکابر تابعین میں سے ہیں انہوں نے فقہ معاذ بن جبل ہی سے حاصل کیا تھا جس وقت علیؓ کوفہ گئے ہیں تو شریح وہاں قاضی تھے اُنہوں نے اور عبیدہ السلمانی نے علی سے کچھ نہیں پڑھا خلاصہ یہ ہے کہ علی کے کوفہ جانے سے پہلے علم اسلام تمام شہروں میں پھیل چکا تھا۔

حضرت علیؓ کی ذکاوت اور علم حاصل کرنے کا شوق: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ جناب امیر علیہ السلام یعنی علی ابن ابی طالب انتہاء درجہ کے ذکی اور علم حاصل کرنے کے بڑے شائق تھے رات دن بچپنے سے لے کر رسول اللہ ﷺ کی وفات تک آپ کی خدمت میں رہے فقط۔

جواب: بات یہ ہے کہ حضرت کی ذکاوت اور تحصیلِ علم کے شوق سے ہم انکار نہیں کرتے مگر ہم یہ کہتے ہیں کہ ابوبکر وعمر سے زیادہ علی ہرگز ذکی نہیں تھے۔ اور نہ انہوں نے ابوبکر وعمر کی نسبت حضور انور سے کچھ زیادہ حاصل کیا۔ صحیحین میں حضور انور ﷺ سے مروی ہے کہ اگر میری اُمت میں کوئی محدث ہو اتو وہ عمر ہے محدث ملہم کو کہتے ہیں۔ جس پر اللہ الہام کرے۔ صحیحین میں دوسری حدیث دودھ کے پیالے کی ہے جو حضور انور نے خواب میں فاروق اعظم کو دیا تھا۔ اس حدیث کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ صحیحین میں ایک تیسری روایت ہے جو ابوسعید سے مروی ہے وہ کہتے ہیں حضور انور نے فرمایا کہ میں

نے خواب میں دیکھا میرے صحابہ میرے روبرو پیش کیے جاتے ہیں اور وہ کرتے پہنے ہوئے ہیں بعض کے کرتے چھاتی تک ہیں بعض کے کچھ نیچے ہیں مگر جب عمر پیش کیے گئے تو اُن کا کرتہ اس قدر نیچا تھا کہ وہ گھسیٹتے ہوئے چلتے تھے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اسکی تعبیر کیا ہے؟ فرمایا دین۔ یہ تینوں حدیثیں صحیح ہیں جو فاروق اعظم کے علم اور دین کی شاہد ہیں مگر علی کے حق میں کوئی ایسی روایت منقول نہیں ہوئی۔ جب عمر کا انتقال ہوا تو ابن مسعود نے کہا تھا میں یہ خیال کرتا ہوں کہ علم کے نو حصے ہیں اور باقی کے دسویں حصے میں ہم سب لوگ شریک ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ابوبکر حضور انور ﷺ کی خدمت میں نہ صرف علی سے بلکہ اور سب سے بہت زیادہ رہتے تھے اور ابوبکر وعمر کا حضور انور ﷺ کے ساتھ اکٹھا رہنا علی کے رہنے سے بدر جہا زیادہ تھا جیسا کہ صحیحین میں ابن عباس سے مروی ابن عباس کہتے ہیں کہ جب فاروق اعظم تختے پر لٹائے گئے تو جنازہ اُٹھنے سے پہلے لوگوں کی عجیب کیفیت تھی کوئی ان کے حق میں دعا کرتا تھا کوئی ان کی تعریف کرتا تھا کوئی اُن کے لیے استغفار کرتا تھا اسی اثناء میں یکایک کسی نے پیچھے سے آ کے میرے مونڈھے پر ہاتھ رکھا میں نے پھر کے دیکھا وہ علی تھے علی کو عمر کی وفات سے بہت ہی صدمہ تھا وہ بے اختیار عمر کی طرف خطاب کر کے یہ کہنے لگے تم نے اپنے بعد ایسا کوئی نہیں چھوڑا جو تم سے زیادہ مجھے محبوب ہو کہ میں اس جیسے عمل کر کے اللہ کے دیدار سے مشرف ہوں خدا کی قسم میں یقین کرتا ہوں کہ تمہیں اللہ تعالی تمہارے دونوں دوستوں ہی کے ساتھ کر دے گا کیونکہ نبی ﷺ اس طرح اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میں ابوبکر وعمر چلے ہیں۔ ابوبکر اور عمر اندر گئے میں ابوبکر وعمر باہر گئے غرض تم دونوں کو رسولِ خدا ہر بات میں اپنے ساتھ ہی بیان فرمایا کرتے تھے فقط (یہ حدیث بہ تبدیل الفاظ اور بھی بیان کر آئے ہیں) یہ تواتر سے ثابت ہے کہ ابوبکر وعمر بہت رات گئے تک مسلمانوں کے بارے میں حضور انور سے باتیں کرتے رہتے تھے۔ وہ مسائل جن میں عمر وعلی کا اختلاف ہے ان میں سے اکثر عمرؓ ہی کا قول ارجح وغالب ہے جیسا کہ اِس حاملہ مسئلہ جس کا شوہر مر گیا ہو وغیرہ۔ اس میں ذرا شک نہیں کہ اہل مدینہ کا مذہب اہل عراق کے مذہب سے راجح ہے یہ لوگ اکثر مسئلوں میں عمر اور زید کی پیروی کیا کرتے تھے ان کے مقابلہ میں عراقی اور ابن مسعود کی پیروی کرتے تھے ہاں یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ فاروقِ اعظم نے بہت سی باتوں میں عثمان اور علی سے مشورہ لیا ہے مگر ساتھ ہی یہ بات

سمجھنے کی ہے کہ علی کا ان کے ساتھ ہونا علی کے اکیلے ہونے سے بہت زیادہ قوی ہے چنانچہ ان کے قاضی عبیدۃ السلمانی نے علی سے کہا تھا کہ آپ کی رائے عمر کے ساتھ جماعت میں ہونی ہمیں زیادہ محبوب ہے آپ کی اُس رائے سے جو آپ تنہا ظاہر کریں. اس پر سب مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ سعید بن مسیب تابعین میں سب سے بڑے عالم تھے ان کا خلاصہ فقہ عمر ہی کے فیصلے تھے ابن عمر بھی وہ فیصلے اُن سے دریافت کیا کرتے تھے. ترمذی میں حضور انور سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہی ہوتا (اس حدیث کو ترمذی نے حسن کہا ہے) یہ بات عجیب وغریب ہے کہ کوفہ جسے علی نے اپنا دار الخلافہ بنا دیا وہ بھی زیادہ تر ان کے اثر میں نہ رہا سب کوفے والے اور ابن مسعود کے شاگرد مثلاً علقمہ، اسود، شریح، حارث بن قیس عبیدۃ السلمانی، مسروق، زر بن حبیش، ابو وائل وغیرہ سب کے سب عمر اور ابن مسعود کے علم کو علی کے علم سے افضل سمجھتے تھے اور اکثر مسائل میں عمر اور ابن مسعود ہی کا قول لیتے اور اُسی پر عمل کرتے تھے نہ کہ علی کے قول پر فقط۔

پھر شیعی علماء فرماتے ہیں العلم فی الصغر کالنقش فی الحجر یعنی بچپنے کا علم اس طرح سے دل پر جم جاتا ہے جیسے پتھر پر نقش پس علی کے علوم اوروں کے علوم سے بہت زیادہ ہوئے کیونکہ ان کے حق میں قابل کلی اور فاعل تام حاصل ہے فقط۔

اس کا جواب یہ کہ شیعی علماء کا یہ قول صرف اس بات کا نتیجہ ہے کہ وہ علوم حدیث سے ناواقف ہیں یہ خبر نہیں کسی شاعر کا قول ہے یا کسی تیز طبیعت شیعہ نے یہ بے معنی اور بھونڈا قول وضع کر لیا ہے حضور انور کے ساتھ اس قول کی نسبت دینی درحقیقت حضور انور ﷺ کی بہت بڑی توہین کرنی ہے۔ حضور انور کے صحابہ کی اللہ نے تائید کی تھی جس سے اُنہوں نے قرآن مجید کو اچھی طرح حاصل کر لیا ان صحابہ میں ایک علی بھی تھے۔ اب ایک اور تماشے کی بات سُنئے قرآن مجید اس وقت کامل ہوا تھا کہ جب علی کی عمر تیس برس کے قریب ہوگئی تھی قرآن مجید کا زیادہ حصہ آپ نے جوانی ہی میں حفظ کیا تھا۔ بچپنے میں آپ کو ایک سورۃ بھی حفظ نہیں تھی سارے قرآن مجید کے حافظ بھی حضرت علی نہیں تھے۔ اگرچہ بعض کا یہ قول ہے کہ آپ نے اخیر میں سارا قرآن مجید حفظ کر لیا تھا. مذہبی دنیا میں یہ بات مسلم ہے کہ انبیاء ساری خلقت سے زیادہ عالم ہوتے ہیں حالانکہ سوائے مسیح کے کسی نبی کو اللہ تعالی نے چالیس برس سے پہلے نبوت عطا

نہیں فرمائی اس سے بچپنے کے نقش فی الحجر کا کلیہ ٹوٹ گیا۔ یہ اچھی طرح سے سمجھ لو کہ حضور انور ﷺ کی تعلیم عام تھی اس میں کسی کی عمر وغیرہ کی تخصیص نہ تھی ہاں طالب کی استعداد کے بے شک شرط تھی ابو ہریرہؓ کو دیکھو جس نے صرف تین برس اور چند مہینے میں اتنا قرآن مجید حفظ کر لیا تھا کہ اور کسی نے اتنا نہ کیا تھا۔

علم نحو کی ایجاد: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ علم نحو کی ایجاد کرنے والے حضرت علی ہی ہیں آپ نے ابوالاسود سے فرمایا تھا کہ کل کلام کی تین قسمیں ہیں. اسم، فعل، حرف، اسکے علاوہ وجوہ اعراب بھی آپ ہی نے سکھائے تھے۔

جواب: اصل یہ ہے کہ یہ علم علوم نبوت سے نہیں ہے بلکہ ایک مستنبط علم ہے اور یہ اس زبان کے قواعد جس میں قرآن مجید نازل ہوا ہے یاد کرنے میں وسیلہ ہوتا ہے۔ خلفاء ثلثہ کے زمانہ میں بے شک یہ علم نہ تھا نہ اسکی کوئی ضرورت تھی جب علی کوفہ میں رہنے لگے تو لوگوں نے بیان کیا ہے کہ علی نے ایک دفعہ یہ کہا تھا کہ میں نے ابوالاسود دئلی سے کہا کہ کلام اسم، فعل اور حرف ہی اتنا کہہ دینے سے کسی بڑی علمیت کا اظہار نہیں ہوتا. ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ صرف اتنی سی بات پر شیعی علماء کیوں بغلیں بجاتے ہیں تعریف تو ان کی کرنی چاہیے جنہوں نے نحو کو مبسوط کر دیا بڑے بڑے نحوی کوفے اور بصرے میں گزرے ہیں۔ ضرورت ایجاد کی ماں ہے جیسی جیسی ضرورت پڑتی گئی نئی نئی باتیں پیدا ہوتی گئیں مثلاً خلیل نے علم عروض ایجاد کیا. اسی طرح اعراب وغیرہ اوروں نے ایجاد کئے۔

حضرت علی کی فقہ: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ تمام فقہا حضرت علیؓ ہی کی طرف رجوع کیا کرتے تھے مگر ہم کہتے ہیں کہ یہ صریح جھوٹ ہے ائمہ اربعہ میں سے کوئی امام یا فقیہ ایسا نہیں ہوا جس نے اپنی فقہ میں کبھی حضرت علی کی طرف رجوع کیا ہو بلکہ انہوں نے اپنا اپنا فقہ فقہائے سبعہ یعنی عمر، زید، ابن عمر وغیرہ سے حاصل کیا تھا. چنانچہ امام مالک اہل مدینہ کے شاگرد تھے اور مدینہ حضرت علی کے قول کے قریب بھی کبھی نہیں گئے تھے. اسی طرح امام شافعی نے اوّل ابن جریج کے مکی شاگردوں سے پڑھا یعنی سعید بن سالم قداح اور مسلم بن خالد زنجی سے اور ابن جریج نے ابن عباس کے شاگردوں

یعنی عطاوغیرہ سے پڑھا تھا اور ابن عباس خود مستقل مجتہد تھے وہ جب کبھی صحابہ کے قول سے فتوی دیتے تھے تو ابوبکر و عمر ہی کے قول سے دیتے تھے علی کے قول سے اُنہوں نے کبھی فتوی نہیں دیا بلکہ وہ علی کی اکثر باتوں کا انکار اور اُن سے خلاف کیا کرتے تھے امام شافعیؒ نے امام مالک رحمۃ اللہ سے بھی پڑھا ہے اور اہل عراق کی کتابیں بھی لکھی ہیں اور اپنے لیے محدثین کا مذہب اختیار کیا اب رہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تو اُن کے خاص اُستاد حماد ابوسلیمان ہیں اور حماد ابراہیم کے شاگرد ہیں ابراہیم علقمہ کے اور علقمہ ابن مسعودؓ کے شاگرد ہیں ہاں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ نے عطاوغیرہ سے بھی پڑھا۔اب رہے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ وہ بھی محدثین کے مذہب پر ہیں اُنہوں نے ابن عیینہ سے تعلیم پائی اور ابن عیینہ نے عمر بن دینار سے اور اُنہوں نے ابن عباس ابن عمر اور ہشام بشیر سے اور ہشام نے حسن کے شاگردوں سے اور ابراہیم نخعی سے تعلیم پائی اسی طرح اسحٰق بن راہویہ ابوعبیدہ اوزاعی اور لیث وغیرہ اُن کا اکثر فقہ اہل مدینہ سے ہوتا تھا نہ کہ کوفیوں سے۔شیعی علماء یہ بھی فرماتے ہیں کہ مالکیہ نے اپنا علم صرف علی اور اُن کی اولاد ہی سے حاصل کیا ہے ہم کہتے یہ بھی محض غلط ہے اور بالکل سفید جھوٹ ہے امام مالک کی کتاب موطا موجود ہے اُسمیں کوئی روایت نہ علی سے ہے نہ اُن کی والاد سے الا ماشاء اللہ اس کی سب روایتیں اوروں ہی سے ہیں ہاں امام جعفر سے کل نو حدیثیں ہیں اس سوائے امام جعفر کے علی کی اولاد میں کسی سے امام مالک نے کوئی روایت نہیں لی اسی طرح وہ حدیثیں جو صحاح، سنن اور مسانید میں ہیں ان میں حضرت علی کی اولاد میں سے بہت ہی کم روایتیں پائی جاتیں ہیں۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ اور امام جعفر صادق: شیعی علماء یہ بھی فرماتے ہیں کہ ابوحنیفہ نے امام صادق سے پڑھا ہے یہ سب سے زیادہ سفید جھوٹ ہے اور ایسا جھوٹ کہ جسے کچھ بھی واقفیت ہے وہ اُس کے سفید جھوٹ ہونے کی فوراً شہادت دیگا۔امام ابوحنیفہ امام جعفر صادق کے ہم عصروں میں سے ہیں یہ اُن کی شاگردی کس طرح کر سکتے تھے امام صادق کا انتقال ۱۴۸ھ ہجری میں ہوا ہے اور امام ابوحنیفہ کا انتقال ۱۵۰ھ ہجری میں امام ابوحنیفہ امام جعفر کے والد ابوجعفر کی زندگی میں فتوئی دیا کرتے تھے یہ کہیں سے ثابت نہیں ہوتا کہ امام ابوحنیفہ نے ایک مسئلہ بھی امام جعفر صادق یا اُن کے والد سے سیکھا ہو بلکہ امام ابوحنیفہ نے ان لوگوں سے تعلیم پائی تھی جو ان دونوں سے بڑے تھے جیسے

عطاء بن ابی صباح اوران کے اصلی استاد حماد بن ابی سلیمان اور جعفر بن محمد مدینے میں تھے۔

امام شافعی اور محمد بن حسن: پھر شیعی علماء فرماتے ہیں کہ امام شافعی نے محمد بن حسن سے تعلیم پائی ہے یہ بھی محض غلط ہے شافعی نے محمد بن حسن سے کچھ نہیں پڑھا۔ ہاں ان کے حلقے میں بیٹھے ہیں اوران کا طریقہ معلوم کر کے اُن سے مناظرہ کیا ہے. سب سے پہلے امام شافعی ہی نے محمد بن حسن کی غلطیوں پر روشنی ڈالی ہے محمد ابن حسن امام مالک اور اہل مدینے کا رد کیا کرتے تھے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ نہایت انصاف اور آزادی سے محمد بن حسن کے کلام کا اور اہل مدینے کے قول کا موازندہ کیا۔ جب انہیں اہل مدینے کا قول حق معلوم ہوا تو انہوں نے بلا تامل اہل مدینہ کے قول کی تائید کی پھر عیسیٰ بن ابان نے ایک کتاب تصنیف کی جس میں اُس نے دل کھول کے امام شافعی کا رد کیا ہے اس کا جواب الجواب ابن سریج نے ایسا دندان شکن دیا کہ عیسیٰ بن ابان کے پرخچے اُڑ گئے. اب امام احمد کو لو انہوں نے امام شافعی سے کچھ نہیں پڑھا لیکن ان کے حلقے میں شریک ہوئے ہیں جیسا کہ امام شافعی محمد بن حسن کے حلقے میں شریک ہوئے تھے مگر یہ عجیب بات ہے کہ اکثر مسائل میں امام شافعی اور امام احمد کا اتفاق ہے اور محمد بن حسن سے ان میں سے ایک کا بھی اتفاق نہیں ہے. امام شافعیؒ عمر میں امام احمد سے دس برس سے کچھ زیادہ بڑے تھے اصل یہ ہے کہ ان ائمہ اربعہ میں کوئی ایسا نہیں ہے جس نے فقہ کے قواعد میں کوئی بات بھی امام جعفر صادق سے سیکھی ہو۔ حدیثیں ان سے روایت کی ہیں جیسا کہ ان کے سوا اوروں نے بھی روایت کی ہیں مگر اوروں کی حدیثیں ان کی حدیثوں سے کئی گنا زیادہ ہیں. اسکے علاوہ زہری اور صادق کی روایت میں کوئی نسبت نہیں ہے نہ قوت میں نہ کثرت میں امام بخاری نے جب یہ سنا کہ یحیٰی بن سعید قطان نے امام جعفر صادق کی روایتوں پر اعتراض کیا ہے۔ تو اُن کی بھی آنکھیں کھل گئیں اور انہوں نے جب مزید تحقیقات کی تو انہیں بھی جعفر صادق کی روایتوں میں شک ہو گیا۔ اِسی لیے امام بخاری نے جعفر صادق کی کوئی حدیث روایت نہیں کی. راویتوں کا ایک طوفان ہے جو زبردستی امام جعفر سے سر چپکا گیا ہے حالانکہ وہ اس سے بالکل بری تھے جھوٹ کا یہاں تک مبالغہ ہوا اور وہ اس قدر بڑھا کہ کوئی امور جعفر صادق کی طرف منسوب کر دئے گئے یعنی علم بطاقہ ہفت، جدول،

اختلاج اعضاء، منافع، ان حوادث پر گفتگو کرنا قرآن کی تفسیریں اشارات کی قسمیں نکالنا وغیرہ۔ اسے اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ یہ سب امور ان کے ذمہ لگانے محض بہتان اور طوفان ہیں۔

مالک اور ربیعہ وغیرہ: شیعی علماء کہتے ہیں کہ امام مالک ربیعہ کے شاگرد ہیں اور ربیعہ عکرمہ کے اور عکرمہ ابن عباس کے اور ابن عباس علی کے شاگرد ہیں۔ ہم کہتے ہیں یہ بھی صریح جھوٹ ہے کیونکہ ربیعہ نے عکرمہ سے کچھ نہیں پڑھا بلکہ امام مالک نے اپنی کتابوں میں سوائے ایک یا دو اثر کے ربیعہ کا کہیں ذکر نہیں کیا اور نہ عکرمہ کا کہیں نام لیا کیونکہ ابن عمر اور سعید بن میتب کی طرف سے اُنہیں یہ خبر لگ گئی تھی کہ انہوں نے ان پر کچھ اعتراض کئے ہیں اس لیے امام مالک نے انہیں ترک ہی کر دیا۔ اسی طرح مسلم نے بھی اِن کی کوئی حدیث روایت نہیں کی ہاں ربیعہ نے اہل مدینہ کے فقہا یعنی سعید بن میتب وغیرہ سے پڑھا ہے مگر سعید ہمیشہ عمر فاروق ہی کی شاگردی کا فخر کرتے تھے۔ ہاں یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ انہوں نے زید بن ثابت اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہم سے بھی تعلیم پائی ہے۔ اسی وجہ سے بعض علماء نے کہا ہے کہ امام مالک کے موطاء کے اصول ربیعہ سے لیے گئے ہیں اور ربیعہ نے سعید بن میتب سے اور اُنہوں نے حضرت عمرؓ سے ہارون رشید نے ایک دن امام مالک سے کہا کہ تم اپنی موطاء میں ابن عمر کی حدیثیں بہت لکھیں ہیں اور ابن عباس کی کم اِس کا کیا سبب ہے۔ تو انہوں نے یہ جواب دیا اے امیر المؤمنین ابن عمر عباس سے زیادہ پرہیز گار تھے۔

خلاصہ یہ ہے کہ امام مالک کی موطاء موجود ہے اُسے اوّل سے آخر تک دیکھ جاؤ اس سے معلوم ہو جائیگا کہ شیعی علماء نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ کس قدر غلط ہے۔ اب رہا شیعی علماء کا یہ کہنا کہ ابن عباس علی کے شاگرد ہیں یہ بھی بالکل غلط ہے کیونکہ ابن عباس نے حضرت علی سے جتنی روایتیں کی ہیں وہ بہت ہی کم ہیں ان کی اکثر روایتیں صحابہ میں حضرت عمر زید بن ثابت اور ابو ہریرہؓ وغیرہ سے ہیں۔ ابن عباس ہمیشہ ابو بکر و عمر کے قول پر فتویٰ دیتے تھے علی کی تو انہوں نے بہت سے مسئلوں میں مخالفت کی جیسا کہ امام بخاری نے لکھا ہے کہ جب علی کے پاس زندیق لوگ گرفتار ہو کے آئے تو علی نے انہیں آگ میں جلوا دیا جب اس ہولناک خبر کی ابن عباس کو اطلاع ہوئی تو اُنہوں نے صاف طور پر کہا

کہ علی نے بُرا کیا اگر میں اُسوقت ہوتا تو انہیں کبھی نہ جلانے دیتا کہ کیونکہ رسول اللہ ﷺ اسکی سخت ممانعت کر گئے ہیں۔

علیؓ اور قرآن مجید کی تفسیر: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ علم تفسیر بھی حضرت علی ہی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے کیونکہ اس علم میں ابن عباس ان کے شاگرد ہیں. بقول شیعی علماء ابن عباس فرماتے ہیں کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کی ب کی تفسیر حضرت امیر المومنین علی نے مجھ سے شام سے لے کے صبح تک بیان کی تھی فقط۔ ہم اس سے بھی صاف انکار کرتے ہیں کیونکہ ہمیں کوئی سند ایسی نہیں ملتی جس سے یہ معلوم ہو کہ ابن عباس نے ایسا کہا ہے. یہ بات اچھی طرح سمجھ لو کہ منقولات سے دلیل بیان کرنے والے پر کم سے کم یہ بات بہت ضروری ہے کہ وہ ایسی اسناد کو صاف بیان کردے جس سے اس نقل کی صحت ثابت ہو جائے ورنہ محض اتنی سی بات سے کہ یہ منقولات کی کتابوں میں مذکور ہے ان سے استدلال کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں ہے چہ جائیکہ جب یہ بھی معلوم ہو جائے کہ ان کتابوں میں بہت سی باتیں جھوٹی بھی ہیں۔ دوسرے محدثین خوب جانتے ہیں کہ یہ صریح جھوٹ کیونکہ یہ اثر جو ابن عباس اس سے نقل کیا جاتا ہے ان کے ذمے نرا اتہام ہے اس روایت کی اُن سے منقول ہونے کی کوئی سند نہیں ہے خوش اعتقادیا اپنے فرضی پیر کو آسمان پر چڑھانے والے ہمیشہ ایسی حکائتیں بلا اسناد بیان کردیتے ہیں اور ان حکایتوں کو اکثر وہ جہلا نقل کیا کرتے ہیں جو بے حقیقت باتوں میں گفتگو کرتے ہیں اور انکا مقصد اعظم ناواقف آدمیوں کو گمراہ کرنے کا ہوتا ہے. ابن عباس صحیح صحیح سندوں کے ساتھ بہت سی تفسیر منقول ہوئی ہے مگر اُس میں علی کا کہیں ذکر تک نہیں آیا ہاں اور صحابہ سے ابن عباس نے روایت کیا ہے مگر علی سے اِن کی روایتیں بہت ہی کم ہیں. اصحاب صحاح نے ابن عباس کی کوئی ایسی حدیث روایت نہیں کی جو علی سے مروی ہو بلکہ اُن کی ایسی حدیثیں بہت سی روایت کی ہیں جو عمر فاروق عبدالرحمٰن بن عوف اور ابو ہریرہؓ وغیرہ سے منقول ہیں. اسکے علاوہ ابن عباس، عمر فاروق اور ابن مسعود وغیرہ ایسے صحابہ سے تفسیر کی ہے جنہوں نے علی سے کوئی بات اخذ نہیں کی، نہ مسلمانوں کے پاس کوئی تفسیر ہے جو علی سے ثابت ہوئی ہو اور جو حدیث اور تفسیر کی کتابیں صحابہ اور تابعین کے آثار سے بھری ہوئی ہیں علی کی روایت ان میں بہت ہی کم ہے. چالاک آدمیوں نے اپنی طرف سے کتابیں تصنیف کیں اور علی اور اُن کی اولاد کے سر چپیک دیں۔ جہلا میں یہ بات یقین کر لی گئی کہ یہ کتابیں انہیں بزرگوں کی

ہیں۔ مثلاً نہج البلاغۃ کے جتنے خطبے ہیں وہ سب یار لوگوں کی جدت پسند طبیعت کا نتیجہ ہیں۔ مگر غضب دیکھیے! کہ ان خطبوں کو حضرت علی کے سر چپیک دیا۔ اس طرح حقائق السلمی میں امام جعفر صادق سے جو تفسیر نقل کی گئی ہے اس در حقیقت جعفر کے ذمے نرا اتہام ہی اتہام ہے بیچارے جعفر کو اس تفسیر سے کچھ تعلق نہیں۔

حضرت علی اور علم طریقت: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ علم طریقت بھی جناب امیر علی بن ابی طالب ہی کی طرف منسوب ہے کیونکہ صوفیہ سب کے سب خرقہ کو اُنہیں کی طرف منسوب کرتے ہیں.

ہم کہتے ہیں یہ بھی محض غلط ہے عام طور پر سنیوں کو بھی ایک عرصے سے یہ دھوکہ ہو رہا ہے کیونکہ ان میں بہت سے سنی نما صوفی یا صوفی نما شیعہ اصحاب اس کثرت سے پیدا ہو گئے ہیں کہ بیچارے جاہل انہی کے ہو کے رہ گئے اور جو کچھ وہ کہتے ہیں اس پر وہ آمنا وصدقنا کہنے کے لیے سب سے پہلے تیار ہیں.

آج کل ہندوستان میں بہت بڑی آفت پھیلی ہوئی ہے صوفی نما شیعوں کا ایسا داؤ چل گیا ہے کہ انہوں نے صدیق اکبر اور فاروق اعظم کی عظمت کو مسلمانوں کے دلوں سے بالکل نسیاً منسیاً کر دیا ہے وہ جھوٹی اور موضوع روایتیں اپنے مریدوں کے جلسوں اور اپنے وعظوں میں نہایت بے باکی سے بیان کرتے ہیں اور اُن میں حضرت علی کی فرضی فضیلت کا راگ گایا جاتا ہے. جاہل مرید معاذ اللہ اپنے پیر کے کلام کو کلام خدا سمجھ کے اُس کا یقین کر لیتے ہیں اب اُسکی حقیقت سنئے اور غور سے سنئے کہ اہل معرفت جوامت مرحومہ میں لسانِ صدق کیساتھ مشہور ہیں وہ سب کے سب ابوبکر صدیق کے مقدم ہونے پر متفق ہیں اور اس بات کے قائل ہیں کہ حقائق ایمانیہ اور احوال عرفانیہ میں ابوبکر ساری امت سے بڑھے ہوئے تھے پس ایسے شخص سے جسکو لسان صدق ان حقائق میں مقدم کہیں جو ان کے نزدیک تمام امور سے افضل ہیں اُس شخص کو کیا نسبت ہو سکتی ہے جس کی طرف لباس خرقہ کو منسوب کیا جاتا ہے حالانکہ صحیحین میں حضور انور رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے آپ نے فرمایا ہے. ان اللہ لا ینظر الی صورکم واموالکم وانما ینظر الی قلوبکم یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری ظاہر صورتوں اور تمہارے مال و دولت کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے. اس سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ حقائق قلوب کو لباس ابدان سے کچھ بھی نسبت نہیں ہے. اب خرقہ کو دیکھا جائے تو آپ کو

یہ معلوم ہوگا کہ خرقے متعدد ہیں ان میں زیادہ تر مشہور دو ہیں ایک اویس قرنی تک دوسرا ابو مسلم خولانی تک باقی وہ خرقہ جو علیؓ کی طرف منسوب ہے اُس کا سلسلہ حسن بصری تک ہے اور متاخرین اُسے معروف کرخی کے سلسلے سے مانتے ہیں کیونکہ اس میں شک نہیں کہ جنید، سری سقطی کی صحبت میں رہے اور سری سقطی نے معروف کرخی سے فیض پایا لیکن معروف کرخی سے اوپر سلسلہ ٹوٹتا ہے اسے ماننے والے کبھی تو یہ کہتے ہیں کہ معروف کرخی نے علی بن موسی رضا کی صحبت سے فیض اُٹھایا ہے مگر یہ یقیناً غلط ہے اِس کا ذکر اِن مصنفین نے کہیں نہیں کیا جو معروف خبروں کو متصل سندوں کے ساتھ بیان کرتے ہیں جیسے ابونعیم اور ابوالفرح ابن جوزی اس نے کرخی کے فضائل میں ایک کتاب بھی تصنیف کی ہے اس کے علاوہ معروف کرخی کرخ میں سب سے علیحدہ رہتے تھے۔ اور علی بن موسیٰ کو مامون نے اپنے بعد ولیعہد مقرر کردیا تھا اور ان کا شعار سبز لباس ٹھہرادیا تھا پھر اُس نے اس سبز شعار کو بدل دیا اور سیاہ لباس قرار دیا معروف ہرگز ان لوگوں میں نہیں ہیں جو علی بن موسی کے ساتھ رہے ہوں نہ کسی معتبر راوی نے یہ نقل کیا کہ معروف کا اور موسی رضا کا ساتھ رہا ہو یا انہوں نے اِن سے کچھ فیض اٹھایا ہو ہم صحبت ہونا تو دوسری بات ہے

''دہن کا ذکر کیا یہاں سر ہی غائب ہے گریباں سے''

کہیں سے یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ معروف کرخی نے علی بن موسی کو دیکھا بھی ہو. یادرکھو یہ ساری باتیں اختراعی اور جھوٹی ہیں. باقی دوسرا سلسلہ دیکھو لوگ کہتے ہیں کہ معروف کرخی داؤد طائی کی صحبت میں رہے ہیں یہ بھی محض بے اصل ہے معروف خبروں میں انکا کہیں ذکر نہیں ہے پھر لوگ یہ کہتے ہیں کہ داؤد طائی حبیب عجمی کی صحبت میں رہے ہیں یہ بھی محض غلط اور بالکل غلط ہے ہاں یہ بات صحیح ہے اور ہم اُسے مانتے ہیں کہ حبیب عجمی حسن بصری کی صحبت میں رہے ہیں. حسن بصری کے ان کا علاوہ بہت سے شاگرد تھے مثلاً ایوب سختیانی، یونس بن عبید، عبداللہ بن عوف، محمد بن واسع، مالک بن دینار، اور حبیب عجمی وغیرہ لوگ بصرے کے عابد مشہور ہیں.

اسی سلسلے میں بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ بصری علی کی صحبت میں رہے ہیں مگر یہ قول باتفاق

تمام اہلِ معرفت کے بالکل باطل ہے کیونکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حسن بصری کی علی سے کبھی ملاقات بھی نہیں ہوئی ہے ہاں حسن نے علی کے شاگردوں سے کچھ حاصل کیا ہے۔ مثلاً احنف بن قیس اور قیس بن عباد وغیرہ یہ دونوں حضرت علی کے شاگرد ہیں۔ اہل صحیح نے اسے اسی طرح نقل کیا ہے. حسن بصری عمر فاروق کی شہادت سے دو سال پہلے پیدا ہوئے تھے اور جب عثمان شہید ہوئے تو یہ مدینہ منورہ میں تھے اُن کی والدہ اُم سلمہ کی خادمہ لونڈی تھیں عثمان شہید ہوئے تو یہ مدینہ منورہ میں تھے عثمان کے شہید ہونے کے بعد یہ بصرے چلے گئے تھے علی اُس وقت کوفے میں تھے یہ زمانہ حسن کی نوعمری کا تھا نہ وہ کسی سے واقف تھے نہ انہیں کوئی جانتا تھا. علی سے جو یہ اثر نقل کیا جاتا ہے کہ آپ بصرے کی جامع مسجد میں گئے اور سوائے حسن کے سب قصہ گویوں کو نکال دیا یہ محض غلط اور بالکل غلط ہے اور اُسکے جھوٹ ہونے پر سب کا اتفاق ہے ہاں جو جو بات ٹھیک ہے وہ یہ ہے کہ علی جب مسجد میں گئے تو انہوں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ کوئی قصہ بیان کر رہا ہے آپ نے دریافت کیا تیرا نام کیا ہے؟ اُس نے جواب دیا ابو یحیےٰ علی نے کہا تو ناسخ و منسوخ میں تمیز کر سکتا ہے؟ اُس نے کہا نہیں. آپ نے فرمایا کمبخت تو خود بھی تباہ ہوا اور تو نے اوروں کو بھی تباہ کیا. پھر آپ نے فوراً اُسے مسجد سے نکلوا دیا. ہم نے جو خرقہ کی سندیں بیان کی ہیں اُسکی دو وجہ ہیں اوّل یہ کہ یہ سندیں ہمیں معلوم ہیں دوسرے یہ کہ ہمارے بیان کرنے سے حق میں باطل تمیز ہو جائیگی باقی جن لوگوں کے پاس اس خرقہ کی سندیں ہیں جو جابر کی طرف منسوب ہیں وہ سندیں بالکل منقطع ہیں. نقل متواتر سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ نے اپنے مریدوں کو کبھی خرقہ نہیں پہنایا نہ کبھی انکے بال کترے نہ یہ فعل تابعین نے کیا ہاں متاخرین میں سے بعض مشرقی مشائخ نے ایسا کیا ہے. حسن بصری کے قصے صحیح صحیح سندوں کے ساتھ بہت سی کتابوں میں مذکور ہیں اور جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اِن سے یہی ثابت ہوتا ہے ان سب سے ضعیف تر حضرت علی کی طرف فتوۃ کی نسبت کرنی ہے اِس کی اسناد میں بہت سے راوی مجہول ہیں جنکا ہمیں کہیں پتہ نہیں لگا. جو شخص صحابہ اور تابعین کے حال سے واقف ہوگا وہ یقیناً جان لیگا کہ ان میں کوئی بھی ایسا نہ تھا جس نے نمک پیا ہو یا ایسی ہی کوئی بات کی ہو نہ اُن میں سے کوئی شخص کسی طریقے کے ساتھ مخصوص ہو جسکا

نام فتوۃ رکھا گیا ہے بلکہ وہ سب صحابہ سے مستفید ہوتے اور بیعت ہوتے تھے اور ایک کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے دوسرے صحابی یا تابعی سے آزادی کے ساتھ فیض اُٹھاتے تھے مثلاً ابن مسعود کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے عمر، علی اور ابودردا، وغیرہ سے فیضیاب ہوتے تھے اسی طرح معاذ بن جبل کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے ابن مسعود وغیرہ سے فیض لیتے تھے اسی طرح ابن عباس کے ابن عمر اور ابوہریرہ وغیرہ سے اور زید بن ثابت کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے ابوہریرہ وغیرہ سے فیض حاصل کرتے تھے یہ سب کے سب ایک ہی دین ایک ہی طریق اور ایک ہی سبیل پر متفق تھے اللہ کی عبادت کرتے اور اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت میں سرگرم رہتے اور حضور انور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے جو بات اُنہیں سچے راویوں کے ذریعہ سے پہنچتی تھی اسے فوراً بدل وجان قبول کر لیتے تھے قرآن وحدیث سے جو انکی سمجھ میں آتا تھا برابر مستفید ہوتے تھے جو انہیں نیکی اور خیر کی نصیحت کرتا اُسے فوراً تسلیم کر لیتے تھے ان میں ایک متنفس بھی ایسا نہ تھا جس نے اپنے پیر یا اپنے شیخ کو خدا سمجھ لیا ہو اُس سے کسی قسم کی فریاد کی ہو یا اُسے مثل اُس معبود کے سمجھ لیا ہو جس سے دعائیں مانگی جاتی ہیں جس سے امید کی جاتی ہے. جس کی عبادت میں سرخم کیا جاتا ہے. جس پر توکل کیا جاتا ہے اور موت وحیات غرض ہر حال میں جس سے فریاد کی جاتی ہے نہ اُسے وہ مثل اُس نبی کے سمجھتے تھے جسکی اطاعت کرنی واجب ہے. مطلب تو یہ ہے کہ حلال وہی ہے جو اللہ نے حلال کیا ہو اور حرام وہی ہے جو اللہ نے حرام کیا ہو. باقی اس کے خلاف جو شخص عقیدہ رکھے وہ مسلمان نہیں ہے. صحابہ نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کے معاون تھے نہ کہ گناہ اور عداوت پر. وہ ایک دوسرے کو حق کی اور صبر کی نصیحت کرتے تھے. امام اور شیخ ان کے نزدیک بمنزلہ نماز کے امام اور معلم حج کے تھا۔ مقتدی امام کے پیچھے نماز پڑھتے اور اس کی اقتدا کیا کرتے ہیں اس کی نماز ان کی طرف سے نماز نہیں ہو جاتی. وہ اُنھیں وہی نماز پڑھاتا ہے. جس کا اللہ نے اور اللہ کے رسول ﷺ نے حکم دیا ہے. اگر وہ اس سے سہواً یا عمداً عدول کرے تو یہ اسکا اتباع نہیں کرتے. اسی طرح معلم حج حاجیوں کو حج کے طریقے بتاتا ہے اور یہ اپنی طرف سے حج کرتے ہیں معلم کا حج انکی طرف سے نہیں ہو جاتا. اگر وہ بتانے میں خطا کرے تو یہ اس کی پیروی نہیں کرتے اور جب

دو معلموں اور دو اماموں میں اختلاف ہوتا ہے تو غور کیا جاتا ہے کہ ان میں حق پر کون ہے پھر اس کا اتباع کیا جاتا ہے اور ان میں فیصلہ قرآن وحدیث سے ہوتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ (النساء:۵۹) یعنی اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور ذی اختیار لوگوں کی جو تم میں سے ہوں پھر اگر کسی معاملہ میں تم باہم مختلف ہو جاؤ تو اگر تم اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو تو اس (معاملہ) کو اللہ اور اللہ کے رسول کے پاس لے جاؤ۔ جتنے صحابہ مختلف شہروں میں بود و باش رکھتے تھے وہاں کے لوگوں نے اُن سے علم دین حاصل کیا مگر مشرق و مغرب کے اکثر مسلمانوں نے علی سے کچھ بھی نہیں سیکھا، کیونکہ علی جب مدینہ میں رہتے تھے تو مدینہ کے لوگ ان کے زیادہ محتاج نہ تھے، اور اگر تھے بھی تو اتنے ہی تھے جتنے اُن کے اور ہمعروں کے تھے مثلاً عثمان غنی وغیرہ۔ اور علی کوفہ گئے تو وہاں کے لوگ اُن کے پہنچنے سے پہلے ہی اپنے دین کو اُن لوگوں سے سیکھ چکے تھے جنھیں عمر فاروق نے کوفہ بھیجا تھا یعنی سعد بن ابی وقاص ابن مسعود۔ حذیفہ۔ عمار اور ابوموسیٰ اشعری وغیرہ۔ اب رہے اہل بصرہ انھوں نے عمران بن حسین ابوبکر۔ عبدالرحمٰن بن سمرہ اور انس وغیرہ۔ سے علم دین حاصل کیا تھا اِس کے علاوہ اہل شام معاذ بن جبل۔ عبادہ بن صامت۔ ابودردا اور بلال وغیرہ کے علم دین میں شاگرد تھے۔ ان شہروں کے عابد زاہدین کو اُن ہی صحابہ سے حاصل کر لیتے تھے جو انھیں ملتے تھے۔ کوئی کسی کی کچھ خصوصیت نہیں سمجھتا تھا۔ بھلا یہ کہنا کیونکر ٹھیک ہو سکتا ہے کہ اہل زہد اور اہل تصوف کا طریقہ علی ہی سے تعلق رکھتا ہے۔ زہد کی کتابیں موجود ہیں انھیں غور سے پڑھو کسی کتاب میں بھی یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس طریقہ کا تعلق خاص علی ہی سے ہے۔ امام احمد کی کتاب موجود ہے ابن المبارک۔ وکیع بن جراح کی کتابیں۔ حلیۃ الاولیاء۔ صفۃ الصفوہ وغیرہ جن میں صحابہ اور تابعین کے قصے بہت ہیں اب بھی دستیاب ہو سکتی ہیں۔ ان کتابوں میں علی کے تصوف کی بابت کوئی امر ایسا نہیں ہے جس سے معلوم ہو کہ وہ ابوبکر۔ عمر۔ معاذ۔ ابن جبل۔ ابن مسعود۔ ابی بن کعب۔ ابوذر۔ ابوالدرداء اور ابوامامہ وغیرہ سے بڑھے ہوئے تھے۔

حضرت علی کا علم فصاحت : شیعی علماء فرماتے ہیں کہ علی علم فصاحت کے تو منبع تھے بعض نے یہاں تک کہا ہے کہ علی کا کلام مخلوق کے کلام سے اوپر اور خالق کے کلام نیچے ہے اسی لئے تمام خطیب اِن ہی سے فیضیاب ہوئے ہیں۔فقط

جواب: یہ ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ علی بعض صحابہ میں اچھا خطبہ پڑھنے والے تھے مگر ابوبکر کے خطبہ کو ان کا خطبہ نہیں پہنچ سکتا تھا ان کے علاوہ ثابت بن قیس بن شماس تو خطیب رسول اللہ کے نام سے مشہور تھے۔ یقیناً اور بلا شک ابوبکر کا درجہ ان میں بڑھا ہوا تھا کیونکہ وہ حضور کی موجودگی اور عدم موجودگی غرض ہر حالت میں خطیب ہوتے تھے۔ جب حضور موسم حج میں باہر تشریف لیجاتے تھے تو آپ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے تھے۔ اور حضور انور کے لئے ہر جگہ خطبہ پڑھتے تھے۔ جس خطبہ میں آپ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے تھے اور حضور انوار ابوبکر کا خطبہ خاموشی سے سنتے تھے اور اسی پر بس کر لیتے تھے۔ ابوبکر کا خطبہ حضور انور کی معتوت کے لئے آپ کی تبلیغ کا توطیہ تمہید ہوتا تھا نہ یہ کہ وہ اللہ کے رسول سے پیش قدمی کرتے تھے اس طرح ثابت ابن قیس بھی بعض اوقات حضور انور کی طرف سے خطبہ پڑھ دیتے تھے جس سے اس کا نام خطیب رسول اللہ پڑ گیا تھا۔ جب حضور انور اور ابوبکر مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ مدینہ آئے ہیں تو حضور کی طرف سے سب سے پہلے ابوبکر ہی نے خطبہ پڑھا تھا آپ کی فصاحت و بلاغت آپ کا رحمانی جوش اُس وقت موجزن ہوا کہ جن لوگوں نے آپ کا خطبہ سُنا اُنھوں نے یہ سمجھ لیا کہ محمد رسول اللہ یہی ہیں مگر بعد ازاں اُن کی غلطی کی اصلاح ہوگئی۔

حضور انور کی وفات کے بعد بھی ابوبکر ہی نے خطبہ پڑھا تھا سقیفہ کے دن بھی ابوبکر ہی نے خطبہ پڑھا تھا اور یہ ایسا خطبہ تھا جس سے تمام حاضرین کو بہت بڑا فائدہ ہوا یہاں تک کہ عمر فاروق نے یہ فرمایا کہ میں نے اپنے دل میں ایک نہایت عمدہ تقریر سوچی تھی میں چاہتا تھا کہ اسے ابوبکر کے بیان کرنے سے پہلے ہی بیان کر دوں کیوں کہ مجھے وہ بہت ہی بھلی معلوم ہوتی تھی اور میں اُس کے جملوں کی اُلٹ پھیر کر رہا تھا تا کہ اسمیں کسی قسم کی کوئی بات غیر مناسب نہ ہو جائے مگر جب میں نے بولنا چاہا تو ابوبکر نے مجھے منع کر دیا کہ ذرا ٹھہرو اس وقت اُن پر خفا ہونا مجھے مناسب نہ معلوم ہوا میں خاموش ہو

کے بیٹھ گیا پھر ابوبکرؓ نے بیان کیا تو واقعی وہ مجھ سے زیادہ باوقار ہوشیار تھے قسم ہے اللہ کی جو باتیں میں نے غور وخوض کے بعد پیدا کی تھیں وہ سب بلکہ ان سے بھی کہیں زیادہ ابوبکر نے فی البدیہہ بیان کر دیں کوئی بات ان میں ایسی نہیں رہی جو ابوبکر نے نہ بیان کی ہو۔ انس کہتے ہیں کہ ابوبکر نے ہمیں خطبہ سنایا اُس سے پہلے ہم پریشانی کی وجہ سے مثل لومڑیوں کے تھے وہ برابر ہماری دل جمعی کرتے رہے یہاں تک کہ ہم مثل شیروں کے ہو گئے۔ زیاد بن ابیہ بھی بہت سلیس اور بلیغ خطبہ پڑھتے تھے۔ اُن کی نسبت شعبی کا قول ہے کہ میں جس کا کلام سُنتا تھا اُس کے خاموش ہو جانیکی تمنا کیا کرتا تھا اس اندیشہ سے کہ زیادہ کہنے کی وجہ سے کہیں اکتا نہ جائے اور پھر اُس کے کلام کا لطف جاتا رہے سوائے زیاد کے کہ وہ جتنا زیادہ کہتے تھے اُسی قدر بیان پُر لطف ہوتا جاتا تھا اسی وجہ زیاد کے خطبے بہت سے لوگوں نے لکھے ہیں اب سُنیے! حضرت معاویہ اور عائشہ صدیقہ کے بھی بہت بلیغ خطبے ہوتے تھے احنف بن قیس کا قول ہے کہ میں نے ابوبکر عمر فاروق عثمان اور علیؓ کے خطبے سُنے ہیں لیکن عائشہ صدیقہ سے زیادہ مؤثر اور بلیغ خطبہ میں نے کسی مخلوق کا اپنی عمر میں نہیں سنا اِس کے علاوہ عرب میں اسلام سے پہلے اور اسلام کے بعد بڑے بڑے خطیب ہوئے ہیں لیکن ان سب نے علی سے کچھ نہیں سیکھا پس شیعی علماء کا یہ کہنا کہ علم فصاحت کے منبع علی ہی تھے صریح جھوٹ ہے اس کی بڑی دلیل یہ ہی کہ حضور انور یقیناً علی سے زیادہ فصیح و بلیغ خطبہ پڑھتے تھے حالانکہ آپ نے علیؓ سے کبھی کچھ نہیں سیکھا تھا بعض لوگ نادانی اور بے وقوفی سے کلام کی فصاحت محض لفاظی میں سمجھتے ہیں خطبائے عرب لفاظی کو جانتے بھی نہ تھے۔ اُن کا کلام مختصر اور پُر مغز ہوتا تھا مگر ایران میں اِس فصاحت نے لفاظی کا جامہ پہن لیا وہ خطبے جو حضرت علی کے نام سے مشہور کئے جاتے ہیں اور جنکا اصلی مصنف ایک ایرانی ہے پوری لفاظی کا جلوہ دے رہے ہیں اہل عرب کی سادگی کی اُنہیں مطلق ہوا تک نہیں لگی۔ یہ اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ کلام میں تشدق کرنے اور سجع لانے کا نام ہرگز فصاحت نہیں ہے حضرت علی کے اصلی خطبوں میں کہیں ان بیہودہ باتوں کا مطلق اثر نہیں پایا جاتا خطباء عرب یعنی صحابہ کے خطبے سجع کے بیہودہ تکلف سے بالکل پاک تھے اور نہ تکلف تحسین جسے علم بدیع کہتے ہیں جو محض الفاظ میں ہوتا ہے ان میں پایا جاتا تھا متاخرین شعراء وغیر میں یہ آفت موجود ہے قرآن مجید میں جو اس قسم کی آیتیں پائی جاتی ہیں مثلاً وَهُمْ يَحْسَبُونَ اِنَّهُمْ

یُحْسِنُوْنَ وَاِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ وغیرہ میں صنعتِ تجنیس کی وجہ سے تکلف نہیں کیا گیا۔

یہ بیان خود مقصود نہیں ہے بلکہ مقصود کا تابع ہے جیسا قرآن مجید میں اشعار کے اوزان پائے جاتے ہیں یعنی اکثر جملے اشعار کے مصرعے معلوم ہوتے ہیں مگر مقصود ان سے شعر نہیں ہے مفصلہ ذیل آیتیں ملاحظہ ہوں.

وَقُدُوْرٍ رَّاسِيَاتٍ اِنَّ عِبَادِىْ اَنِّىْ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ الَّذِىْ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ بلکہ وہ بلاغت جس کا اِس آیۃ میں حکم ہے وَ قُلْ لَّهُمْ فِىْ اَنْفُسِهِمْ قَوْلاً بَلِيْغًا .

اس سے مراد علمِ معنی اور بیان ہیں جسکا مطب یہ ہے کہ معنی ایسے بیان کئے جائیں جو مطلوب کے باکل مناسب ہوں اور الفاظ بھی ایسے ذکر کئے جائیں جو ان معنی کے بیان کرنے میں اعلیٰ درجہ کے ہوں پس بلاغت سے غایت مقصود کو پہنچانا یا عمدہ بیان سے معنی کی غایت کو پہنچانا یا مراد ہے لہذا ابلغ وہی ہے جسمیں یہ دونوں باتیں ہوں یعنی معنی مقصود کی تکمیل اور اسکی غایت کو عمدہ طریقہ سے ظاہر کر دے بعض لوگ اپنے مافی الضمیر معنی کو بیان کرتے ہیں لیکن یہ معنی اِس موقع کے مقصود و مطلوب کے ساتھ چسپاں نہیں ہوتے یعنی اس معنی سے ان کا مقصود مطلوب حاصل نہیں ہوتا باقی اُسکے سوا سجع اوزان تجنیس اور تطبیق وغیرہ کا تکلف کرنا متاخرین، شعراء، خطباء، مترسلین اور واعظ کا تکلف ہے جیسا کہ ہم ابھی اوپر لکھ چکے ہیں۔صحابہ تابعین اور فصحاے عرب کا یہ طریقہ نہیں تھا نہ اس کا اہتمام کسی عرب نے آج تک کیا جن لوگوں نے اپنے کلام میں یہ غیر ضروری تکلف کیا اُنہوں نے بغیر کسی مطلوبہ معنی کے الفاظ پر ملمع کر دیا ایسے لوگ مثل اس مجاہد کے ہیں جو اوّل درجہ کا بزدل ہو کے تلوار کو ہوا میں پھرانے لگے اسی وجہ سے جب کوئی شاعر مدح یا ہجو میں مبالغہ کرتا ہے تو وہ اُسکے ذریعہ سے جھوٹ میں افراط کرنے کی طرف نکل جاتا ہے. تخیلات یا تمثیلات سے مدد لیتا ہے اسی لیے شائستہ جلسوں اور مہذب انجمنوں میں شعراء کے کلام کی کوئی وقعت نہیں ہے۔ اس بیہودہ مبالغے اور جھوٹ بولنے سے مشرقی دنیا میں شعراء بھانڈوں کے پہلو بہ پہلو شمار کئے گئے ہیں قومی تمدن، محسوسات اور جذبات پر اُن کا کوئی اثر نہیں پڑتا وہ بالکل ایک کم وقعت چیز ہیں اگر تمام شعراء یک قلم ملک سے بدر کر دئے جائیں تو قوم کسی قسم کا نقصان

اُس سے نہیں اُٹھا سکتی واقعات پر بحث کرنا انہیں مطلق نہیں آتا وہ اپنے خیال کی پیروی کرتے ہیں جنکا خیال محدود ہے اور اس پر تمدن کا مطلق اثر نہیں پڑا ہم نہج البلاغۃ کی نسبت کئی دفعہ اشارۃً لکھ چکے ہیں جو خطبے حضرت علی کے نام سے اس میں درج کیے گئے ہیں یقیناً اور بلاشک حضرت علی کے ذمے محض بہتان اور جھوٹ لگایا گیا ہے۔ اِس قسم کے کلام سے حضرت علی کی شان کہیں ارفع و اعلیٰ تھی مگر تیز طبع موجدوں نے طرح طرح کی جھوٹی باتیں خود گڑ کے اپنے دل ہی دل میں یہ سمجھ لیا ہے کہ ہم حضرت علی کی بہت بڑی مدح کر رہے ہیں حالانکہ وہ مدح نہیں ہے اور در حقیقت نہ وہ حق ہے اور نہ مدح ہے۔ جس شخص نے یہ کہا کہ انسانوں میں حضرت علیؓ کا کلام ساری مخلوق سے فوقیت رکھتا ہے. اُس نے بڑی بھاری غلطی کی کیونکہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کے کلام سے بدر جہا فوقیت رکھتا ہے اور یہ دونوں مخلوق ہیں اسکے علاوہ وہ معنی صحیحہ جو علی کے کلام میں پائے جاتے ہیں وہ اوروں کے کلام میں بھی بکثرت ہیں لیکن نہج البلاغہ کے مصنف اور اس کے ہم خیالوں نے اور لوگوں کا اکثر کلام لے لے کے اُسے علی کا کلام ٹھہرا دیا ہے۔ نہج البلاغۃ کے دو حصے کرنے چاہیں ایک حصہ تو وہ ہے جس میں خاص حضرت علی کا قول نقل کیا گیا ہے کہ خود آپ نے ایسا فرمایا تھا ان میں بعض باتیں حق بھی ہیں یعنی یہ کہ علی ایسا کہہ سکتے تھے لیکن در حقیقت وہ علی کا کلام نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ جاحظ وغیرہ کی کتابوں میں بہت سا کلام اور فصیح فصیح جملے اور لوگوں سے منقول ہیں۔ حضرت علی کا وہاں نام بھی نہیں ہے لیکن نہج البلاغۃ کے مصنف کی دلیری دیکھئے کہ وہ اسی کلام اور جملوں کو زبردستی حضرت علی کے سر چپیک دیتا ہے۔ یاد رکھیے! یہ خطبے جو نہج البلاغۃ میں منقول ہیں اگر یہ سب کے سب علی ہی کا کلام اور اُن ہی کی طرف سے ہوتے تو اس کتاب سے پہلے بھی ضرور موجود ہوتے اور سندوں اور بغیر سندوں کے حضرت علی سے برابر منقول ہوتے مگر جسے منقولات سے کچھ بھی واقفیت ہے وہ یقیناً شہادت دیگا کہ نہج البلاغۃ کے اکثر خطبے اس کتاب کی تصنیف سے پہلے کہیں نہ تھے پھر ان خطبوں کے جھوٹا ہونے میں کیا شک ہے نہج البلاغہ کے مصنف نے کہیں یہ بیان نہیں کیا کہ یہ خطبے اس نے کس کتاب سے نقل کیے ان کو علیؓ سے کس نے نقل کیا ہے اور اُن کی اسناد کیا ہیں اب رہا محض دعوئی ہی دعوی یہ تو ہر شخص کو اختیار ہے کہ جا ہے جو کچھ کر دے

کسی کی زبان نہ کبھی پکڑی گئی نہ پکڑی جاسکتی ہے۔

حضرت علی کا آسمانی علم: شیعی علما فرماتے ہیں کہ جناب امیر نے ایک دن یہ ارشاد کیا تھا کہ تمہیں جو کچھ پوچھنا ہو میرے مرنے سے پہلے پوچھ لو اور مجھ سے آسمان کے راستے دریافت کرلو کیونکہ میں اُن راستوں کو زمین کے راستوں سے زیادہ جانتا ہوں۔

جواب: حضرت علیؓ نے مدینہ منورہ میں کبھی بھی مہاجرین اور انصار کے سامنے ایسی باتیں نہیں فرمائیں کیونکہ حضرت علیؓ کو جتنا علم تھا اسی قدر بلکہ اُس سے بھی زیادہ مہاجرین اور انصار کو تھا ہاں جب آپ عراق چلے گئے اور دین اسلام میں ایسے لوگ داخل ہوئے جو دین سے بالکل ناواقف تھے۔تو آپ نے ان سے فرمایا تھا کیونکہ اُس وقت امام آپ ہی تھے ان لوگوں کو تعلیم دینا آپ پر فرض تھا اسی طرح اور صحابہ بھی برابر مسلمانوں کو جو ناواقف تھے تعلیم دیا کرتے تھے مثلا جو صحابہ حضورانور کے وصال کے بعد ایک عرصہ تک زندہ رہے اور لوگوں کو اُن کے علم کی ضرورت ہوئی تو اُنہوں نے رسول اللہ سے ایسی بہت سی حدیثیں نقل کیں جو خلفائے اربعہ اور اکابر صحابہ نے روایت نہ کی تھیں۔اِسکی وجہ صرف یہ تھی کہ انہیں ان ہی حدیثوں کے نقل کرنے کی ضرورت نہیں ہوئی کیونکہ جو لوگ اُن کے زمانہ میں تھے وہ مثل اُن کے اُن حدیثوں کو جانتے تھے یہی وجہ ہے کہ ابن عمر ابن عباس عائشہ صدیقہ انس جابر اور ابوسعید وغیرہ صحابہ سے اس قدر حدیثیں مروی ہیں نہ اتنی علی سے مروی ہیں نہ عمر سے حالانکہ عمر اور علی دونوں مذکورہ بالا صحابہ سے زیادہ جاننے والے تھے جبکہ انکی وفات دیر میں ہوئی۔یعنی ان کے بعد وہ عرصے تک زندہ رہے اس لئے لوگ ان کے زیادہ محتاج ہوئے اور انھوں نے ایسا زمانہ دیکھا جو ان سابقین نے نہ دیکھا تھا اس لئے ناواقفوں کو اُن سے پوچھنے کی ضرورت ہوئی اور ان جاننے والوں کو انہیں بتانے کی حاجت پڑی پس کوفے میں علی کا اپنے پاس رہنے والوں سے یہ فرمانا جو کچھ پوچھنا ہو مجھ سے پوچھ لو یہ آپ نے نہ کبھی ابن مسعود سے فرمایا نہ معاذ بن جبل سے نہ اُبی بن کعب سے نہ ابوالدرداء اور سلمان وغیرہ سے چہ جائیکہ آپ عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے فرماتے ان لوگوں میں سے ایک نے بھی علی سے کچھ نہیں پوچھا اگر کوئی ان میں سے علی فتویٰ لیتا تھا تو وہ

فتویٰ لینا ایسا ہی تھا جیسا اُن کے اور ہمسر صحابی سے فتویٰ لیا جاتا تھا اِسی طرح عمر اور عثمان علی سے ایسا ہی مشورہ لیتے تھے۔ جیسا اُن کے اور ہمسروں سے لیتے تھے عمرؓ اکثر امور میں عثمان، علی، طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن بن عوف ابن مسعود زید بن ثابت اور ابوموسیٰ اشعری وغیرہ سے مشورہ لیتے تھے بعض اوقات ابن عباس بھی باوجود اپنی کم سنی کے مشورے میں داخل ہو جاتے تھے یہ مشورہ کرنا اللہ کے حکم کی تعمیل تھی اسی وجہ سے عمر فاروق کی رائے ان کا حکم اور ان کی سیاست سب سے بڑھی رہی ایسی سیاست عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بعد کسی میں نہیں دیکھی گئی تمام دنیا جانتی ہے کہ جیسا اعزاز اِن کے زمانے میں اسلام کا ہوا اور جیسی اشاعت اسلام کی ہوئی نہ ایسا کسی زمانے میں اعزاز ہوا اور نہ اشاعتِ دین کیسرے، قیصرا کی تمام سلطنتوں کو فتح کیا آپ کے شامی لشکر کے سپہ سالار ابوعبیدہ تھے اور عراقی لشکر کے سعد بن ابی وقاص ابوبکر کے بعد نہ کسی کو ایسے افسر ملے نہ خلفاء نہ اہلکار نہ ایسا کسی کا لشکر ہوا نہ اہل شوریٰ۔ اب رہی شیعی علماء کی یہ کہانی کہ حضرت علی نے فرمایا تھا کہ میں زمین کے راستوں سے زیادہ آسمان کے راستے جانتا ہوں محض غلط اور بالکل لغو ہے۔ جس شخص میں کچھ بھی عقل ہوگی وہ کبھی ایسی بات نہیں کہنے کا۔ صحابہ اور تابعین میں سے کوئی شخص آسمان پر اُڑ کے نہیں گیا کہ وہاں کے راستوں کی پیمائش کرتا خود حضور انور ﷺ کی معراج میں بھی کلام ہے کہ آیا جسم کے ساتھ ہوئی یا روح کے ساتھ یعنی آسمان پر جسم بھی گیا تھا یا فقط روح ہی گئی تھی۔ اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ حضور انور کو مع جسم کے معراج ہوئی تھی تو سلف میں سے کوئی شخص بھی یہ شہادت نہیں دیتا کہ حضور انور کے سوا کوئی دوسرا شخص بھی مع جسم آسمان پر گیا تھا۔ اگر حد سے تجاوز کرنے والوں میں سے کسی کا مشائخ یا اہلبیت کی بابت یہ عقیدہ ہو جائے تو یقیناً یہ اسی قسم کی گمراہی ہے جیسے غالیہ فرقے کے لوگ اہل بیت وغیرہ میں سے کسی کو نبوت دیتے ہیں اور کسی کو خدا بنا رکھا ہے۔ یہ تمام امور صریح کفر ہیں ان کے کفر ہونے میں علماء اسلام میں سے کوئی بھی شک نہیں کرتا یہ میمون قداح کی اولاد کا عقیدہ ہے۔ جنکا جدِ امجد ایک یہودی اور ایک آتش پرست کا تربیت یافتہ تھا یہ لوگ سمجھتے تھے کہ ہم محمد بن اسمٰعیل بن جعفر کی اولاد ہیں اور ان کے اکثر متبعین نے ان کی بابت نبوت بلکہ الٰہیت کا اعتقاد کر لیا تھا ان کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ محمد بن اسمٰعیل بن جعفر نے محمد

ﷺ کی شریعت کو منسوخ کر دیا ہے۔ اسی طرح ان غلاۃ میں ایک اور فرقہ ہے۔ یہ لوگ علی اور بعض اہل بیت کے حق میں نبوت اور الٰہیت کا عقیدہ رکھتے ہیں ایسے ہی نساک میں ایک فرقہ ہے یہ لوگ بھی بعض شیوخ کی بابت ایک قسم کی الٰہیت یا نبوت کا عقیدہ رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ انبیاء سے افضل تھے خاتم الاولیاء کو خاتم الانبیاء سے افضل ٹھہراتے ہیں اسی طرح ایک اور فرقہ ہے جو تمام اولیاء کو کل انبیاء سے افضل قرار دیتا ہے اور محی الدین ابن عربی کو خاتم الاولیاء بتاتا ہے اور یہ بھی اس فرقے کا عقیدہ ہے کہ خاتم الانبیاو خاتم الاولیاء سے مستفید ہوتا ہے اِن کے علاوہ ایک اور فرقہ ہے جس کا یہ عقیدہ ہے کہ کامل فلسفی حقائق علمیہ اور معارف الٰہیہ میں نبی سے زیادہ عالم ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس قسم کے تمام اقوال باتفاق کل علماء اسلام کے کفر میں داخل ہیں۔فقط

علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتے:۔ شیعی علماء کہتے ہیں کہ سب صحابہ اپنے تمام مشکل مشکل مسئلوں میں علی ہی کی طرف رجوع کیا کرتا تھے اور وہی اُن کی مشکلات کو حل کرتے تھے۔ عمر نے اپنے بہت سے فیصلے رد کر دئے اور یہ کہا کہ اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا فقط۔

جواب: صحابہ دینی امور میں اکیلے علی یا اور کسی کی طرف رجوع نہ کرتے تھے نہ ظاہر مسئلہ میں نہ مشکل میں جب کوئی بڑا حادثہ پیش آتا تھا تو عمر فاروق سب صحابہ سے مشورہ لیتے تھے جسکا ذکر ابھی ہم اوپر کر چکے ہیں مثلاً عثمان، علی، عبدالرحمٰن، ابن مسعود زید ثابت اور ابو موسیٰ سب ان کے مشیر ہوتے تھے۔ اصل یہ ہے کہ جسے کوئی مسئلہ دریافت کرنا ہوتا تھا وہ کبھی علیؓ سے دریافت کر لیا کرتا تھا کبھی ابی بن کعب اور کبھی عمر فاروق سے ہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ علی کی بہ نسبت ابن عباس سے مسئلے زیادہ دریافت کئے جاتے تھے اور یہ ابن عباس ہی تھے جو علی کی بہ نسبت بڑی بڑی مشکلات حل کر دیا کرتے تھے۔ یہ بات اس لیے نہ تھی کہ ابن عباس علی سے زیادہ جانتے تھے بلکہ بات یہ تھی کہ جو لوگ علی سے نہ مل سکے اور ابن عباس تک اُن کی رسائی آسانی سے ہو گئی اُنہوں نے ابن عباس ہی سے دین کا علم سیکھا اور مسئلے دریافت کئے۔ اب رہے ابو بکر ان کی نسبت کسی نے یہ نقل نہیں کیا کہ انہوں نے علمی امور میں علی سے کوئی بات حاصل کی ہو بلکہ بہت سی جگہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ علی کو ابو بکر کی شاگردی کا فخر

حاصل تھا چنانچہ صلاۃ توبہ وغیرہ کی حدیثیں اسکی صریح دلیل ہیں. عمر بذات خود علی اور دیگر صحابہ سے زیادہ جاننے والے اور سمجھدار تھے اور اکثر فیصلوں میں پہلے ہی سے اپنی رائے فرمادیا کرتے تھے۔اور وہ رائے ایسی صائب ہوتی تھی کہ لوگ آپ کی پیروی کرتے تھے جیسا عمرتین اور عول وغیرہ میں ہاں مشورہ سے انکا نہیں کیا جاتا جس کا بیان اپنی جگہ کئی بار ہو چکا ہے۔ اب رہا شیعی علماء کا یہ کہنا علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہوجاتے یہ محض غلط اور بالکل غلط ہے یہ جملہ ایک نحوی کتاب میں آنے سے کچھ ایسا مشہور ہو گیا ہے کہ ہر شخص خواہ کوئی ہو اُس کا یقین کر چکا ہے شیعی علماء کی چالاکی داد دینے کے قابل ہے کہ اُنہوں نے قواعد عربی کی کتاب میں اُسے داخل کردیا تاکہ جو بچہ پڑھے اسکی نظر سب سے پہلے اُسی جملہ پر پڑے. اِس جملہ یا قول کی کہیں سند نہیں ہے اور جس نے اُسے نقل کیا ہے اُس نے سخت جھوٹ بولا ہے۔اب دوسرا پہلو یہ ہے کہ ہم تھوڑی دیر کے لیے عمر فاروق کی نسبت یہ یقین کر لیتے ہیں کہ انہوں نے ایسا کہا تو اس میں علی کی فضیلت کی کونسی بات ہوگئی۔

گاہ باشد کہ کودکے ناداں — بغلط برہدف زند تیرے
گاہ باشد کہ پیر دانشمند — برنیاید درست تدبیرے

اگر ایسا ایک بار اتفاق ہوگیا کہ عمر فاروق کو کوئی بات نہ سوجھی اور علیؓ نے بتادی تو اُس میں تیس مار خانی کونسی ہوئی عمر فاروق تو ایسی باتیں علی سے بھی کم درجہ لوگوں کے حق میں فرمادیا کرتے تھے یہ آپ کی انتہائی راستبازی، حق پروری اور دین داری کی دلیل ہے۔مثلاً ایک عورت نے مہر کی بابت جو آپ کے سامنے دلیل پیش کی تو آپ نے فرمایا مرد سے غلطی ہوگئی اور عورت کا کہنا ٹھیک ہوا.اس قصہ کی تفصیل یہ ہے کہ عمر فاروق کی یہ رائے تھی کہ مہر شریعت سے مقرر ہونا چاہیے جس کی صورت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ازاوج مطہرات اور آپ کی صاحبزادیوں کے مہر سے کسی عورت کا مہر نہ بڑھایا جائے جیسا کہ اکثر فقہا کی یہ رائے ہے کہ کم سے کم مہر کی مقدار نصاب سرقہ یعنی دس درہم ہے اس سے کم نہ ہو غرض جب مہر شریعت سے مقرر ہوگیا اور اُسکے بعد پھر کسی نے مہر بڑھادیا تو عورت اُس کی مستحق نہیں ہے اس لیے اس زیادتی کو بیت المال میں داخل کردیا جائے جیسا کہ اس شراب کی قیمت

جو کسی مسلمان نے بیچی ہو یا کسی مسلمان نے شراب کے اُٹھا لے جانے کی مزدوری لی ہو وغیرہ وغیرہ تو اس میں ظاہر قول علماء کا یہی ہے کہ ایسا روپیہ بیت المال میں داخل کیا جائے کیونکہ جس نے کچھ عوض دے کے حرام فائدہ اُٹھالیا وہ مثل اُس شخص کے ہے جو خرچی دے کے عورت سے کالا منہ کرے یا کچھ روپیہ دے کے گانا بجانا سنے یا مول لے کے شراب پیئے۔ اب اگر اسکی غرض پوری ہونے کے بعد یہ روپیہ پھر اُسی کو دے دیا جائے تو یہ معصیت پر اسکی اعانت کرنی ہے اور اگر مے فروش یا کسی وغیرہ کو دیا جائے تو یہ ناپاک عوض اُسکے لیے مباح کیا جائے گا بھلا شریعت اس قسم کی داؤ ستد کو کیونکر گوارا کرسکتی ہے۔ عمر فاروق امام عادل تھے اِس لیے ان کی رائے ہوئی کہ شرعی مہر سے جو کوئی مہر بڑھائے اُس میں بھی یہی حکم دیا جائے اُس فیصلہ کے ہونے کے بعد ایک عورت آپ کے پاس آئی اور کہا کہ آپ ہمیں ایسی چیز سے محروم نہ کیجئے جو اللہ پاک نے اپنی کتاب میں ہمیں عطا کردی ہے یعنی جس کا اُس نے اپنی کتاب میں حکم دے دیا ہے آپ نے دریافت کیا کہ کتاب اللہ میں کہاں ہے۔ عورت بولی سنئے! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ اُس عورت نے آپ سے یہ کہا آپ کی بات مانیں یا کتاب اللہ کی عمر فاروق بہت آمادگی سے بولے نہیں کتاب اللہ کے مقابلہ میں میری بات ہرگز نہ مانو یہ سن کے اُس عورت نے آپکے آگے قرآن مجید کی مذکورہ آیت پڑھی اِس پر آپ نے فرمایا بے شک مرد سے غلطی ہوگئی اور عورت کا کہنا ٹھیک ہوا۔ باوجود اِسکے علم دین اور الہام کی بابت جیسا حضور انور نے عمر فاروق کے حق میں فرمایا ہے ایسا نہ کبھی عثمان کے حق میں فرمایا نہ علی نہ طلحہ اور زبیر کے حق۔ ترمذی میں ابن عمر سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ عمر کی زبان اور دل پر اللہ نے حق کا سکہ بٹھا دیا ہے۔ ابن عمر کہا کرتے تھے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں جب کوئی بات پیش آتی تھی اور اس مین سب اپنی اپنی رائے دیتے تھے اور عمر بھی اپنی رائے دیتے تھے تو بسا اوقات عمر کی رائے کے مطابق آسمان سے وحی نازل ہوا کرتی تھی۔ سنن ابوداؤ میں ابوذر سے مروی ہے وہ کہتے ہیں مین نے رسول ﷺ سے سنا ہے آپ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ نے حق کو عمر کے لیے نوک زبان بنادیا ہے۔ ترمذی میں عقبہ بن عامر سے مروی ہے وہ کہتے ہیں رسول

اللہ فرماتے تھے کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتا۔ صحیحین میں ابو ہریرہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں رسول اللہ فرماتے تھے تم سے پہلی امتوں میں بہت آدمی محدث ہوا کرتے تھے اگرچہ انبیاء نہیں میری امت میں اگر کوئی محدث ہوا تو وہ عمر ہوگا ابن وہب نے کہا ہے کہ محدث کے معنی ملہم کے ہیں یعنی جسے الہام ہو۔ صحیحین میں مروی ہی رسول اللہ ﷺ نے عمر فاروق سے فرمایا اے ابن خطاب قسم ہے اُس ذات کی جسکی قبضہ قدررت میں میری جان ہے تمہیں جس گلی میں شیطان پھرتا ہوا مل جاتا ہے تو وہ تمہارا رستہ چھوڑ کے دوسری گلی میں بھاگ جاتا ہے (مطلب یہ کہ عمر فاروق کا جس طرف گزر ہوا وہاں شیطانی باتوں کا نام ونشان مٹ جاتا ہے) عمر فاروق کے فضائل میں اِس قسم کی باتیں بہت سے ہیں جنکے ذکر کرنے کی یہاں ضرورت نہیں۔

حضرت علی کی بہادری: شیعی علماء کا قول ہے کہ جناب امیر علیہ السلام سب آدمیوں سے زیادہ بہادر تھے آپ کی تلوار سے اسلام کی بنیادیں قائم ہوگئیں اور ایمان کے ستون مضبوط ہوگئے آپ کسی جنگ میں کبھی نہیں بھاگے جیسا کہ آپ کے سوا سب بھاگ گئے تھے آپ نے اپنی جان آڑ کر کے نبی ﷺ کو بچایا تھا یعنی اس وقت کہ آپ بستر پر آپ چادر اوڑھ کے لیٹ گئے تھے اور مشرکین نے یہ سمجھا تھا کہ آپ محمد ﷺ ہی ہیں اور آپ کے قتل پر کل مشرکین نے اتفاق کر لیا تھا علی رسول اللہ ﷺ کے خون کی حفاظت کرنے اور آپکی سلامتی کا سبب ہوئے اِسی کے ذریعے مذہب اسلام کی دعوت کرنے کی غرض بھی پوری ہوگئی صبح کو جب مشرکین نے علی کی صورت کو دیکھا تو منتشر ہوگئے ان کے سب منصوبے غلط ہوگئے اور اُن کی تدبیریں خاک میں مل گئیں۔

جواب: حضرت علیؓ کی بہادری سے کوئی انکار نہیں کرتا وہ منجملہ ہزارہا صحابہ کے ایک بہادر صحابی تھے بیشک حضور انور ﷺ کی ہمراہی میں آپ مشرکین حملہ آوروں سے لڑے جیسا کہ اور صحابہ لڑے مگر کوئی امتیاز ان لڑائیوں میں آپ نے پیدا نہیں کیا کل صحابی نہایت بہادر جفاکش جری اور حضورِ انور پر جان قربان کرنے والے تھے سب کی کوشش سے اور اللہ تعالی کے فضل سے اسلام کی بنیادیں مضبوط ہوئیں کوئی نادان سے نادان شخص بھی یہ نہیں کہہ سکتا اکیلے علی ہی نے اسلام کی بنیادیں مضبوط کیں۔ حضرت

علی کی بہادری کے متعلق جو یہ کہا گیا وہ سب آدمیوں سے زیادہ بہادر تھے یہ محض غلط اور بالکل غلط ہے۔ ہاں حضور انور ﷺ سب آدمیوں سے زیادہ بہادر تھے اور کسی صحابی کی بہادری یا شجاعت آپ کی بہادری کے مقابلے میں کوئی وقعت نہیں رکھتی تھی۔ ہر جنگ میں ہمیشہ آپ ہی آگے رہتے تھے یہاں تک کہ خطرناک سے خطرناک موقعوں پر بھی جبکہ دشمن برابر دباتا چلا آتا ہے آپ کا گھوڑا آگے رہتا تھا ایک دفعہ مدینہ میں ایک خوفناک آواز سے کل صحابہؓ چونک پڑے اور جس طرف سے وہ آواز آتی تھی اُس طرف شب کو بہت سے بہادر صحاب شمشیر بدست روانہ ہوئے انہیں راستے میں حضور انور رسول اللہ ﷺ ملے جوان سے پہلے حادثے کے موقع پر پہنچنے کے لیے روانہ ہو چکے تھے۔ اور آپ اُسوقت تنہا تھے جس قدر مسلمانوں اور کافروں میں لڑائیاں ہوئیں کسی لڑائی میں بھی حضرت علی نے ایسا کام نہیں کیا کہ جس میں امتیاز ہوتا خیبر کا ایک واقعہ ہر بار دوہرایا جاتا ہے خیبر کشا، خیبر شکن ایسے ایسے القاب حضرت علی کو دیئے گئے ہیں مگر ان کچی گھاٹیوں پر جو خیبر کے نام سے مشہور تھیں ہم پہلے اچھی طرح روشنی ڈال چکے ہیں خیبر کی کچی گھاٹیاں بہت ہی معمولی تھیں وہ فتح ہو چکی تھیں۔ صرف اندر جانا باقی رہا تھا۔ اب رہی یہ بات کہ حضرت علی کسی لڑائی میں نہیں بھاگے اور دوسرے صحابہ بھاگ گئے تھے محض غلط اور سرتاپا جھوٹ ہے حنین کی ہزیمت میں جبکہ ابوبکر و عمر حضور انور کے ہمرکاب تھے حضرت علی کا تو میلوں پتہ نہ تھا میدانِ جنگ سے فرار ہونا اور دشمن کے مقابلے سے پیچھے ہٹنا اس میں بہت بڑا فرق ہے سپاہی خواہ کسی قوم وملک کا ہو میدانِ جنگ سے کبھی نہیں بھاگنے کا۔ باقی ایک فریق کا چہرہ دست ہو جانا اور دوسرے فریق کو دبانا اور فریق مغلوب کا دبنا اور دُکے پیچھے ہٹنا یہ کسی قسم کی نامردی اور بزدلا پن نہیں ہے۔ بلکہ عین شجاعت یہی ہے کہ بیکار اپنی جانیں نہ برباد کی جائیں اور دشمن کی زد سے اپنے کو بچالیا جائے یہ ہرگز شجاعت نہیں ہے کہ ایک شخص ہزاروں آدمیوں میں جا پڑے کبھی کوئی صحیح الدماغ ایسا نہیں کرسکتا یہ درحقیقت ایک جنون ہے اور مجانین ہے ہمیشہ ایسے دیکھے گئے ہیں جو جلتی آگ میں گر پڑیں چلتی ریل سے کود پڑیں جہاز سے سمند میں گر پڑیں کسی بلند مقام سے نیچے آپڑیں یا بازار میں تلوار لیکے لوگوں پر وار کریں یہ بہادری نہیں ہے اور اسے شجاعت نہیں کہتے حضرت علی اس میں شک نہیں ایک بہادر سپاہی تھے اور وہ کسی صورت سے بھی بلا مبالغہ دشمن کے مقابلہ سے پیٹھ پھیرنے والے

نہیں تھے مگر یہی کیفیت ان ہزار ہا صحابہ کی بھی تھی جنہوں نے حضور انور ﷺ کے ہمرکاب ہو کے مکہ فتح کیا تھا۔ ہم نے کہیں بھی کسی کتاب میں کسی شعر میں خواہ وہ زمانہ جاہلیت سے تعلق رکھتا ہو یا زمانہ اسلام سے یہ نہیں دیکھا کہ صحرا کے فرزند اور سنگلاخ چٹانوں کے رہنے والے کبھی بزدل ثابت ہوئے ہوں۔ وہ سچے بچ شیر تھے شیر ممکن ہے کہ کبھی خوف کھا کے دُم دبالے مگر یہ ایسے شیر تھے کہ خوف و ہراس کبھی ان کے پاس ہو کے بھی نہیں پھٹکتا تھا۔ تنہا لڑائی میں تو حضرت علی بیشک بعض صحابہ میں ممتاز تھے اور فوج کے ایک آدھ دستے کو بھی لڑا سکتے تھے۔ مگر سعد بن ابی وقاص اور ابوعبیدہ اور خالد جیسے سپہ سالارانِ اسلام کی سی اُن میں مطلق قابلیت نہ تھی۔ یہ سپہ سالار بیس بیس اور پچیس پچیس ہزار فوجوں کو لڑانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ مگر حضرت علی کو کبھی ایسا موقع نصیب نہیں ہوا۔ اگر جمل کی کہانی کو تسلیم کرلیا جائے تو ہاں بھی حضرت علی کی فتح انکی سپہ سالاری کی قابلیت سے نہیں ہوئی بلکہ اُنکے لشکر کی تعداد عائشہ صدیقہ کے لشکر سے چوگنی بچوگنی تھی جنگِ صفین وغیرہ کی کہانیاں اگر جنگ جمل کی طرح تسلیم کرلی جائیں تو وہاں سوائے ہزیمتوں کے اور کچھ بھی نہیں رکھا یقیناً حضرت علی سپہ سالاری کی قابلیت نہیں رکھتے تھے۔ اس لئے انہیں ہمیشہ مخالفوں کے مقابلے میں ناکام رہنا پڑا اپنے فوجی سپاہیوں کا تو انہوں نے بہت کچھ رونا، رویا ہے۔ مگر سچی بات یہ ہے اور بلا خوف تردید ہم کہے سکتے ہیں کہ وہ ایک بہادر سپاہی تھے مگر قابل جنرل نہیں تھے۔

اب رہی یہ بات کہ حضرت علی کی تلوار سے اسلام کی بنیادیں قائم ہوگئیں ایک ایسا لغو استدلال ہے جسکی لغویت کی نظیر نہیں ملتی ایک علی ہی کی تلوار سے نہیں بلکہ کسی کی تلوار سے بھی دین اسلام کی بنیادیں مضبوط نہیں ہوئیں اسلام کی بنیادیں اُسکے پیروان کی سچائی راست بازی خوش معاملگی نیک نیتی اور خدا پرستی سے مضبوط ہوئی ہیں۔ ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ آج تک ایک کافر بھی کسی مسلمان کی تلوار سے مسلمان نہیں ہوا نہ مذہب پھیلانے کے لیے ایک فرد واحد نے بھی کبھی دنیا میں تلوار اُٹھائی یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ تلوار گردنوں کو تسخیر کرسکتی ہے۔ مگر دلوں کو تسخیر نہیں کرسکتی انسانی سالہا سال کے عقائد اور آبائی خیالات کے نقوش کبھی تلوار نہیں مٹا سکتی۔ وہ جھوٹا ہے جو کہتا ہے کہ اسلام تلوار سے پھیلا مگر وہ کیا چیز تھی جس نے مسلمانوں کو اتنا قوی بنادیا کہ وہ دست بہ شمشیر ہوگئے۔ قرآن مجید

اس بات کی شہادت دے رہا ہے کہ دین میں کبھی زبردستی نہیں ہے۔ ہدایت گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے۔اس آیت کے خلاف جس شخص نے کیا ہم اُسے مسلمان نہیں سمجھتے ہمارا تو خیال ہے کہ مسلمان ہو کے کوئی کلام اللہ سے انحراف نہیں کرنے کا۔صحابہ نے تلواریں چلائیں اپنی حفاظت کے لیے جب صحابہ لڑے جنگ مدافعت لڑے جب تک وہ ستائے نہیں گئے یا اُن سے عہد شکنی نہیں کی گئی انہوں نے کبھی خصم کے مقابلے میں تلوار نہیں اُٹھائی چونکہ مسلمانوں کا ہر سپاہی تلقین دین اپنا فرض سمجھتا تھا لہٰذا جب کبھی وہ کسی شہر کو فتح کرتے تو وہ ضرور خالق ارض وسما کی اس عظیم الشان نعمت یعنی اسلام کو نافرمان مخلوق کے آگے پیش کرتے اور یہ کہتے کہ اگر تم اس نعمت یا آسمانی ہدیہ کو قبول کر لو تو ہمارے بھائی ہو پھر تم میں اور ہم میں کچھ فرق نہیں رہنے کا اور اگر تم اِس نعمت سے روگردانی کرتے ہو تو ہمیں اس حفاظت کا جو تمہارے دشمن سے تمہاری کریں گے کچھ معاوضہ مقرر کر دو جس معاوضے کا نام جزیہ رکھا گیا۔تمام دنیا مسلمان ہوگئی وہ کیوں؟ تلوار سے نہیں بلکہ مسلمانوں کی راست بازی اور صادق الوعدی کی وجہ سے لہٰذا یہ کہنا کہ حضرت علی نے دین اسلام کی بنیادیں مضبوط کر دیں محض غلط اور بالکل غلط ہے۔اگر آپ محض آزادی اور سچائی سے ملاحظہ کریں تو آپ کو معلوم ہو کہ حضرت علی کی تلوار جب وہ خلفیہ ہوئے ہیں ہمیشہ مسلمانوں پر اُٹھی اور ابوبکر اور عمر کی تلواریں ہمیشہ کسریٰ اور قیصر کے تاجوں پر بجیں یہ واقعات مثل مشاہدات کے ہیں جن سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا اسلام کو کتنا نقصان پہنچا اگر جمل اور صفین وغیرہ کہانیوں کو مان لیا جائے تو یہ کہنا پڑے گا کہ حضرت علی یا ان کے سپاہیوں کی تلواروں نے حضور انور رسول اللہ ﷺ کے تیس چالیس ہزار صحابہ کو کس طرح ایک دوسرے کے مقابلے میں خاک وخون میں لٹا دیا مگر ہم ان کہانیوں کو نہیں مانتے اس پر بھی اسکا ہم اعتراف کرتے ہیں کہ اگر حضرت علی دس بارہ برس زندہ رہتے تو پھر مسلمانوں کا خدا حافظ تھا۔

اب دوسری بہت بڑی بات یہ ہے کہ شیعی علماء اکثر اس کا ذکر کرتے رہتے ہیں کہ بعض لڑائیوں میں ابوبکر وعمر حضور انور کو تنہا چھوڑ کے فرار ہو گئے یہ ایسا نہ معقول فسانہ ہے جس کی لغویت کی کوئی انتہا نہیں کسی معتبر نوشتے اور کسی صحیح روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ایک لحہ کے لیے بھی یہ لوگ حضور انور ﷺ سے علیحدہ ہوئے ہوں ہاں اُحد کی لڑائی میں جبکہ مسلمانوں کو اپنی بیوقوفی سے اور حضور

انور رسول اللہ ﷺ کا کہنا نہ ماننے سے چشم زخم اُٹھانی پڑی اور غنیم نے حملہ کیا اور دبایا تو حضور انور ﷺ کا گھوڑا ایک پہاڑی کے نیچے آ گیا تھا اور تھوڑے ہی عرصہ حضور انور ﷺ کو صحابہ سے علیحدہ ہوئے گزرا تھا کہ اُسی حالت میں صحابہ میں ایک انتشار پیدا ہو گیا اور وہ اپنے نبی کی تلاش میں پریشان اِدھر اُدھر پھرنے لگے اور بہت جلدی انہوں نے اپنے نبی کو پالیا اور سب آپ کے گرد جمع ہو گئے اس وقت بھی دشمن برابر حملے کر رہا تھا۔ جسکا مفصل ذکر ہم گزشتہ صفحوں میں کر آئے ہیں۔

اب رہا حضرت علی کا حضور کی جگہ لیٹ جانا اس کی مفصل بحث بھی ہو چکی ہے۔ جس کا اعادہ کرنا غیر ضروری ہے۔ پھر شیعی علماء کا یہ کہنا کہ علی نے بہت دفعہ رسول اللہ ﷺ کو بڑی بڑی تکلیفوں سے بچایا ہے بالکل غلط اور محض لغو ہے۔ کہیں بھی اِس کا پتہ نہیں لگتا کہ علی نے حضور انور ﷺ کی کسی تکلیف کو کبھی رفع کیا ہو حضور انور ﷺ نے اپنے صحابہ کی ہمیشہ بڑی بڑی تکلیفیں رفع کی ہیں اور آپ ہی کے احسان سب پر زیادہ ہیں۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ اگر ابو بکرؓ کی نسبت یہ کہیں کہ انہوں نے اپنے نبی کی کسی تکلیف کو رفع کیا تھا تو زیبا ہے۔ کیونکہ جب مشرکین مکہ نے حضور انور ﷺ کو مارنا اور قتل کرنا چاہا تو ابو بکر نے سینہ سپر ہو کے مشرکین سے یہ کہا ہائے بدنصیبو تم ایسے آدمیوں کو قتل کرتے ہو جو یہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے یہ سنکر انہیں غصہ آ گیا۔ اور انہوں نے ابو بکر کو خوب مارا اور سخت ایذا پہنچائی مگر یہ کہیں منقول نہیں ہے کہ علیؓ کو کبھی اس حمایت کا بھی موقعہ پیش آیا مخالفوں نے حضور انور ﷺ کو گھیر لیا ہو اور علی یا ابو بکرؓ یا اور کسی صحابی نے حضور انور ﷺ کو اپنی تلوار کے بل پر دشمنوں سے نجات دلوائی ہو۔ صدہا بلکہ ہزار ہا چڑے چڑیاں کی کہانیاں بکری جیسے کذاب مصنفوں نے گھڑ لی ہیں مثلاً منقلات الانور وغیرہ کتابیں جو جھوٹی اور محض جھوٹی اور غلط روایتوں سے بھری ہوئی ہیں ایسے واقعات ان میں بیان کیئے گئے ہیں اہل علم اس پر متفق ہیں کہ یہ سب جھوٹ اور سراسر بہتان ہے بیوقوفوں نے اِن کتابوں کی روایتوں کو دیکھ کے اپنا اعتقاد خراب کر لیا اور ان ہی کے ہو کے رہ گئے فقط۔

حضرت علی کا قتال: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ سب غزووں میں پہلا غزوہ بدر کا ہے رسول اللہ ﷺ کو مدینے آئے ہوئے اٹھارہ مہینے ہوئے تھے کہ یہ غزوہ ہوا اس وقت حضرت علی کی عمر ستائیس برس کی تھی اُنہوں نے تنہا چھتیس آدمیوں کو قتل کیا جتنے مشرک غزوہ بدر میں مارے گئے علی کے مقتولین کی

تعداد اُن میں نصف سے بھی زیادہ ہے اِسکے علاوہ صحابہ کے ساتھ حضرت علی نے جو مشرکوں کا قتل کیا وہ علیحدہ ہے۔

جواب: یہ بھی محض غلط بالکل غلط اور سراسر لغو ہے۔ وہ تمام علماء جو سیر اور مغازی میں ماہر ہیں۔ اسکی لغویت پر متفق ہیں اِس کا ذکر کسی ایسے راوی نے کبھی نہیں کیا جس پر نقل میں اعتماد کیا جائے۔ صحیح روایت میں یہ ہے کہ کئی حملہ آور مشرک ایسے قتل ہوئے کہ ان کے قتل میں علی کی مطلق شرکت نہ تھی جیسے ابوجہل، عقبہ بن ابی معیط، ربیعہ کے دو بیٹوں میں سے ایک بیٹا یا تو عتبہ بن ربیعہ یا شیبہ بن ربیعہ اور ابی بن خلف وغیرہ اِس کی کیفیت یہ ہے کہ جب مشرکین میں سے تین آدمی لڑنے کے لیے میدان جنگ میں آئے یعنی عتبہ، شیبہ، اور ولید تو ان کے مقابلے کے لیے لشکر اسلام سے تین انصاری نکل کے آموجود ہوئے انہوں نے دریافت کیا تم کون ہو انصاریوں نے اپنے نام بتائے مشرکوں نے کہا تم شریف خاندان تو ہو مگر ہم تم سے لڑنا نہیں چاہتے ہم تو اپنے چچا کی اولاد سے لڑنا چاہتے ہیں تم سے ہمیں کچھ مطلب نہیں ہے حضور انور ﷺ نے جب یہ سُنا تو آپ نے کہا حمزہ اٹھو، عبیدہ اُٹھو، علی اُٹھو ان کے مقابلے میں جاؤ مشرکین حملہ آوروں میں ولید سب سے کم عمر کا تھا اِسی طرح مسلمانوں میں علی کم عمر کے تھے لہٰذا عمر کے لحاظ سے علی اور ولید کا مقابلہ ہوا علی نے ولید کو قتل کر دیا حملہ بھی اپنے مقابل پر غالب آئے کوئی کہتا ہے حمزہ کے مقابلے میں عتبہ تھا کوئی کہتا ہے شیبہ تھا۔ عبیدہ اپنے مقابل کو قتل نہ کر سکے ہاں فقط زخمی کر دیا حمزہ نے اُسکے قتل کرنے میں عبیدہ کو مدد دی بعض کا قول ہے کہ علی نے اُس دن دس آدمی قتل کیئے مگر اس میں اختلاف ہے ابن ہشام نے علی کو مقتولین کی تعداد زیادہ سے زیادہ گیارہ بتائی ہے اور یہی رائے موسیٰ بن عقبہ اور اُموی کی ہے چھ مقتولین میں اختلاف ہے کہ اُنہیں علی نے قتل کیا تھا یا کسی اور نے تین مقتول تو حضرت علی کی تلوار کی نذر ہوئے تھے اور باقی تین میں دوسرے شریک تھے بس یہ ساری کہانی ہے نہ چھتیس کا کسی روایت سے پتہ لگتا ہے نہ بیس کا جو اصلیت تھی وہ ہم نے لکھ دی کہ یہ ساری کارروائیاں طرقیہ کی ہیں ان ہی کے صدقے میں جھوٹی روایتوں کا سیلاب تمام دنیا میں پھیل گیا اور افسوس ہے کہ اسلامی دنیا کا بہت بڑا حصہ ابھی تک اسی سیلاب میں غوطے مار رہا ہے انشاء اللہ اس سیلاب کی بھی عمر پوری ہو جائیگی اور یہ جدید تحقیق کے ارضِ مقدس میں جذب ہو کے رہ جائے گا اور

پھر صدق و کذب آنکھوں سے دکھائی دینے لگے گا۔ فقط

حضرت علی اور غزوہ اُحد: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ غزوہ احد میں سوائے جناب امیر علی علیہ السلام کے سب بھاگ گئے تھے اور رسول اللہ ﷺ کو تنہا چھوڑ دیا تھا بعد ازاں جو چند آدمی لوٹ کے رسول اللہ کے پاس آئے ان میں سب سے اوّل عاصم بن ثابت ابو دجانہ اور سہل بن حنیف تھے۔ اب رہی عثمان وہ تو تین دن کے بعد آئے تھے اُن کی صورت دیکھ کے رسول اللہ نے فرمایا کہ اے عثمان تم نے تو اس غزوہ میں بالکل اپنی آبرو کھودی اِسکے برخلاف علی کی شان پر فرشتوں تک کو تعجب ہوا چنانچہ جبرائیل آسمان پر چڑھتے ہوئے یہ کہتے جاتے تھے۔ **لا فتی علی لا سیف الا ذو الفقار** پھر شیعی علماء گوہر افشانی کرتے ہیں اس غزوہ میں علی نے بہت سے مشرکین قتل کئے تھے اور یہ غزوہ ان ہی کے ہاتھ پر فتح بھی ہوا تھا۔ پھر شیعی علماء فرماتے ہیں قیس بن سعد سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے علی سے سُنا ہے آپ فرماتے تھے غزوۂ احد کے دن میرے سولہ زخم آئے تھے جن میں سے چار زخم کھا کے میں زمین پر گر پڑا تھا اسی عالم میں کہ میں زمین پر پڑا ہوا ہوں کہ ایک خوبصورت شخص میرے پاس آیا اور اُس نے میری چٹی پکڑ کے مجھے کھڑا کر دیا اور کہا اے علی اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت میں اُن پر حملہ کرو انہیں قتل کرو اللہ اور اللہ کے رسول تم سے بہت خوش ہیں۔ اِس قصہ کے بعد میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ساری عرض کر دی رسول اللہ نے مجھ سے دریافت کیا علی تم نے پہچانا یہ کون آدمی تھا میں نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ اتنا میں کہہ سکتا ہوں کہ وحیہ کلبی کی شباہت سے اُس شخص میں معلوم ہوتی تھی رسول اللہ ﷺ نے اس پر فرمایا علی اللہ تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کرے اور تمہیں خوش و خرم رکھے یہ جبرئیل تھے۔ فقط

جواب: علی اور جبرئیل کی کہانیاں اس کثرت سے بیان ہوئی ہیں کہ اگر ان سب کو جمع کیا جائے۔ تو ایک ایسا قصہ تیار ہو جس سے زیادہ لذیذ مشرقی فسانوں میں تو کوئی فسانہ نہ نکلے انشاء اللہ کہیں آگے ہم مختصر اس دلکش کہانی کو لکھیں گے۔ اب تو فقط واقعات احد پر بحث کرتے ہیں اور شیعی روایتوں کو جانچتے ہیں کہ وہ کیا وزن رکھتی ہیں شیعی علماء نے جو کچھ بیان کیا ہے ممکن ہے کہ وہ شخص جو غزووں کے حالات

سے محض ناواقف ہو شاید یقین کر لے مگر جسے ان غزووں کے حالات کا علم ہے وہ اِن چڑے چڑیاں کی کہانیوں کو چانڈو بازوں کی گپوں اور مجذوبوں کی بڑ سے زیادہ وقعت نہیں دینے کا بلکہ اُن سے گرا ہوا سمجھے گا۔ کیا تماشہ کی بات ہے (جیسا کہ بیان کیا گیا ہے اس غزوہ میں علی نے بہت سے مشرکین کو قتل کر دیا تھا۔ اور فتح بھی اُن ہے کے ہاتھ پر ہوئی تھی۔ افسوس صد افسوس۔ واقعی بات سچ ہے جھوٹ کی آفت اور اِسکا سبب جہل ہوتا ہے۔ کون کہتا ہے کہ اس غزوہ میں فتح ہوئی تھی. **لاحول ولاقوة** بچہ بچہ جو واقعات اسلام سے واقف ہے اِسے جانتا ہے کہ احد کی گھاٹی میں پہلے تو مسلمانوں نے مشرکین کو بھگا دیا تھا۔ مگر بعد ازاں جنگجو مسلمانوں نے یہ سمجھ کے کہ ہماری فتح ہوگئی ہے۔ اپنی جگہ کو چھوڑ دیا۔ عبداللہ بن جبیر جو تیر اندازوں کے اِس پرے کی کمان کر رہے تھے اُنہوں نے بھتیرا چاہا کہ اُنکے سپاہی جگہ نہ چھوڑیں مگر وہ اِس ہنگامہ میں کامیاب نہیں ہوئے. دشمن کو یہ غنیمت ہوا وہ پلٹ کے اُن پر آ پڑا اِس وقت دشمن کے اِس دستہ کی کمان خالد بن ولید کر رہا تھا۔ وہ یہ مورچہ خالی دیکھ کے مسلمانوں پر آ پڑا اور اُنہیں دبانا شروع کیا اُس روز ستر آدمی قتل ہوئے تھے اور حضور انور ﷺ رسول اللہ کے پاس سوائے بارہ آدمیوں کے اور کوئی نہ رہا تھا. اِن ہی بارہ میں ابوبکرؓ و عمرؓ بھی تھے یہ دن حقیقت میں بہت سخت آزمائش کا تھا دشمن فتح یاب ہو کے واپس گیے. مشرکین میں سے صرف چند آدمی قتل ہوئے قریش نے رسول اللہ کے قتل کرنے کی بھتیری تدبیریں کیں مگر کامیاب نہیں ہوئے کیونکہ جاں نثار صحابہ کا چھوٹا سا دستہ جو بطور باڈی گارڈ کے حضور انور ﷺ کے ساتھ تھا۔ اِس نے قریشوں کے دھاوے کو نہیں چلنے دیا اِس دستے میں ابوبکر و عمر علی نہیں تھے بلکہ یہ قریش کے دوسرے دستے سے جنگ کر رہے تھے حضور انور ﷺ کی مبارک پیشانی زخمی ہوگئی تھی۔ شیعی علماء کا یہ کہ اُس روز علی کے سولہ زخم آئے جن میں سے چار زخم کھا کے آپ زمین پر گر پڑے یہ علی کے ذمہ نرا بہتان ہے اہل علم کے نزدیک مشہور و معروف کتابوں میں سے یہ حدیث کسی کتاب میں نہیں ہے شیعی علماء کو بتانا چاہیے کہ اس کی اسناد کہاں ہیں اور اہل علم میں سے اُسے کس نے صحیح کہا ہے اور ان کتابوں میں سے کس کی نقل پر اعتماد کیا جاتا ہے. ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ اس مورچے کے قریب پہنچے تو علی تھوڑی دیر کے بعد نمودار ہوئے اور اپنی ڈھال میں مہراس بھر کے حضور انور ﷺ کی خدمت میں لائے تا کہ آپ پی لیں اس میں آپ کو کچھ بدبو

معلوم ہوئی آپ نے اُسے نہ پیا۔ہاں اپنے چہرے کا خون دھولیا ابن اسحاق وہ شخص ہے کہ شیعیت کی طرف زیادہ میلان رکھتا ہے پس غزوہ اُحد کے یہ واقعات ہیں جو ہم نے بیان کئے.اب شیعی علماء کا یہ کہنا کہ عثمان تین دن کے بعد آئے تھے محض جھوٹ اور غلط ہے اور ایسے ہی یہ قول بھی ایک مجذوب کی بڑ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا کہ جبرئیل آسمان پر اُڑتے ہوئے یہ کہتے جاتے تھے **لافتیٰ الا علی الــــخ** کیسی مضحکہ خیز اور بے بنیاد باتیں ہیں کیسی ذوالفقار اور کیسے علی کو ذوالفقار سے تعلق ہی کیا تھا ابوجہل کی تلوار کا نام ذوالفقار تھا اُسی کی یہ تلوار تھی جو غزوہ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھ آ گئی تھی اور وہ حضور انور کے حصے میں آئی تھی اور اُحد کے دن بھی آپ ہی کے پاس تھی.امام احمد، ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ نے ابن عباس سے یہی روایت کی ہے حضور انور ﷺ نے خواب دیکھا تھا اور وہی خواب صحابہ سے بیان کیا تھا کہ میں نے اپنی تلوار ذوالفقار میں شکستگی دیکھی ہے اور اسکی تعبیر میں نے یہ لی ہے کہ تمہیں شکست ہوگی چنانچہ غزوہ اُحد واقع ہوا اور اسمیں مسلمانوں کو شکست ہوئی.ذوالفقار کی کہانیاں بھی عجیب وغریب ہیں مثلاً بہت سے اصحاب نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ جب آپ اس سے کسی کو مارتے تھے تو وہ کئی کئی ہاتھ بڑھ جاتی تھی صحیح الدماغ پڑھے لکھے اور علماء اسے خوب جانتے ہیں کہ ایسا واقعہ کبھی نہیں ہوا نہ علی کی تلوار میں نہ کسی اور کی تلوار میں.ان کہانیوں پر بحث کرنا بھی عبث ہے یہ کہانیاں تو ایسی ہیں کہ انہیں فقط نقل کر دیا جائے اور کچھ نہ لکھا جائے کیونکہ ایک معمولی عقل کا شخص بھی ان کی لغویت کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے.پھر حضرت علی کے ہاتھ کی کہانی اور وہ یہ ہے کہ خیبر کے دن آپ کا ہاتھ اتنا لمبا ہو گیا تھا کہ سارا لشکر اُس پر چڑھ بیٹھا تھا پھر خچر کی کہانی ہے کہ آپ نے ایک خچر کے حق میں بددعا کی تھی کہ اللہ تعالےٰ تیری نسل قطع کردے اُسی روز سے اُسکی نسل قطع ہوگئی. یہاں بھی خوب پیٹ بھر کے جھوٹ بولا گیا ہے علیؓ کے پاس خیبر کے معرکہ میں کوئی خچر ہی نہ تھا یہاں تک کہ حضور انور ﷺ کی زندگی میں کسی مسلمان کے پاس کوئی خچر نہیں تھا ہاں حضور انور ﷺ کے پاس صرف ایک خچر تھا جو مقوقش شاہ مصر نے حضور ﷺ کے لیے تحفتاً بھیجا تھا۔مگر یہ خچر غزوۂ خیبر کے بعد آیا تھا.خچر کی نسل حضرت علی سے پہلے ہی کی یونہی چلی آتی ہے صرف اُن کی بدعا سے خچر کی قطع نسل نہیں ہوئی اگر اُن کی بدعاء کو مان بھی لیں تو صرف ایک خچر کے حق میں مان سکتے ہیں.نہ کہ جنس کے حق میں ان کہانیوں میں اُونٹ کے کوہان کی

کہانی بھی بہت ہی دلکش ہے بعض دل چلوں نے تحریر فرمایا ہے کہ اہل بیت کے چند آدمی کہیں قید ہو گئے ظالمو! نے اُنھیں ننگا کر کے اونٹوں پر سوار کر دیا تھا اُن کی ستر پوشی کے لیے اونٹوں کی پیٹھ پر کوہان پیدا کر دیئے اس کہانی کی حقیقت آپ پر خود روشن ہو گئی ہو گی کس دلیری سے جھوٹ بولا جاتا ہے اسلام کے زمانے میں اہل بیت میں سے کبھی کوئی قید نہیں کیا گیا نہ اُن کی عورتوں کو ننگا کر کے کبھی اونٹوں پر سوار کیا گیا تا کہ اُن کی ستر پوشی کے لیے کوہان کے پیدا ہونے کی ضرورت ہوتی کبھی مسلمانوں کے زمانے میں بنی ہاشم کو کسی نے بُری نگاہ سے نہیں دیکھا ہاں بدقسمتی سے اِس ہندوستان جنت نشان میں اہل بیت کے سچے عاشق اور جوشیلی محبت کا دم بھرنے والے یعنی ہمارے شیعی بھائیوں کی عام مجالس میں کھلے بندوں خاندان نبوت کی بے گناہ خواتین اور معصوم بچیوں پر جس طرح تبرے کی بھر مار ہوتی ہے پناہ بخدا کہیں اُن کے شامی سپاہیوں کے ہاتھ سے بال کھنچوائے جاتے ہیں کہیں اُن کی چادریں کھنچوائی جاتی ہیں کہیں اُن کے کلوں پر تھپڑ لگوائے جاتے ہیں کہیں بھُس اُڑوایا جاتا ہے غرض لغت میں توہین کے جتنے الفاظ مل سکتے ہیں اُن سے مطلق دریغ نہیں کیا جاتا۔

غزوۃ الاحزاب اور حضرت علی: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ غزوۃ الاحزاب جسے غزوہ خندق بھی کہتے ہیں جب اِس کی تیاری سے نبی ﷺ فارغ ہوئے تو قریش نے دس ہزار جوانوں سے مسلمانوں پر چڑھائی کی اِن کا سپہ سالار ابوسفیان تھا کنانہ اور اہل تھامہ بھی ان کی مدد کے لئے ساتھ ہو لئے جب اہل نجد نے غطفان قبیلے میں دیکھا کہ اس وقت مسلمانوں پر عام چڑھائی ہو رہی ہے تو وہ بھی اُن کے ساتھ ہو لئے اور مسلمانوں کے بلندی اور نشیبی مقامات میں اُتر آئے جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے۔ اِذْ جَآئُکُمْ مِنْ فَوْقِکُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْکُمْ۔

پھر شیعی علماء فرماتے ہیں نبی ﷺ تین ہزار آدمیوں کو لیکر میدانِ کارزار میں آئے پہلے آپ نے اپنے اور دشمن کے بیچ میں ایک خندق کھدوائی اِس اثناء میں یہودی بھی حملہ آوروں کے ساتھ ہو گئے اب مشرکوں کی تعداد بہت بڑھ گئی اِس تعداد پر ان کی یہاں تک جرأت ہوئی کہ عمرو اور عکرمہ بن ابو جہل دونوں گھوڑوں پر سوار ہو کے خندق کی ایک گھاٹی سے نکل کے مسلمانوں کی طرف آئے اور جنگ کی

درخواست کی اُسی وقت علی اُن سے لڑنے کو کھڑے ہو گئے مگر نبی ﷺ نے یہ فرمایا کہ یہ عمرو ہے آپ خاموش ہو کے بیٹھ گئے اُس نے پھر دوبارہ اور سہ بارہ جنگ کی درخواست کی ہر دفعہ علیؓ ہی کھڑے ہوتے تھے اور نبی کے اس کہنے سے کہ یہ عمرو ہے بیٹھ جاتے تھے جب چوتھی بار اُس نے یہ درخواست کی تو نبی نے علی کو اجازت دے دی حضرت علی نے اُس سے فرمایا کہ تو نے اللہ سے یہ عہد کیا ہے کہ قریش کا کوئی آدمی اگر تجھے دو امروں میں سے ایک امر کی طرف بلائے گا تو تو اُسے ضرور اختیار کرے گا۔ لہٰذا میں تجھے اسلام کی طرف بلاتا ہوں کہ تو اسلام قبول کرلے عمرو نے کہا مجھے اس کی ضرورت نہیں اس پر علی نے کہا اچھا تو تو پھر جنگ کے لیے تیار ہو جا اُس نے کہا میں تمہیں قتل کرنا پسند نہیں کرتا حضرت علی نے فرمایا اگر تو مجھے قتل کرنا پسند نہیں کرتا تو میں تو تجھے قتل کرنا پسند کرتا ہوں یہ سُن کر عمرو کو غصہ آ گیا اور اُسی وقت گھوڑے سے اتر پڑا اور اب تلواریں چلنی شروع ہوئیں حضرت علی نے فوراً اُسے قتل کر دیا عکرمہ اپنے ساتھی کو مقتول پا کے بھاگ گیا اسی طرح چالیس پچاس ہزار حملہ آوروں میں بھگدڑ مچ گئی اور وہ سب سر پر پاؤں رکھ کے فرار ہو گئے اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ علی کا عمر بھر میں صرف دو کافر قتل کر دینا ثقلین کی ساری عبادات سے بہتر اور افضل ہے۔

جواب: آپ بغیر کسی تحقیق کے اور بغیر کسی سند کے اگر غور سے اس حکایت کو دیکھیں گے تو بے ساختہ منہ سے نکل جائیگا کہ اس سے زیادہ جھوٹ دنیا اور کوئی نہیں بول سکتا. خیال کیجئے کہ دس ہزار تو مشرکین کی تعداد بیان کی جاتی ہے اور اُن کے ساتھ تین بڑے بڑے قبیلے ذکر کیے گئے ہیں اور پھر یہودی علیحدہ رہے تو کم سے کم کل تعداد مخالفوں کی چالیس پچاس ہزار ہوگی اور یہ چالیس پچاس ہزار فوج تین چار میل کے فاصلہ پر تو ضرور ہی پھیلی ہوئی ہوگی۔ حملہ آوروں میں سے ایک شخص نے بھی عمرو بن ود، اور علی کی لڑائی نہیں دیکھی کیونکہ وہ سب لوگ خندق کے پرے تھے اور مقتول اور اُسکا ساتھی عکرمہ خندق کے اس پار تھے عمرو کا قتل ہونا اور عکرمہ کا گھاٹی سے اُتر کے اپنے کیمپ میں پہنچ جانا یہ کسی صورت سے کل فوج کی پریشانی کا باعث نہیں ہوسکتا اور کسی غزوہ میں بھی قریش کی طرف سے ایسی نامردی ظاہر نہیں ہوئی کہ انکا صرف ایک شخص مسلمانوں کے ہاتھ سے مارا جائے اور وہ وہ ہزاروں کی تعداد میں بھاگ جائیں ایک بزدل سے بزدل اور نامرد سے نامرد جماعت بھی ایسا نہیں کر سکتی ہے. یاد

رکھیے کہ ایسی من گھڑت کہانیاں کسی صورت سے بھی حضرت علی کا وقار نہیں بڑھا سکتیں یہ کذب جو اس دلیری سے بولا گیا ہے اسے کذب بار دکھانا چاہیے عمرو بن ود کے قتل ہونے کے بعد بھی قریش مسلمانوں کا اسی طرح محاصرہ کئے رہے مگر جب قہر خداوندی تند اور تیز آندھی کی صورت میں ان پر نازل ہوا تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے اِسکے متعلق صاف اور کھلے الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْجَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا. وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا o اِذْجَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْزَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا (الاحزاب:۹،۱۰) یعنی اے ایمان والو اپنے اوپر اللہ کا احسان یاد کرو جب تم پر کافروں کے لشکر آ پہنچے تو ہم نے اُن پر ہوا بھیجی اور ایسے لشکر بھیجے جو تمہیں نظر نہ آئے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُسے دیکھ رہا ہے۔ جب وہ تم پر تمہارے اوپر سے آئے اور تمھارے نیچے سے آئے اور جب اُن کی کثرت دیکھ کر تمھاری آنکھیں خیرہ ہوگئیں اور تمھارے دل حلق کو آ گئے اور تم اللہ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کر تے تھے .فقط اِس آیت سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اس جنگ میں مسلمانوں نے قتال نہیں کیا اور نہ قتال کی وجہ سے مشرکین کو اللہ نے پھیرا بلکہ اُن کو بھگانے کی ایک اور صورت کردی اہل علم کے ہال حدیث تفسیر، مغازی اور سیر سے یہی متواتر ومشہور ہے اب کوئی یہ کیوں کر کہ سکتا ہے کہ علی کے ہاتھ سے عمرو بن ود کے قتل ہونے سے سارے مشرک بھاگ گئے تھے پھر شیعی علماء نے جو یہ تحریر فرمایا ہے کہ اس قتل کرنے پر نبی ﷺ نے علی کو ثقلین یعنی تمام جن وانس کی عبادت سے بہتر وافضل قرار دیا ہے۔ محض غلط اور بالکل جھوٹ ہے۔ یہ حدیث موضوعات میں سے ہے اِسی واسطے علماء مسلمین میں سے کسی نے اِسے اپنی کتاب میں نقل نہیں کیا جس پر اعتماد کیا جاتا بلکہ اسکی اسناد بھی معروف نہیں ہیں نہ صحیح نہ ضعیف یہ کیونکر ہوسکتا کہ ایک کافر کا قتل کرنا تمام جن وانس کی عبادت سے افضل ہوجائے اسلئے کہ اُس میں تو انبیاء کی عبادت بھی داخل ہے کیونکہ ثقلین میں وہ بھی ہیں. اسی کو دوسرے پہلو سے غور کیجئے کہ ایسے بہت سے کافر قتل کئے گئے جن کا قتل کرنا عمرو بن ود کے قتل کرنے سے بدرجہا بڑھ کے تھا اُس شخص کو رسول اللہ ﷺ سے ایسی عداوت بھی نہ تھی نہ اُس کی ذات سے حضور ﷺ کو اور مسلمانوں کو کوئی

ایذا پہنچی جیسے اور صنادید قریش سے پہنچی تھی جو جنگِ بدر میں قتل کیے گئے تھے. جیسے ابوجہل. عقبہ بن ابی معیط. شیبہ بن ربیعہ اور نضیر بن حارث وغیر. جنکی ایذا رسانی کی بابت قرآن کی آیتیں نازل ہوئی ہیں مگر اِس عمرو کے بارے میں تو کوئی آیت نازل نہیں ہوئی نہ کوئی ایسی بات ظاہر ہوئی جس سے یہ ثابت ہوتا کہ عمرو بن ود حضور انور اور مسلمانوں سے عداوت رکھنے میں یکتا ہے. نہ اِس کا غزوۂ بدر میں کچھ ذکر ہے نہ اُحد میں نہ اُن کے سوا قریش کے اُن مغازی میں جن میں قریشیوں نے حضور انور ﷺ کا مقابلہ کیا ہے نہ کسی سریہ میں اس کا ذکر ہے. سوائے قصہ خندق کے حالانکہ کتب صحاح اِس قصہ سے بالکل خاموش ہیں حدیث اور تفسیر کی کتابیں ان مشرکین کے ذکر سے جنھوں نے حضور ﷺ کو ایذا دی ہے بھری پڑی ہیں. عمرو بن ود کا تو کہیں بھی ذکر نہیں. نہ یہ قریش کے جنگی افسروں میں سے تھا پھر بھلا یہ کیونکر درست ہو سکتا ہے اور کس طرح زیبا ہے کہ ایسے شخص کا قتل کرنا ثقلین کی عبادت سے افضل ہے. لاحول ولا قوۃ. ثقلین کی شیعی علماء نے کیا قدر کی ہے. سبحان اللہ. قتل کریں ایک فرضی شخص کو حضرت علی اور ثقلین کی عبادت کا پلڑہ اونچا ہو جائے.

حضرت علی اور غزوۂ بنی نضیر: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ غزوہ بنی نضیر میں علی نے اِس تیر انداز کو قتل کر دیا تھا جس نے نبی ﷺ کے دانت شہید کیے تھے. اس کے بعد دس آدمیوں کو اور قتل کیا اور بقیۃ السیف کافور ہو گئے.

جواب: جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی! کس طرح آفتاب کی روشنی کو باریک جالی کی چادر سے روکا جاتا ہے اور کس دلیری سے چاند پر خاک ڈالی جاتی ہے بنی نضیر سے حضور انور ﷺ اور مسلمانوں کی کوئی جنگ ہی نہیں ہوئی. حضور کے دندان مبارک اُحد میں شہید ہوئے تھے. نہ غزوہ بنی نضیر میں. انصاف سے خیال کیجئے کہ فرضی اوصاف حضرت علی کے سر تھوپنے سے شیعی علماء نے کیسی کیسی ٹھوکریں کھائی ہیں اور کذب کو کس بلند درجہ پر پہنچا دیا ہے. جو روایت یہ حضرات بیان فرماتے ہیں نہ اُسکی کہیں سند بیان کرتے ہیں نہ اُسے صحیح ثابت کرتے ہیں محض جہلا کو دھوکا دینے کے لئے جو چاہا لکھ مارا. کیونکر ہو سکتا ہے کہ اگر کوئی انسان کسی جزئی مسئلہ میں نقل کو حجت بنانا چاہے اور اس نقل کی اسناد نہ پیش

کرے تو اسکی وہ حجت کس طرح مقبول ہو سکتی ہے۔ پھر بھلا اصولی مسائل میں ایسی نقل کا حجت ہونا تو خیال میں بھی نہیں آ سکتا اب سنئے بنی نضیر کی حقیقت اس پر سارے جہان کا اتفاق ہے کہ سورۂ حشر بنی نضیر ہی کے بارہ میں نازل ہوئی تھی یہ لوگ یہودی تھے ان کا واقعہ اُحد اور غزوۂ خندق سے پہلے ہوا تھا۔ اس میں نہ کسی نے مقابلہ ہونے کو ذکر کیا نہ کسی کے بھاگنے کو اور نہ کسی نے اس میں حضور انور رسول اللہ ﷺ کے دانت شہید کئے۔ ہاں اس غزوہ میں حضور انور ﷺ اور مسلمان بیشک شریک ہوئے تھے اور بنی نضیر کا فقط محاصرہ کر لیا تھا باقی اور کچھ نہیں۔ اسی بیان میں اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے۔ مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ (حشر:۵) بنی نضیر جب محصور ہو گئے تو وہیں ہاتھ پیر مارتے تھے اور رہ جاتے تھے باہر نکل کے اُنہوں نے جنگ نہ کی۔ حضور انور نے انہیں اخیر میں جلاوطن کر دیا تھا۔ صحیحین میں ابن عمر سے مروی ہے کہ بنی نضیر اور بنی قریظہ کے یہودیوں نے رسول اللہ سے جنگ کی ٹھان لی تھی اخیر حضور انور نے بنی نضیر کو جلاوطن کر دیا اور بنی قریظہ کو ان کی جگہ رہنے دیا۔

غزوۂ سلسلہ اور حضرت علی: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ ایک دن ایک دھقانی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور اُس نے یہ خبر دی کہ عربی قبائل مدینہ پر چڑھائی کی تیاری کر رہے ہیں اور وہ اس نیت سے فلاں مقام پر جمع ہو رہے ہیں دھقانی کی اس خبر پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کی طرف خطاب کر کے فرمایا کہ میرا جھنڈا کون لیتا ہے۔ ابوبکر بولے میں لیتا ہوں رسول اللہ ﷺ نے انہیں جھنڈا دے دیا اور سات سو نبرد آزما مسلمان اُن کے ساتھ کر دئے جب یہ وہاں پہنچے تو اُن لوگوں نے ابوبکر سے کہا تم جس طرح آئے ہو اُسی طرح واپس چلے جاؤ کیونکہ ہماری تعداد بہت بڑی ہے تم ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتے یہ سن کے ابوبکر واپس چلے آئے ان کے آنے پر صحابہ سے پھر دریافت کیا گیا۔ جواب میں عمر نے جھنڈا مانگا چنانچہ وہ گئے اور واپس ہو کے چلے آئے تیسرے روز رسول اللہ ﷺ نے دریافت کیا کہ علی کہاں ہیں علی بولے یا رسول اللہ میں تو یہیں حاضر ہوں اسی وقت آپ نے اُنہیں اپنا جھنڈا دے دیا آپ وہاں پہنچے نماز صبح کے بعد اُن سے آپ کا مقابلہ ہوا۔ حضرت علیؓ نے چھ سات آدمیوں کو

فوراً قتل کر دیا اُن کے قتل ہوتے ہی باقی سب بھاگ گئے. اس پر اللہ تعالے نے امیر المومنین علیؓ کے فعل کی قسم کھا کے یہ فرمایا وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا.

جواب : نہ اس غزوہ کا کبھی حال سنا نہ کسی کتاب میں پڑھا نہ اہل علم میں سے کسی نے اس کا ذکر کیا سوال یہ ہے کہ اسکی اسناد کیا ہیں جن سے اس نقل کی صحت وغیر صحت پوری معلوم ہو جائے یہ ایک بہتان عظیم ہے جو راشدین صحابہ پر اٹھایا گیا ہے. لاحول ولا قوۃ الا باللہ. یقیناً ویسا ہی جھوٹ ہے جیسا طرقیہ نقل کیا کرتے ہیں عنتر اور بطال کی ایسی حکایتیں بہت ہیں ان ہی میں اس غزوہ کو بھی سمجھ لینا چاہیے مغازی اور سیر کی مشہور کتابوں میں کہیں بھی اس غزوہ کا نام ونشان نہیں ہے. نہ اِس فن کے ائمہ نے کہیں اِسکا ذکر کیا. موسی بن عقبہ، عروہ بن زبیر، زہری ابن اسحاق، واقدی، سعید بن یحیٰی اموی، ولید بن مسلم اور محمد بن عائدہ وغیرہ اس بارہ میں بالکل خاموش ہیں حضور انور رسول اللہ ﷺ کے کل غزوے اور خاص کر وہ غزوے جن میں قتل وقتال تک نوبت آئی مشہور ومعروف اہل علم کے نزدیک متواتر اور استوار ہیں. حدیث، فقہ، تفسیر، مغازی اور سیر کی کتابوں میں حضور انور ﷺ کے حالات کے ساتھ ان کا تذکرہ صاف الفاظ میں پایا جاتا ہے. عادتاً اور شرعاً یہ بات بالکل ممتنع ہے کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کے کسی غزوے میں اِس قسم کے امور ظہور میں آتے اور اہل علم میں سے کوئی اُنہیں نقل نہ کرتا اور یہ ممتنع ہونا بعینہ ایسا ہے جیسے ایک دن رات میں پانچ نمازوں سے زیادہ فرض ہونا یا ایک سال میں رمضان شریف کے ایک ماہ کے روزوں سے زیادہ فرض ہونے ممتنع ہیں. اِس کے علاوہ سورۂ والعادیات میں دو قول ہیں ایک یہ کہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی تھی اور یہ ابن مسعود عکرمہ اور عطاء وغیرہ سے مروی ہے جس سے مذکور قول کا کذب صاف ظاہر ہوتا ہے مگر دوسرا قول یہ ہے کہ یہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی تھی اِسے ابن عباس اور قتادہ نے نقل کیا ہے تفسیر کی کتابوں میں حضرت علی سے یہ منقول اور مشہور ہے کہ عادیات کی تفسیر آپ حجاج کے اونٹوں سے کرتے تھے اس سے بھی شیعی علماء کی گھڑنت کی عقدہ کشائی ہوتی ہے. سب سے بڑے تماشہ کی بات یہ ہے کہ ایک قوم پر جو لڑنے کے لیے تیار ہو حملہ کیا جاتا ہے مگر دشمن یہ کہتا ہے ہم بہت ہیں اور تم تھوڑے ہو جاؤ ہم سے نہ لڑو حملہ آور سن کے چپکا چلا

آتا ہے اور دشمن بھی ہوں ہاں کچھ نہیں کرتا. یہ ایسی ناپاک کہانی ہے کہ ایک سمجھ دار بچہ بھی اُسے نہیں تسلیم کرنے کا دشمن فطرتاً اپنے دشمن پر قابو پانا چاہتا ہے اور وہ اپنے دشمن کا کمزور پہلو ڈھونڈ تا رہتا ہے بھلا اس مسخرے پن کا کچھ ٹھکانا ہے کہ وہ اپنے حملہ آور دشمن سے کہے کہ تم تھوڑے ہو ہماری تعداد زیادہ ہے تم ہم سے مقابلہ نہ کرسکو گے لہذا واپس چلے جاؤ اور وہ شخص ان کی یہ اُلٹی منطق سن کے واپس چلا آئے لاحول ولاقوۃ الا باللہ. ابوبکر و عمرؓ نے کسی غزوہ میں پیٹھ نہیں پھیری. غزوہ حنین میں بعض بدمعاشوں نے جوان کے بھاگنے کی کہانیاں بنالی ہیں اہل علم ان کہانیوں کو چانڈو خانہ کی گپوں سے زیادہ وقعت نہیں دیتے جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں غزوہ سلسلہ ایک من گھڑت غزوہ ہے اور اس کے موجد شیعی علماء ہیں باقی ذات السلاسل بیشک ایک سریہ ہے. جس میں حضور انور رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن العاص کو افسر بنا کے بھیجا تھا اس لیے کہ اس میں بنی عذرہ سے مقابلہ تھا کہ شاید وہ بغیر جنگ کے مطیع ہو جائیں اور خونریزی کی نوبت نہ آئے. پھر ابوعبیدہ بن جراح کو بھی ابن عاص کے پیچھے روانہ کر دیا تھا. اس سریہ میں علی کا کہیں ذکر نہیں ہے یہ واقعہ مدینہ منورہ سے بہت دور شام کی حدود میں ہوا تھا.

غزوہ بنی مصطلق اور حضرت علیؓ : شیعی علماء فرماتے ہیں کہ جناب امیر نے بنی مصطلق سے مالک اور اس کے بیٹے کو قتل کر کے بہت سے آدمیوں کو گرفتار کر لیا تھا. قیدیوں میں جویریہ بنت حارث بن ابی ضرار بھی تھیں جو مسلمان ہو کے رسول اللہ سے نکاح کرنا چاہتی تھیں اسی اثناء میں جویریہ کا باپ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ شریف زادی کو تو قید نہیں کیا کرتے آپ نے ارشاد کیا کہ تم جویریہ کو اختیار دے دو کہ خواہ وہ یہاں رہے یا تمہارے ساتھ چلی جائے یہ سنکے جویریہ کا باپ بہت خوش ہوا اور رسول اللہ ﷺ کے اِس احسان پر شکر گزار ہوا یہ اپنی بیٹی جویریہ کے پاس آیا اور کہا اے بیٹی اپنے خاندان اور قوم کو رسوا نہ کرو میرے ساتھ اپنے گھر چلی چلو. جویریہ نے جواب دیا میں نے تو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کو اختیار کر لیا مجھے تمہارے ساتھ جانے کی ضرورت نہیں ہے.

جواب : یہ سب سے ضروری بات ہے کہ جس نقل سے حجت کی جائے پہلے اُسکی اسناد بیان کر دینی

ضرور ہیں یا کسی ایسی کتاب کا حوالہ دینا چاہیے جس سے حجت ہو سکے ورنہ اس نقل کی صحت و غیر صحت کا علم کیونکر ہو سکتا ہے جو شخص سیرت سے واقف ہے وہ ضرور کہہ سکتا ہے کہ سب باتیں ان ہی جھوٹے قصوں میں کی ہیں جو شیعی علماء نے گھڑ لیے ہیں کیونکہ کسی نے یہ نقل نہیں کیا کہ نبی مصطلق کے غزوہ میں علی نے ایسا کیا تھا علی اور جویریہ بنت حارث کی گرفتاری کیسی انہوں نے ہرگز اس خاتون کو قید نہیں کیا اس غزوہ کے بیان میں صرف اتنا منقول ہے کہ جویریہ میدان جنگ میں گرفتار ہو کے جب حضور انور ﷺ کی خدمت میں حاضر کی گئیں تو حضور انور ﷺ نے اُنہیں آزاد کر دیا اور پھر حضور انور ﷺ کا نکاح اُن سے ہو گیا اس نکاح کا یہ اثر ہوا کہ جویریہ کے قبیلہ کے کل مرد و عورت فوراً رہا کر دیئے گئے. مسلمانوں نے ان کی بہت خاطر مدارات کی اِس خیال سے کہ ہمارے آقا کی سسرال کے یہ لوگ ہیں نکاح کا منشاء بھی بہت بڑا ہی تھا کہ دو قوموں میں باہم شیر و شکر ہو جائیں چنانچہ ایسا ہو گیا اب یہ کہانی جویریہ کا باپ آیا اور اُس سے حضور انور ﷺ اور لڑکی سے یہ یہ باتیں ہوویں محض فسانہ اور بعد کی گھڑت ہے.

غزوۂ خیبر اور حضرت علیؓ: خیبر کے ساتھ حضرت علیؓ کو لوگوں نے بہت کچھ جھوٹی تعریف کر کے آسمان پر چڑھا دیا ہے مگر اس کی اصلیت کچھ بھی نہیں ہے نہ اِس میں حضرت علیؓ کی کچھ شجاعت ثابت ہوتی ہے نہ فنونِ جنگ کی مہارت یہ ایک فسانہ ہے اور بے جوڑ فسانہ ہے جسکی بابت ہم پہلے لکھ چکے ہیں. یہاں صرف شیعی علماء کی گوہر فشانی پر کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں.

شیعی علماء فرماتے ہیں. خیبر حضرت امیر المومنین علی ہی کے ہاتھ پر فتح ہوا تھا. اس جنگ میں پہلے ابوبکر کو رسول اللہ ﷺ نے جھنڈا دے کے بھیجا تو وہ بھاگ آئے پھر عمر کو دیا تو وہ بھی بھاگ آئے پھر علی کو دیا اُنہوں نے میدان کارزار میں آتے ہیں مرحب پہلوان کو قتل کر دیا اس کے قتل ہوتے ہی خیبر یئے بھاگ کھڑے ہوئے اور قلعہ میں گھس کے مفرورین نے دروازہ بند کر لیا. امیر المومنین نے اِس قلعہ کا دروازہ اکھیڑ ڈالا وہ دروازہ اتنا بڑا تھا کہ اُس قلعہ کی خندق پر بطور پل کے آپ نے رکھ دیا اِس دروازہ کو بیس بیس آدمی مل کے بڑی مشکل سے بند کیا کرتے تھے دروازہ اُکھیرتے ہی سب مسلمان قلعہ میں داخل ہو گئے. رسول اللہ ﷺ نے قسم کھا کے کہا کہ یہ دروازہ پانسو آدمیوں کی قوت سے

بھی نہیں اُکھڑ سکتا تھا لیکن علی نے قوت ربانی سے اُسے اُکھیر لیا ہے. یہی ذریعہ مکہ فتح ہونے کا تھا.

لعنت الله علی الکاذبین کہنے کے بعد ہم شیعی علماء سے یہ دریافت کرتے ہیں کہ علماء نقل میں سے اس حکایت کو کس نے نقل کیا ہے اور اس کی سند کہاں ہے اور اُس کا ثبوت کیا ہے خیبر کی مفصل کیفیت سنیئے! خیبر سارا ایک ہی دن فتح نہیں ہوا تھا. بلکہ خیبر میں متفرق گڑھیاں تھیں جن میں سے بعض تو بزور شمشیر فتح کی گئی تھیں اور بعض صلح سے صلح ہونے کے بعد جب خیبریئے اپنے معاہدہ سے پھر گئے اور مسلمانوں سے جنگ کرنے پر آمادہ ہو گئے تو اُن سے خفیف سی جنگ ہوئی اور وہ مغلوب ہو گئے اس جنگ میں نہ ابوبکر بھاگے نہ عمرؓ یہ قصہ چند شریر النفس لوگوں کی ایجاد ہے. ہاں یہ ہم قبول کرتے ہیں کہ علی نے ایک گڑھی کا دروازہ بیشک اُکھیر لیا تھا مگر اُسکا پُل بنانا یہ چانڈوخانہ کی گپ سے بھی زیادہ ہے. اسی طرح یہ بھی چانڈوخانہ کی گپ ہے کہ مکہ فتح ہونے کا بھی یہی ذریعہ تھا. مکہ کے فتح ہونے میں علیؓ کی کوئی کاروائی نمایاں نہیں ہوئی. جیسا اور حاضرین نے اپنی اپنی ہمت کے مطابق کیا ایسا ہی علیؓ نے بھی کیا تھا بلکہ فتح مکہ میں بعض باتیں علیؓ سے ایسی ظہور میں آئی تھیں کہ اگر حضور انور دست اندازی نہ کرتے تو علیؓ کے ہاتھ سے کئی خون ناحق ہو جاتے مثلاً علی نے اپنی بہن کے دیوروں کو قتل کرنا چاہا تھا حالانکہ وہ لوگ آپ کی بہن ام ہانی کی پناہ میں آ چکے تھے. جس وقت حضور انور ﷺ کو علیؓ کے ارادہ کی اطلاع ملی آپ نے فوراً اُنہیں روک دیا اور حضور انور نے صاف طور پر کہدیا کہ ام ہانی نے جنہیں پناہ دی ہے اُنہیں میری پناہ میں سمجھنا چاہیے علیؓ نے دشمن خدا اور رسول، ابوجہل کی بیٹی سے شادی کرنی چاہی تھی اس سے فاطمہؓ کو اس قدر رنج ہوا کہ وہ حضور انور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور سخت شکایت کی یہ سن کے حضور انور ﷺ سخت غضبناک ہوئے. فقط.

غزوۂ حنین اور حضرت علی: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ غزوۂ حنین میں رسول اللہ دس ہزار آدمیوں کی جمعیت لے کے نکلے تھے. ابوبکر نے جنگجو مسلمانوں کو ڈرا دیا اور کہا آج تو ہم اس کثرت تعداد پر بھی کبھی غالب نہیں آ سکتے یہ سنتے ہی مسلمانوں کا سارا لشکر فرار ہو گیا. رسول اللہ ﷺ کے پاس صرف نو آدمی ہاشمی قبیلہ کے رہ گئے ان ہی میں ایمن بن ام ایمن بھی تھے امیر المومنین علی تلوار لیے ہوئے رسول اللہ کے آگے آگے چلتے تھے آپ نے چالیس مشرکین کو قتل کیا باقی سب بھاگ گئے.

جواب : شیعی علماء کی اِس حمیت اسلام اور غیرت مسلمین کی انتہا ہے کہ صرف ابوبکر کی عداوت میں وہ خیر القرون کے بہادر صحابہ کو کیسا بزدل بنا رہے ہیں. دس ہزار مسلمانوں کی فوج اور حضور ﷺ اُس کے سرکردہ مگر وہ ایک فقرہ پر سر پہ پاؤں رکھ کے بھاگ جائے. کسی غیر قوم کا متعصب سے متعصب شخص بھی یہ کبھی نہیں کہنے کا کہ جو شیلے عرب جن کے سپاہ سالار حضور انور رسول اللہ ﷺ ہوں وہ ایسے بزدل نکلیں کہ صرف ایک فقرہ سے اپنے نبی کو چھوڑ کے بھاگ کھڑے ہوں۔ نہ علی اُنہیں روک سکیں اور نہ خود حضور انور پھر تنہا علی چالیس مشکروں کو قتل کر کے میدان کارزار فتح کر لیں اور دس ہزار مسلمان ایک مشرک کو بھی قتل نہ کر سکیں. ہر روایت بغیر کسی سند کے بیان کی گئی ہے. ابوبکر نے کبھی ایسا نہیں کہا. گو بعض ناواقف آدمیوں نے یہ لکھا ہے کہ ابوبکر نے یہ کہا تھا. آج ہم تھوڑے ہونے کی وجہ سے غالب نہ آسکیں گے. مگر یہ بھی محض غلط ہے. بعض آدمیوں نے فوج میں اپنی تعداد کی کمی پر گفتگو کی تھی اور بس.
ابن اسحاق نے سیرۃ میں لکھا ہے کہ اس غزوہ میں رسول اللہ کے پاس مہاجرین انصار اور ہاشمیوں میں سے چند آدمی رہ گئے تھے مہاجرین میں ابوبکر و عمر وغیرہ تھے بنی ہاشم میں علی. عباس اور ان کے صاحبزادے فضل، ابوسفیان بن حارث، ربیعہ بن حارث، اُسامہ بن زید اور ایمن بن ام ایمن تھے.
بعض علماء نے قثم بن عباس کو بھی لکھا ہے کہ وہ بھی موجود تھے مگر ابوسفیان بن حارث کو شمار نہیں کیا. یہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ ابن اسحاق وہ شخص ہے جس کا میلان خاطر بالکل شیعیت کی طرف ہے. وہ یہ تحریر کرتا ہے اُسے خوب دیکھو اور سمجھو کہ ابوبکر و عمر کی نازک سے نازک موقعوں پر موجودگی کیا کہتی ہے.
باقی شیعی علماء کا یہ کہنا کہ علی تلوار لیے ہوئے رسول اللہ کے آگے آگے چل رہے تھے. اور انہوں نے چالیس آدمیوں کو قتل کیا تھا محض جھوٹ اور بالکل غلط ہے اس کے غلط ہونے پر علماء سیر اور مغازی وغیرہ کا اتفاق ہے.

حنین کی جنگ کی اصلی کیفیت یہ ہے کہ مخالفین نے کئی ہزار نبرد آزما گھاٹیوں میں چھپا رکھے تھے اور ہر مقام سے ایسی ناکا بندی کر رکھی تھی کہ زد پر آنے کے بعد پہلو بچانا مشکل تھا مسلمان بالکل بے خبری میں یلغار کرتے ہوئے آگے بڑھتے چلے آئے جب دشمن نے دیکھا کہ وہ ان کی زد پر

آ گئے ہیں اُنہوں نے تیروں کا مینہ برسا دیا اور ایسا برسایا کہ ٹھکانا نہ رہا۔ مسلمان اس اچانک حملے سے سخت پریشان ہوئے اور یکا یک قدم پیچھے ہٹ گیا مگر عباس کی آواز نے انہیں پھر واپس بلا لیا اور وہ یا لبیک یا لبیک کہتے ہوئے اس طرح دشمن پر جھپٹے جیسا بپھرا ہوا غضبناک شیر گورخر پر جھپٹتا ہے اور دم بھر میں اُنہوں نے مخالفوں کا تیا پانچا کر دیا مخالف اپنا سامانِ برداری اور سامانِ حرب چھوڑ کے بھاگے حضور انور ﷺ نے وہ کل سامان مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔

حضرت علی اور علم غیب: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ حضرت علی عالم الغیب تھے یعنی آئندہ وقعات کو ہونے سے پہلے بتا دیا کرتے تھے۔ مثلاً جب طلحہ اور زبیر نے عمرہ کرنے کے لیے جانے کی آپ سے اجازت چاہی تو آپ نے قسم کھا کے یہ فرمایا کہ تم عمرہ کرنے نہیں جاتے بلکہ بصرے جانا چاہتے ہو چنانچہ ایسی ہی ہوا۔ (پھر شیعی علماء فرماتے ہیں) ایک دفعہ آپ بعیت لینے کی غرض سے ذیقار میں بیٹھے ہوئے تھے وہاں آپ نے یہ فرمایا کہ کوفے کی طرف سے ایک ہزار آدمی تمہارے ہاں آئیں گے اس سے کم ہونگے نہ زیادہ وہ مجھ سے موت پر بیعت کرینگے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اِن میں سب سے پچھلے اویس قرنی تھے۔ (بقول شیعی علماء) ایک دفعہ آپ نے یہ بیان کیا تھا کہ شہربان لعین کے ہاتھ پیر کاٹے جائیں گے اور اُسے سولی دی جائے گی چنانچہ معاویہ نے اُسکے ساتھ ایسا ہی کیا۔ ایک دفعہ آپ نے مسمار التمار سے فرمایا تھا کہ عمرو بن حریث کے دروازے کے پاس تجھے سولی دیجائے گی اور اُسے آپ نے وہ کھجور کا درخت بھی دکھایا تھا جس پر اُسے سولی دینی تھی۔ یہ واقعہ بھی اسی طرح ہوا۔ ایک دفعہ آپ نے فرمایا تھا کہ کہیل بن زیاد کو حجاج قتل کریگا اِسی طرح قمبر کو حجاج ذبح کرے گا۔ پھر براء بن عازب سے فرمایا کہ میر الختِ جگر حسین شہید کیا جائے گا اور تو اُسکی مدد نہ کرے گا۔ اور آپ نے حسینؓ کے شہید ہونے کی جگہ بھی بتا دی تھی وغیرہ وغیرہ۔

جواب: جتنی باتیں شیعی علماء نے بیان کی ہیں ان باتوں میں انسانی خون کرب و بلا اور قتل و غارت کا رنگ ملا ہوا ہے کوئی پیشین گوئی آپ نے ایسی نہیں کی کہ فلاں ملک مسلمان فتح کر لیں گے وہاں اسلام کا ڈنکا بجے گا فلاں مشرک یا کافر پر اللہ تعالیٰ رحمت کرے گا اور اُسے ایمان کی دولت عطا کریگا

ان باتوں پر اد بدا کے ایک شخص یہ سوال کر سکتا ہے کہ کیا حضرت علیؓ خونی لباس میں مخلوقِ خدا کو قتل وغارت کرنے کی پیشنگوئیاں کرنے آئے تھے اور آپ کی پیشینگوئیوں میں سوائے انسانی نسل کی بربادی کے اور کسی قسم کی پیشینگوئی نہیں ہے اگر ہم تھوڑی دیر کے لئے ان پیشنگوئیوں کو صحیح تسلیم کرلیں تو اُن سے حضرت علیؓ کی کچھ برتری ثابت نہیں ہوتی بعض عائبہ امور کو بیان کر دینا تو اُن لوگوں سے بھی ہوا ہے جو حضرت علیؓ سے بہت کم درجے کے تھے کیونکہ ابوبکر، عمرؓ اور عثمانؓ کے متبعین میں بعض لوگوں نے اس سے کئی گنا غیب کی خبریں بیان کر دی تھیں اور وہ صحیح بھی ہوگئی تھیں ایسی غیب کی خبروں کے بیان کر دینے سے راشدین صحابہ پر ان کی فضیلت نہیں تسلیم کی گئی. یہاں تک کہ اپنے زمانے کے بزرگوں سے بھی وہ افضل نہیں قرار دیئے گئے ہر زمانے میں اِس قسم کے لوگ موجود تھے اور ہیں اب ہمارے زمان میں بھی اِس قسم کے بہت سے آدمی ہیں جو پیشینگوئیاں کیا کرتے ہیں اور ان کی پیشینگوئیوں کا بہت سا حصہ سچ ہو جاتا ہے. گزشتہ زمانے میں بھی ایسے آدمیوں کے ہونے کا پتہ لگا ہے صحابہ میں سے حذیفہ بن الیمان اور ابو ہریرہ وغیرہ نے اِس سے کئی گناہ زیادہ خبریں حاضرین کے روبرو بیان کر دی تھیں خود فاروق اعظم نے اِس قسم کی بہت سی باتیں بیان کیں ہیں آپکے علاوہ مختلف اولیاء کے حالات اور کرامات میں بہت سی کتابیں تصنیف ہیں جن میں اِس قسم کی پیشینگوئیاں موجود ہیں اور جنکا اُن کے وقت پر پورا ہونا بیان کیا گیا ہے مثلاً امام احمد کی کتاب الزہد، حلیۃ الاولیا، صفوۃ الصفوہ اور ابو محمد خلال کی مصنفہ کتاب کرامات الاولیا وغیرہ انکے علاوہ ابن ابی الدنیا اور لال کالی کی کتابیں ہیں جن میں ابوبکر وعمر کے بعض متبعین کی کرامتیں مذکور ہیں مثلاً ابوبکر کے نائب علاء بن حضرمی، ابومسلم خولانی، ابوالصہباء اور عامر بن عبدقیس وغیرہ جن سے علی بدر جہابڑھ کے ہیں لیکن ان سے کرامتیں صادر ہونے میں کوئی امر ایسا نہیں ہے جو اس پر دلالت کرے کہ یہ لوگ کسی صحابی سے افضل ہیں چہ جائیکہ خلفاء راشدین سے افضل ہو جائیں.

اب شیعی علماء کی حکایتوں پر غور کیجئے جو اوپر نقل کی گئی ہیں ان میں سے ایک حکایت کی سند بھی شیعی علماء نے ذکر نہیں کی ممکن ہے انمیں بعض صحیح ہوں اور بعض جھوٹی ہوں مگر جب تک ان کی سند نہ بیان کی جائیں ہم کیوں کہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ صحیح ہیں اس کے علاوہ وہ کتابیں جو آئندہ حالات کے

بیان کرنے میں علی یا اہل بیت کی طرف منسوب ہیں وہ سب جھوٹی اور بالکل غلط ہیں مثلاً کتاب الجفر اور بطاقہ وغیرہ اسی طرح یہ ادعا بھی محض غلط ہے کہ علی کو رسولِ خدا نے ایک خاص علم کی تعلیم کی تھی اور وہ علم آپ نے کسی دوسرے شخص کو نہیں بتایا۔ صحیح بخاری میں حذیفہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں میں نے علی سے پوچھا تھا کہ تمہارے پاس وحی میں کیا کوئی ایسا امر ہے جو قرآن شریف میں نہ ہو آپ نے فرمایا قسم ہے اُس ذات کی جس نے بے جان اور جاندار کو پیدا کیا ہے کہ ہمارے پاس ایسا کوئی امر نہیں ہے سوائے ایک فہم کے اور اُس میں بھی ہماری کوئی خصوصیت نہیں ہے اللہ تعالے جسے چاہے قرآن کے سمجھنے کی فہم عطا کردے پھر آپ نے فرمایا کہ ہمارے پاس یہ صحیفہ ہے میں نے دریافت کیا کہ یہ کیا ہے فرمایا یہ ایک یاداشت کے طور پر ہے اِس میں خون بہا کا بیان ہے قیدیوں کو چھڑانے کی فضیلت ہے وغیرہ وغیرہ فقط۔ بعض بیباک آدمیوں نے نہ صرف حضرت علی کو بلکہ بعض دیگر صحابہ کو بھی اس امر میں مخصوص کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دین باطن کے کچھ احکام اُنہیں سکھا دئے تھے مگر ہم کہتے ہیں کہ یہ سب باتیں بالکل غلط اور جھوٹی ہیں۔

صحیحین میں ابوہریرہ کی ایک روایت ہے مگر وہ بھی ہماری اس تحقیق کی منافی ہے مثلاً ابوہریہ کہتے ہیں کہ دو باتیں میں نے آنحضرت ﷺ کی لکھ لیں ان میں سے ایک تو میں نے بیان کردی اور دوسری بیان نہیں کی۔ کیونکہ مجھے خوف ہے کہ اگر میں دوسری بیان کردوں تو تم میری گردن اُڑا دو گے یہ حدیث بیشک صحیح ہے مگر اِسکے یہ معنی نہیں ہیں کہ جو بات ابوہریرہ کو بتائی گئی تھی وہ اور کسی نہیں بتائی گئی۔ اسکی اصل وجہ یہ ہے کہ ابوہریہ کا حافظہ اوروں سے اچھا تھا اِس لیے انہیں بہ نسبت اوروں کے بہت سی باتیں یاد رہ گئیں اسی طرح ابوحذیفہ نے کہا تھا خدا کی قسم میں اُس فتنے کو سب سے زیادہ جانتا ہوں جو مجھ میں اور لوگوں میں ہوگا۔ اِسکی یہ وجہ نہیں ہے کہ رسول اللہ نے اس کی بابت کوئی خفیہ بات مجھ سے کہی ہو اور اوروں سے نہ کہی ہو بلکہ رسول اللہ نے تو عام جلسے میں بیان فرمایا تھا جس میں میں بھی شریک تھا اِس جلسے میں جتنے لوگ شریک تھے سوائے میرے اب کوئی نہیں رہا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ بعض صحابہ اور صالحین کو بعض آئندہ واقعات کا معلوم ہو جانا یہ ثابت نہیں کرتا کہ وہ کل ہی واقعات سے واقف ہوں لہذا بعض واقعات کے جاننے میں علی کی کوئی خصوصیت نہیں ہے اور سب واقعات کو

جاننا نہ علی کے لیے ثابت ہے نہ کسی اور کے لیے اب یہ بات دیکھنے کی ہے کہ خود علی کے واقعات پر نظر کرو اگر اپنی آئندہ باتوں کا علم ہوتا تو وہ ہرگز مختلف موقعوں پر زک نہ اُٹھاتے وہ اپنی خلافت کے زمانے میں اپنی خلافت کو کامیاب اور مضبوط بنانے کے لیے طرح طرح کی تدبیریں کرتے تھے مگر ان کی ایک تدبیر بھی نہ چلتی تھی اور سب الٹ جاتی تھیں جب تک انہوں نے امیر معاویہ سے مخالفت نہ کی تھی اُس وقت تک ہزاروں آدمی اُن کے ساتھ تھے بہت سے شہر اُنکے زیرنگین تھے لیکن جب وہ معاویہ سے بگاڑ بیٹھے تو روز بروز اُن کی حکومت میں ضعف آتا گیا یہاں تک وہ بیدردی سے قتل کر ڈالے گئے. قتل ہونے سے پہلے مصر، یمن، حجاز وغیرہ سب اُنکے قبضے سے نکل چکے تھے. بہت سے دوراندیش مسلمانوں نے آپ کو مشورہ بھی دیا تھا کہ جب تک آپ کی خلافت کو پورا استحکام نہ ہوجائے آپ معاویہ سے نہ بگاڑیے یہ لوگ بلاشک وشبہ حضرت علی کے بہت دوست تھے اور یقیناً آپ سے محبت رکھتے تھے. مگر آپ نے اُنکے مشورے کو نہیں مانا اور پھر جو کچھ نتیجہ ہوا سب نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا.

حضرت علی اور آپ کا مستجاب الدعا ہونا: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ حضرت علی جو دعا کرتے تھے قبول ہوجاتی تھی بسر بن ارطاۃ کے حق میں آپ نے یہ بدعا کی تھی کہ اللہ عزوجل اُس کی عقل خبط کردے. چنانچہ وہ مخبوط الحواس ہوگیا. پھر آپ نے عیزار کو بددعا دی کہ تو اندھا ہوجا. چنانچہ وہ اندھا ہوگیا اور جب انس نے آپ کی گواہی چھپائی تو آپ نے بدعا کی خدا کرے تو مبروص ہوجائے چنانچہ دعا کرتے ہی اُس میں برص کا مرض پیدا ہوگیا اسی طرح زید بن ارقم کو بھی اندھے ہونے کی بدعا دی تھی چنانچہ وہ بھی اندھا ہوگیا.

جواب: یہاں بھی شیعی علماء نے محض محبت اہل بیت کی بناء پر حضرت علی کو ویسا ہی خونخوار اور ویسا ہی خونی ثابت کیا ہے کسی مسلمان کو آپ نے اندھا کردیا کسی کو مبروص بنادیا اور کسی کو مخبوط الحواس ایسے نبی کا داماد جو دنیا میں رحمت بنا کے بھیجا گیا تھا. اُسکا جانشین کسی کو اندھا کرتا ہے اور کسی کو مبروص بناتا ہے یہی محبت ہے یہی اہل بیت کا عشق ہے کہ فرضی باتیں ایجاد کرکے وہ زبردستی حضرت علی کے سر چپکی

گئیں اگر چہ یقیناً یہ حضرت علیؓ کی ذات پر بہت بڑا حملہ ہے مگر اس حملے کو اعلے درجے کی تعریف تصور کیا گیا ہے. مستجاب الدعا کی صفت تو صحابہ میں اِس سے بھی زیادہ موجود تھی ہم کہتے ہیں صحابہ پر کیا موقوف ہے جب تک کوئی مسلم دنیا میں باقی رہے گا یہ فضیلت برابر رہے گی سعد بن ابی وقاص کی کوئی دعا کبھی خطا نہ کرتی تھی جو دعا کرتے تھے فوراً ہی قبول ہوجاتی تھی صحیحین میں رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے آپ نے سعد کے حق میں یہ دعا کی تھی. الھم سدد رمیته واجب دعوة . یعنی اے اللہ انکا نشانہ ٹھیک رکھیو اور اُن کی دعا قبول کرنا.

صحیح مسلم میں ہے کہ جب فاروق اعظم نے ایک آدمی کو کوفے بھیجا کہ وہاں جا کے سعد کے حال کی تحقیق کرے وہ وہاں گیا اور جس سے اُسنے دریافت کیا اسی نے ان کی تعریف کی اخیر میں بنی عبس کے ایک شخص سے جو دریافت کیا تو اُسنے کہا بھائی میں ان کی بات کبھی ظاہر کرتا لیکن تم مجھے قسم دیتے ہو اسی لیے میں تم سے کہتا ہوں کہ سعد نہ تو کسی لشکر کے ساتھ جنگ میں جاتا ہے نہ رعایا میں انصاف کرتا نہ غنیمت کا مال سب میں برابر تقسیم کرتا ہے جب یہ باتیں سعد نے سنیں تو اُسکا دل پکڑا گیا اُسے سخت صدمہ ہوا اور اُسنے بلبلا کے یہ دعا کی کہ اگر یہ جھوٹا ہو اور اُسنے محض شرارت سے مجھ پر یہ الزام لگایا ہو تو اُسکی عمر دراز کیجیو اور اُس کے فقر و فاقے میں ترقی دیجیو اور اُسے مصیبتوں میں مبتلا رکھیو چنانچہ ایسا ہی ہوا اِس کی اتنی عمر ہوئی کہ بڑھاپے کی وجہ سے دونوں بھویں جھک گئی تھیں گھٹنوں نے جواب دے دیا تھا پیر رہ گئے تھے اور انہیں جنبش نہ ہوسکتی تھی بچے اُسے گلی کوچوں میں گھسیٹے گھسیٹے پھرتے تھے اور وہ کہتا تھا ہائے میں مصیبت زدہ بڈھا ہوں مجھے سعد کی بد دعا لگ گئی.

اسی طرح سعید بن زید مستجاب الدعوات تھے حماد بن نے ہشام بن عروہ سے اُنہوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ اُس کی بیٹی اروی نے مروان کی عدالت میں سعید پر نالش کی اور عرضی دعوے میں یہ لکھا کہ میں نے اپنی زمین میں جو تخم ریزی کی تھی وہ تخم سعید نے چرالیا ہے سعید نے جب یہ سنا تو اُسی وقت اُس نے اللہ تعالٰی کے حضور یہ دعا کی کہ اگر یہ عورت جھوٹی ہے تو اُسے اندھا کر کے اُسی زمین پر اُسے غارت کر دے اور چنانچہ اسی وقت وہ اندھی ہوگئی اور اُسی زمین پر پڑ کے مرگئی براء بن مالک کی یہ کیفیت تھی کہ جب کسی بات میں اللہ کی قسم کھالیتے تھے تو اللہ انکی قسم کو پورا کر دیتا

تھا جیسا کہ صحیحین میں لکھا ہے کہ اللہ کے بعض بندے ایسے بھی ہیں کہ اگر وہ اللہ کی قسم کھالیں تو اللہ ان کی قسم کو ضرور پورا کر دیتا ہے. براء بن مالک بھی اُنہیں میں سے ہیں. علاء بن حضرمی رسول اللہ کے نائب بڑے مستجاب الدعوات تھے آپ ابوبکر کی خلافت میں بحرین کے گورنر بھی تھے. ابن ابی الدنیا نے بالاسناد، روایت کی ہے کہ سہم بن منجاب کہتے تھے ہم نے علاء بن حضرمی کے ساتھ ہو کے دارین پر حملہ کیا اس موقع پر اُنہوں نے تین دعائیں کی تھیں تینوں اللہ نے قبول کر لیں ان دعاؤں کو اُنہوں نے اس طرح بیان کیا ہے کہ ہم ان کے ہمراہ چل کے ایک پڑاؤ پر اُترے ہمیں وضو وغیرہ کے لیے پانی کی ضرورت ہوئی مگر کہیں پانی نہ ملا ہم نے علاء سے کہا کہ اِسکا کچھ بندوبست کیجئے اُنہوں نے دو رکعت نفل پڑھ کے یہ دعا کی **اللھم یا علیم یا حکیم یا علی یا عظیم الخ** ہم تیرے غلام ہیں تیرے راستے میں امن اور راستی کے دشمن سے لڑنے جاتے ہیں ہمیں پانی کی سخت ضرورت ہے ایسی بارش کر دے کہ ہم پی بھی لیں نہا بھی لیں اور ہماری ساری ضرورتیں اُس سے پوری ہو جائیں. چنانچہ فوراً مینہ برسنے لگا اور ہمارے پاس ہی ایک کنواں اُبل آیا ہم نے اِس سے اپنی ساری ضرورتیں پوری کر لیں اور حسبِ خواہش پانی بھر کے اپنے ساتھ لے لیا. جب ہم دارین کے قریب پہنچے تو ہمیں ایک دریا ملا دریا کے پار ہمارا دشمن تھا اور ہم اِدھر تھے دریا سے پار ہونا ہمارے لیے محال تھا علاء نے پھر دعا کی کہ **اللھم یا علیم یا حکیم یا علی یا عظیم** ہم تیرے عاجز بندے ہیں تیرے راستے میں راستی اور امن کے دشمن سے لڑنے جا رہے ہیں تو ہمارے لیے کوئی راستہ نکال دے کہ ہم دریا پار ہو جائیں یہ دعا کر کے علاء ہمیں لے کے دریا میں گھس گئے دریا ایسا پایاب ہو گیا کہ گھوڑوں کی زینیں تک بھی نہ بھیگیں. ہم دشمن تک بآسانی پہنچ گئے اور جب ہم واپس آنے لگے تو علاء کے پیٹ میں درد اُٹھا کوئی صورت نجات کی نہ ہوئی اور وہیں انکا دم نکل گیا ہمارے پاس اتنا پانی نہ تھا کہ اُنہیں غسل دیتے ہم نے اُنہیں کفنا کے ویسے ہی دفن کر دیا جب ہم تھوڑی دور آگے بڑھے تو ہمیں افراط سے پانی مل گیا ہم نے آپس میں یہ مشورہ کیا کہ یہاں سے پانی لے کے چلیں اُنہیں قبر سے نکالیں اور نہلا دُھلا کر پھر دفن کر دیں ہم واپس آئے مگر ہمیں قبر کا نشان نہ ملا بہتیرا ہم نے تلاش کیا مگر ہم قبر کی تلاش میں ناکام رہے ہم سخت متعجب تھے کہ یہ کیا بات ہے اسی اثناء میں ہم میں سے ایک شخص کو یاد آیا اُس نے کہا اُن کی قبر

کی تلاش کا عبث فکر کرتے ہو وہ قبر نہیں ملنے کی میں نے خود اُنہیں یہ دعا کرتے سنی تھی کہ میری قبر کو پوشیدہ کر دینا اور میرا استر کسی کو نہ دیکھنے دینا اللہ نے اُن کی یہ دعا بھی قبول کر لی تھی یہ سنکے ہم اُنہیں وہیں چھوڑ کے چلے آئے. فاروق اعظم نے بھی بہت سی دعائیں کیں اور وہ سب قبول ہوئیں. منجملہ اُنکے ایک دعا یہ تھی آپ نے اللہ تعالی کے حضور میں عرض کیا تھا بارالہا میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور میری رعیت پھیل گئی ہے. اب ان پریشانیوں میں پڑنے سے پہلے ہی میری روح کو قبض کر لے چنانچہ اُسی سال آپ کا انتقال ہو گیا. اسی قسم کی سینکڑوں مثالیں موجود ہیں مستجاب الدعوات لوگوں کے بیان میں ابن ابی الدنیاء نے ایک مستقل کتاب تصنیف کر دی ہے. جو اس وقت موجود ہے باقی شیعی علماء نے جو کہانیاں حضرت علیؓ کے نام سے نقل کی ہیں اُن کی کہیں بھی سند نہیں انس کا مبروص ہونا اور زید بن ارقم کا اندھا ہونا یہ ایسی نامعقول کہانیاں ہیں جو سرتا پا جھوٹ اور غلط ہیں. فقط.

حضرت علی کی کرامت: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے امام ہونے کی بہت بڑی بُرہان یہ ہے کہ جب آپ صفین جانے لگے تو راستے میں آپ کے ساتھیوں کو پیاس لگی پانی کا کہیں نام ونشان نہ تھا سامنے ایک خانقاہ نظر آئی جس میں ایک راہب رہتا تھا. حضرت علی کے ساتھ والوں نے اِس راہب سے دریافت کیا کہ پانی کہاں مل سکتا ہے اُس نے جواب کہ پانی یہاں چھ سات کوس پر ملتا ہے میں تو ہر مہینے کا پانی اکٹھا جمع کر لیتا ہوں اِسی سے زندہ ہوں ورنہ اب تک میرا فیصلہ ہو جاتا یہ سن کے حضرت علی کے ساتھ والے آزردہ، دل ہوئے اس پر حضرت علی نے ایک مقام کی طرف اشارہ کیا جو اس خانقاہ سے قریب تھا اور وہاں کھودنے کا حکم دیا جب وہ زمین کھدی تو ایک پتھر نکلا اور وہ پتھر اتنا وزنی تھا کہ سب آدمی مل کے بھی اُسے جنبش نہ دے سکتے تھے حضرت علیؓ نے تنہا اُس پتھر کو اُکھیڑ لیا اِس کے اُکھیڑتے ہی پانی نکل آیا سب نے سیر ہو کے پیا یہ دیکھ کے راہب کو سناٹا آ گیا وہ سیدھا امیر المومنین علی کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ آپ نبی مرسل ہیں یا مقرب فرشتے ہیں. حضرت علیؓ نے کہا نہ میں فرشتہ ہوں نہ نبی ہوں ہاں محمد رسول کا وصی ہوں راہب نے اُسی وقت دین اسلام قبول کیا پھر حضرت علی سے کہنے لگا یہ خانقاہ جس میں میں رہتا ہوں اِس اِس پتھر کے طالب

کے نام پر بنائی گئی تھی اور پانی کا چشمہ اُسکے نیچے تھا آپ سے پہلے یہاں بہت سے لوگ آئے مگر کسی کو اُسکا پتہ نہ ملا۔ وہ راہب اخیر عمر تک آپ کی خدمت میں رہا یہاں تک کہ آپ کے جھنڈے کے نیچے شہید ہو گیا بقول شیعی علماء اِس قصے کو حمیری نے اپنے قصیدے میں نظم کیا ہے۔

جواب: جہاں تک اِس قصے پر غور کیا گیا ہے اس میں کسی قسم کی کرامت حضرت علی کی نہیں معلوم ہوتی اتفاق سے کسی مقام پر چشمے کا نکل آنا کسی کی کرامت پر دلالت نہیں کرتا ایسے ہزاروں موقعے ہر شخص کی زندگی میں ہو جاتے ہیں جن میں اِس قسم کے انکشافات کثرت سے حادث ہوتے ہیں۔
یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ یہ قصہ بھی اُن ہی جھوٹے فضائل میں سے ہے جن میں بے علموں نے حضرت علی کے سر چپیک دیا ہے جن اشخاص نے یہ قصے گھڑے ہیں سچے مچ وہ حضرت علی کے فضائل و مناقب سے بالکل بے بہرہ اور بے خبر ہیں اب رہا خانقاہ کے پتھر کا طالب کے نام پر بننا یہ بھی ایک بیہودہ کہانی ہے اسلام کو ایسی باتوں سے کچھ تعلق نہیں نہ اسلام میں یہ طریقہ جاری ہے گرجے خانقاہیں اور شوالے بیشک خاص خاص ناموں پر بنائے جاتے ہیں مسلمانوں کے عبادت خانے یعنی مسجدیں جن میں اللہ کے پاک نام کا ذکر اذکار کیا جاتا ہے وہ تو اللہ ہی کے نام پر بنائی جاتی ہیں مخلوق کے نام سے اُنہیں کچھ تعلق نہیں جب کوئی بات دین اسلام کے بالکل خلاف ہو تو اُس سے کسی کی منقبت کیونکر نکل سکتی ہے۔ اب رہی راہب کی کہانی کہ اُس نے حضرت علی سے یہ کہا کہ تم نبی ہو یا مقرب فرشتے ہو محض غلط بالکل غلط اور سراسر جھوٹی ہے۔ راہب سخت گدھا تھا کہ اُس نے بغیر سمجھے بوجھے جو کچھ چاہا بک دیا علی کو فرشتہ اُس نے کس لحاظ سے سمجھا جبکہ دیکھ چکا تھا کہ علی ؓ نے پانی پیا فرشتوں کو پانی پینے سے کیا کام۔ اسی طرح اُس نے علی کو نبی کس طرح سمجھ لیا جبکہ محمد رسول ﷺ کے بعد دوسرا نبی ہو نہیں سکتا انجیل یا تورات میں کہیں یہ نہیں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی چشمہ کا پتہ لگا لے تو اُسے نبی سمجھنا یہ تو ایسی غلط منطق اور بیہودہ استدلال ہے کہ کبھی مسلّم نہیں ہو سکتا۔ چشمے تو درکنار رہے لوگوں نے تو نئے نئے ممالک کا پتہ لگا لیا لہذا اس استدلال کی بناء پر وہ اللہ ہوئے۔ معاذ اللہ اب اِس کہانی کے آخری الفاظ یہ رہ گئے کہ حضرت علی نے کہا نے کہا نہ میں فرشتہ ہوں نہ نبی ہوں بلکہ رسول اللہ کا وصی ہوں۔ ہم علی

الاعلان کہتے ہیں کہ حضرت علی پر یہ نرا بہتان ہے اُنہوں نے کہیں اور کبھی ایسا نہیں کہا. مخالفوں سے آپ بہت مناظرہ کر چکے ہیں مگر کسی مناظرہ میں علی نے یہ دعویٰ نہیں کیا. نہ آپ کی بابت آپ کے دوستوں یا ساتھیوں میں سے کسی نے یہ دعوے کیا.

علیؓ نے ابن عباس کو خوارج سے مناظرہ کرنے کے لیے بھیجا تھا اُنہوں نے اس میں علیؓ کے بہت کچھ فضائل اور مناقب بیان کئے لیکن یہ کبھی نہیں کہا کہ علی رسول اللہ کے وصی ہیں اگر یہ بات حق ہوتی تو ضرور نقل کی جاتی اِس کے نقل نہ کرنے کی یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ حق نہیں ہے.

خیال تو کیجئے! جن لوگوں نے آپ کے ایسے ایسے فضائل نقل کئے ہیں مثلاً رسول اللہ نے ایک غزوہ میں یہ فرمایا تھا کہ کل میں ایسے آدمی کو جھنڈا دوں گا جو اللہ اور اللہ کے رسول سے محبت رکھتا ہے اور اللہ اور اللہ کے رسول اُس سے محبت رکھتے ہیں. اسی طرح جنگ تبوک میں حضور انور ﷺ کا یہ فرمانا. کیا تم اِس سے خوش نہیں ہوتے کہ میرے لیے تم ایسے ہو جیسے موسے کے لیے ہارون تھے. ہاں اتنا فرق ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا. پھر آپ کا یہ فرمانا کہ تم مجھ سے ہو میں تم سے ہوں وغیرہ وغیرہ بھلا کون عقل کون عقل کا دشمن یہ خیال کرسکتا ہے کہ جن لوگوں نے ایسے ایسے فضائل تو نقل کر دئے وہ وصی ہونے کا ذکر نہ کرتے. یہ وصی ہونے کی کہانی من جملہ اُن امور کے ہے جو کذاب لوگوں نے افترا کرلی ہیں اور صحیح احادیث کی کتابوں میں اُن کا کہیں پتہ نہیں.

حضرت علی اور افواج جنات کا قتل عام: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ جمہور نے اس روایت کو نقل کیا ہے کہ جب نبی ﷺ نبی مصطلق سے جہاد کرنے چلے تو ایک ویران جنگل کے قریب پہنچ کے آپ کو شام ہوگئی اندھیرے کی وجہ سے آپ راستہ بھول گئے. اُسی وقت جبرئیل آسمان سے نازل ہوئے اور رسول اللہ سے بیان کیا کہ کفار جنوں کی فوج کثیر اور جرار لشکر جنگل میں چھپا بیٹھا ہے. جس وقت آپ اور آپ کی فوج اُسکی زد پر آ گئی بس پھر وہ حملہ کردیں گے اور آپ کو چشم زخم اُٹھانی پڑے گی یہ خبر پاتے ہی رسول اللہ نے علی کو بلالیا اور سارا ماجرا بیان کردیا. آپ نے سنتے ہی کہہ دیا کہ میں ابھی جا کے اُنہیں قتل کر آتا ہوں. چنانچہ آپ گئے اور سب جنوں کو قتل کر کے چلے آئے.

جواب: اِس میں شک نہیں کہ اِس قسم کی دلکش مگر بے جوڑ کہانیاں ایک عرصہ تک کسی خاص قوم کا عملدرآمد رہیں اور ابھی تک مذہبی اصول خیال کی جاتی ہیں. اپنا اپنا مذاق ہے جب تک کوئی شخص ہوا کے تخت پر بیٹھ کے نہ اُڑے اور جب تک عالم جنات کو زیروزبر نہ کر ڈالے. جب تک کئی لاکھ من کا دروازہ ایک ہاتھ سے نہ اُٹھالے اور جب تک کل پیغمبروں کے ساتھ نہ پیدا ہو۔ اور ہر بار نہ مر مر گیا ہوا۔ اور ہر عصر میں نہ جی جی اُٹھا ہو۔ وہ نہ خلیفہ بن سکتا ہے نہ رسول اللہ ﷺ کے وصی بننے کے قابل ہے نہ امام متقی ہوسکتا ہے اور نہ معصومیت کا ہار پہن سکتا ہے. بیشک اگر یہی بات ہے تو ہم اِس کا اعتراف کرتے ہیں کہ یہ بھان متی یا بہروپئے کی صفتیں بیشک رسول اللہ کے کسی صحابی میں نہیں تھیں. اگر ان صفتوں کے نہ ہونے کی وجہ سے وہ خلافت امامت اور معصومیت سے خارج ہوتے ہوں تو بیشک خارج کر دینا چاہیے ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے جہاں تک ٹٹولا جاتا ہے حضرت علی کے انسانی فضائل کا ہمیں پتہ نہیں لگتا. ہاں خدائی فضائل کا ذکر ہر نوشتہ اور کتاب میں موجود ہے. ادھر اُنہیں انسان تسلیم کیا جاتا ہے اُدھر ان کی عمر عالم کے برابر ہی نہیں بلکہ کائنات کی برابر تسلیم کی جاتی ہے ایک طرف اُنہیں سخت عاجز بے شرم بے حمیت، کمزور، بزدل، ظالم کہا جاتا ہے اور دوسری طرف بڑا مرد میدان، جری، غیور صاحب جبروت وجلال بیان کیا جاتا ہے یہاں تک کہ اسد اللہ یعنی شیر خدا کا نام رکھ دیا گیا بس اِس سے زیادہ ان کی شجاعت کی علامت اور کیا ہوسکتی ہے. ایک غیر طرف دار شخص جب اس رنگارنگی اور بوقلمونی کو دیکھے گا اور پھر علی کی بیگناہ ذات پر خیال کریگا اُسے اُس مرد باخدا کی مظلومانہ حالت پر سخت افسوس ہوگا کہ ناحق جنوں کو قتل کرا کے اس سے مذاق کیا گیا اور ناحق لاکھوں من کا دروازہ اُٹھوا کے اُسکی ہنسی اُڑائی گئی. یہ ساری باتیں اُس پر نری بہتان ہیں. اُس نے کبھی ایسا نہیں کیا وہ ایک کمزور انسان تھا مسلمان تھا سچا تھا نماز پڑھتا تھا روزے رکھتا تھا اور بس. مصریوں کی بغاوت اور عثمان کے قتل سے کچھ ابتری مدینہ میں چھا گئی تھی اور ہر شخص مقتول بوڑھے خلیفہ کی خون میں تر تبر گدی پر بیٹھتا ہوا گھبراتا تھا ایسی حالت میں بغیر کسی امید اور بغیر کسی حق یعنی قابلیت جہانداری وغیرہ کے خلیفہ بن گئے سوائے باغیوں یا مصری ڈاکوں کے کسی نے بیعت نہ کی اور جن دو ایک صحابہ نے بیعت کی وہ بڑی خیال کی گئی

اور اُس سے کچھ بدشگونی سی سمجھی گئی. چند ہزار آدمی مہیا کئے گئے اور نہایت نادانی سے بغیر سوچے سمجھے کا رآزمودہ گورنروں کو معزول کر کے اپنے نالائق اور سخت نالائق رشتہ دار بھر دیئے شراب خوری اور عیاشی کی صوبوں کے عاملوں یا گورنروں میں کثرت ہوگئی اور ہوتے ہوتے یہاں تک نوبت پہنچی کہ رعایا نے بغاوت کی اور علی کی خلافت سے سخت بیزاری ظاہر کی اور خودمختار بن بیٹھی. اسی طرح حضرت معاویہؓ ایک آزمودہ کار اور مدبر اعظم سے بھی بدسلوکی برتی گئی اور اُسے سخت بے عزتی سے معزول کرنا چاہا اُس نے انکار کیا کہ سلطنت کی باگ ایک ناتجربہ کار شخص کے ہاتھ میں دینا علانیہ اسلام کو برباد کرنا ہے ایسا کبھی نہ ہوگا. چنانچہ جواب سے دم بخود ہو گئے. قصہ مختصر یہ کہ مدینہ میں نہ رہ سکے. کوفہ آباد کیا اور حکومت سمٹ سمٹا کے صرف کوفہ ہی میں رہ گئی مگر وہاں بھی ایک مسلمان ہی نے آپ کو قتل کر ڈالا. آپ کے رفیق خوف کے مارے لاش اُٹھا کے لے گئے اور کہیں چھپا کے دفن کر دیا. بس یہ زندگی ہے یہ واقعات زندگی ہیں. یہ حالات ہیں یہ زمانہ خلافت ہے یہ بعیت ہے اور یہ اُس کی بہار ہے. اب نفس مذکور حدیث پر خیال کیا جائے محدثین کے نزدیک یہ حدیث ان حدیثوں میں سے ہیں جو حضور انور رسول اللہ ﷺ اور علی پر جھوٹی بنالی گئی ہیں بنی مصطلق کے غزوہ میں ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہوئی نہ جن آئے نہ جبرئیل نے جنوں کی خبر دی اور نہ جن قتل کئے گئے. اب شیعی علماء کا یہ کہنا کہ اُسے جمہور نے نقل کیا ہے اگر اس سے یہ مراد ہے کہ یہ حدیث سند ثابت سے مروی ہے یا ایسی کتاب میں ہے. جس کے محض نقل ہونے پر اعتماد کر لیا جائے یا کسی ایسے محدث نے اُسے صحیح کہا ہے. جس کے صحیح کہنے کو تسلیم کر لیا جائے تو یہ بات بالکل غلط ہے کیونکہ نہ اُس کی کوئی سند ثابت ہے نہ یہ کسی معبتر کتاب میں منقول ہے نہ کسی نے اُسے صحیح کہا ہے. اور اگر شیعی علماء کی یہ مراد ہے کہ جمہور علماء نے اس روایت کیا ہے تو یہ بھی سراسر جھوٹ ہے. ہاں ممکن ہے ایسے شخص یا اشخاص نے اُسے روایت کیا ہو جنکی روایت سے حجت نہیں ہوسکتی تو ایسا نقل کرنا نہ کرنا یکساں ہے. یہ روایت مثل اُس روایت کے ہے یا دونوں روایتوں کو دو سگی بہن کہا جائے جن میں جنوں سے لڑنے کی کہانی ہے. ایک روایت تو غزوۂ بنی مصطلق والی جس پر بحث ہو رہی ہے اور دوسری چاہ ذات العلم والی، ذات العلم کسی کوئیں کا نام ہے کہتے ہیں. حضرت علی نے اُس کوئیں میں لاکھوں جنوں کو ذوالفقار سے قتل کر دیا تھا. آدمیوں نے تو آج تک جنوں سے جنگ نہیں کی

پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ علی کو جنوں سے جنگ کرنے کا موقع ہوا ہو. کوئیں سے ایک مشک پانی لانے کی حکایت بیشک بیان کی گئی ہے مگر صحیح تسلیم ہونے کے بعد بھی وہ بہت ہی معمولی سی بات ہے. مثلاً غزوہ حدیبیہ میں ایک کوئیں سے پانی لانے کو ایک آدھ سپاہی گیا اُسے کچھ خوف سا معلوم ہوا وہ واپس چلا آیا مگر علی ڈرتے ڈرتے گئے اور پانی بھر لائے. پس اللہ خیر سلا. ابن جوزی نے کتاب الموضوعات میں علی ؓ کی جنوں سے جنگ کرنے کے بیان میں ایک بڑی طول طویل حدیث روایت کی ہے جو ابن عباس سے مروی ہے وہ کہتے ہیں جنگ حدیبیہ میں جب رسول اللہ ﷺ مکہ جانے لگے تو گرمی کی شدت کی وجہ سے صحابہ کو پیاس لگی آپ نے فرمایا تم میں سے اگر کوئی ایسا بہادر ہے کہ ذات العلم کے کوئیں سے پانی لا سکے تو لے آئے ایک صحابی اِس کہنے پر گئے مگر جنوں کے ڈر کے مارے واپس چلے آئے. پھر علیؓ بن ابوطالب گئے اُنہوں نے ہاتھ پیر بچائے ڈرتے ڈرتے اُس کوئیں سے مشک بھر لی. شیخ ابوالفرح نے لکھا ہے کہ یہ حدیث یقیناً محالات میں سے ہے اِس کی سند میں محمد بن جعفر اور احمد سکونی راوی مجروح اور مشتبہ ہیں. ایک راوی اسمیں عمارہ بن یزید ہے جسکی بابت ابوالفتح نے لکھا. ہے کہ یہ حدیث گھڑا کرتا تھا. اس حدیث کو ابن اسحاق نے لکھا ہے اور ان سے بہت سے آدمیوں نے روایت کی ہے لیکن ان باتو ل میں سے اُن میں ایک بھی نہیں ہے.

حضرت علی اور سورج: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ جناب امیر علی علیہ السلام کے لیے دو مرتبہ سورج لوٹا ایک مرتبہ نبی ﷺ کے زمانے میں اور دوسری مرتبہ آپ کے بعد، پہلی مرتبہ کا ذکر جابر اور ابوسعید خدری نے کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں ایک دن جبرئیل رسول اللہ کے پاس آئے اور آہستہ آہستہ عالمِ بالا کی باتیں کرنے لگے جب رسول اللہ وحی میں بالکل مستغرق ہوگئے تو آپ نے امیر المومنین علی کی ران پر سر رکھ دیا اور سورج غروب ہونے تک سر نہیں اُٹھایا امیر المومنین نے عصر کی نماز وہیں بیٹھے بیٹھے اشاروں سے پڑھی جب رسول اللہ کی آنکھ کھلی تو آپ نے علی سے فرمایا تم اللہ دعا کرو کہ وہ سورج کو لوٹا دے تا کہ تم نماز عصر پڑھ لو علی نے دعا کی دعا کرتے ہی سورج لوٹ آیا اور آپ نے پھر کھڑے ہو کے نماز عصر پڑھی. دوسری مرتبہ آفتاب کے لوٹنے کا قصہ یہ ہے کہ جب بابل میں آپ

دریائے فرات سے پار اُترنے لگے تو آپ کے بہت سے ساتھی اپنے اپنے جانورروں کی دیکھ بھال میں لگ گئے اور آپ نے تھوڑے آدمیوں کو عصر کی نماز پڑھائی باقی سب کے سب رہ گئے جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ ہماری عصر کی نماز جاتی رہی تو وہ اس میں اسکے متعلق کچھ کہنے لگے حضرت علیؓ نے اُن کی گفتگو سے پہچان لیا کہ یہ عصر کی نماز کے جانے کا افسوس کر رہے ہیں آپ نے فوراً اللہ تعالیٰ سے سورج کے لوٹنے کی دعا کی اور فوراً سورج لوٹ آیا حمیری نے اس قصے کو نظم بھی کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے۔

ردت علیه الشمس لمافاته وقت الصلوة وقددنت للمغرب

حتی تبلج نورها فی وقتها للعصر ثم هوت هوی الکوکب

وعلیه قدر دت ببابل مرة اخری ومار دت لخلق مغرب

یعنی علی کے لیے آفتاب اُس وقت لوٹا دیا گیا جب عصر کا وقت نکل گیا اور مغرب کا وقت ہونے کو تھا جب آفتاب لوٹا تو اُس کی دھوپ ویسی ہی ہوگئی جیسی کہ عصر کے وقت ہوتی ہے۔ اور پھر وہ ستارے کی طرح پھر گیا۔ دوسری مرتبہ علی کے لیے آفتاب بابل میں لوٹا گیا تھا حالانکہ غروب ہونے کے بعد کبھی کسی کے لیے نہیں لوٹایا گیا۔

جواب: علی کی فضیلت اور ولایت جو اللہ کے نزدیک ہے اُسے اللہ خوب جانتا ہے اور اُسکا شکر ہے کہ صحیح صحیح طریقے کے ذریعے سے ہمیں بھی اُسکا یقینی علم ایسا حاصل ہوگیا ہے کہ اب اُسے ہوتے ہوئے نہ ہمیں کسی جھوٹ کے بنانے کی ضرورت ہے نہ ایسے قصوں کی جنکی صحت کا کہیں پتہ نہ لگے۔ علیؓ کے لیے آفتاب لوٹنے کی کہانی طحاوی اور قاضی عیاض وغیرہ نے نقل کی ہے اور انہوں نے بجائے علیؓ کی کرامت ظاہر کرنے کے اس سے حضور انور کا معجزہ ظاہر کرنا چاہا ہے حالانکہ علماء محدثین میں سے محققین اس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ یہ حدیث بیشک وشبہ محض جھوٹ اور موضوع ہے اسی لیے ابن جوزی نے کتاب الموضوعات میں ابو جعفر عقیلی کی کتاب سے یہ نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن موسیٰ سے روایت ہے وہ فضیل بن مرزوق سے وہ ابراہیم بن حسن سے وہ فاطمہ بنت حسین سے وہ اسماء بنت

عمیس سے روایت کرتے ہیں اسماء کہتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ پر وحی اتر رہی تھی اور حضور انور کا سر مبارک علی کی گود میں تھا اسی طرح بیٹھے رہے اور عصر کی نماز پڑھی یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا جب حضرت وحی سے فارغ ہوئے تو آپ نے پوچھا اے علی تم نے نماز پڑھ لی عرض کیا نہیں نہیں اُس وقت آپ نے یہ دعا کی اللھم انہ کان فی طاعتک وطاعت رسولک ماردوا علیہ الشمس اسماء کہتی تھیں کہ آفتاب غروب ہو چکا تھا میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا مگر دعا ہونے کے بعد واقعی وہ پھر طلوع ہوا اُسے بھی میں نے آنکھوں سے دیکھا. ابوالفرج نے لکھا ہے کہ یہ حدیث یقیناً موضوع ہے اس میں راوی بھی بہت ہی مضطرب ہیں. اِن میں کوئی اِس قابل نہیں جسکی روایت اِس بارے میں حجت ہو سکے. اب رہا بابل کا قصہ اسکے جھوٹ ہونے میں بھی ہرگز شک نہیں حمیری کا شاعر کا اُسے نظم کر دینا اُس کی صداقت پر کیونکر دلیل ہو سکتی ہے. شعرا کا قاعدہ ہے کہ وہ عموماً مدح و ذم میں مبالغے کو زیادہ پسند کرتے ہیں اور اسی مبالغہ سے وہ اپنے اشعار کو چار چاند لگاتے ہیں۔ حمیری تمام جھوٹے شاعروں کا استاد اعظم ہے اور وہ ٹٹولا ہی کرتا ہے کہ اسی قسم کے دور از قیاس قصے اُسے ہاتھ لگ جائیں تو وہ اُنہیں نظم کر دے. تا کہ وہ نظم جھوٹی ہونے کی وجہ سے زیادہ شوق سے پڑھی جائے۔ صحیحین میں ابو ہریرہ کی زبانی ایک روایت لکھی گئی ہے جس میں گزشتہ انبیاء کے قصے کہانیاں ہیں یہودیوں میں چونکہ یہ بات مشہور تھی کی یوشع کی وجہ سے آفتاب دیر میں غرور ہوا تھا لوٹا یا نہیں گیا تھا یہودیوں کی یہ کہانیاں علی کے آفتاب لوٹنے کے لیے حجت نہیں ہو سکتیں۔ ابو ہریرہ نے یہودیوں کی زبان سے جو کہانی سنی وہ بیان کر دی اُن کی بلا سے صحیح ہو یا غلط تعجب ہے کہ حجت میں ایسی روایت پیش کی جائے جو مسلمانوں کی نہ ہو بلکہ یہودیوں کی ہو. اب عصر کی نماز کے فوت ہونے کا مسئلہ سنئے ! عصر کی نماز فوت ہونا دو حال سے خالی نہیں اگر محض پڑھنے والے کی سستی اور کاہلی کی وجہ سے فوت ہوئی تو وہ ضرور گنہگار ہوگا اور اُسکا یہ گناہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوگا اور جب کسی نے آئندہ ایسی سستی اور کوتاہی کرنے سے توبہ کر لی تو پھر آفتاب کے لوٹ آنے کی مطلق ضرورت نہیں ہے اور اگر اُس کی سستی سے فوت نہیں ہوئی بلکہ سونے اور فراموشی سے فوت ہوگئی ہے تو اُس پر غروب کے بعد بھی پڑھ لینے میں کوئی گناہ نہیں دوسرے یہ کہ وہ وقت تو محض غروب ہونے ہی سے نکل جاتا ہے جو نماز کے لیے مقرر کیا گیا ہے اب

اگر اس وقت کے بعد نماز پڑھی تو اُس کی نماز شرعی وقت پر ہرگز نہیں ہو سکتی اگر چہ آفتاب پھر لوٹ بھی آئے اللہ تعالے کے اِس ارشاد. فَسَبِّحْ بِحَمْدِكَ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا. میں یہی مشہور غروب مراد ہے نہ کہ لوٹنے کے بعد کا غروب پس بندوں پر اسی غروب سے پہلے نماز پڑھنی واجب ہے اگر چہ آفتاب دوبارہ طلوع ہو کر پھر غروب ہوا کرے جو احکام آفتاب کے غروب ہونے کے ساتھ متعلق ہیں وہ اسی غروب سے حاصل ہوتے ہیں نہ کہ اس دوسرے غروب سے مثلاً اگر کسی نے آفتاب غروب ہونے کے بعد روزہ افطار کر لیا اور اُسکے بعد آفتاب لوٹ آیا تو اُس کا روزہ ہرگز نہ جائیگا باوجود کہ یہ صورت نہ کبھی کسی کے لیے واقع ہوگی اور نہ اب تک ہوئی اِس صورت کو فرض کرنا بعینہ ایک ایسی چیز کا فرض کرنا ہے جسکا کبھی وجود نہ ہو یہی وجہ ہے کہ فقہائے دین اور علماء مفرعین کے کلام میں ایسے مسئلے کا کہیں کچھ ذکر نہیں پایا جاتا کیونکہ ایسا ہونا غیر ممکن ہے. اب سنئے! جنگ خندق کا واقعہ کہ حضور انور ﷺ کی عصر کی نماز فوت ہو گئی تھی حضور انور اور آپ کے اکثر صحابہ نے وہ نماز قضا پڑھی مگر آپ نے آفتاب کو لوٹانے کی تکلیف نہیں دی. صحیح میں ہے کہ جب حضور انور اپنے صحابہ کو بنی قریظہ کی طرف بھیجنے لگے تو اُنہیں یہ ارشاد کیا کہ عصر کی نمازیں قریظہ میں پہنچ کے پڑھنا۔ یہ حکم سن کے صحابہ چلے گئے اتفاق سے راستے میں عصر کا وقت ہو گیا آپس میں گفتگو ہونے لگی کے پڑھنا کہ آیا یہیں پڑھ لیں یا بنی قریظہ میں چل کے پڑھیں. تھوڑی سی گفت وشنید کے بعد نصف صحابہ نے تو راستہ ہی میں پڑھ لی اور نصف نے بنی قریظہ پہنچ کے. مگر یہاں آفتاب غروب ہو چکا تھا. اس پر حضور انور فریقین میں سے ایک کو بھی تنبیہ نہیں کی ہماری غرض یہ ہے کہ یہ لوگ حضور انور کے صحابہ تھے جنہوں نے آفتاب کے غروب ہونے کے بعد عصر پڑھی تھی پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ علی اور اُن کے ساتھیوں کے لیے ایسی کونسی بات مانع تھی کہ وہ بعد غروب آفتاب پھر نہ پڑھ سکے اگر یہ کہا جائے کہ غروب کے بعد نماز عصر ہوتی ہی نہیں اسی لیے آفتاب لوٹایا گیا تھا تو ہم دریافت کرتے ہیں کہ حضور انور اور آپ کے صحابہؓ نے غروب کے بعد نماز کیوں پڑھی اور کیوں نہ اُن کے لیے آفتاب لوٹایا گیا.

جس شخص نے آفتاب لوٹنے کی روایت بیان کی ہے خواہ وہ یوشع کی نسبت ہو یا علی کی نسبت ایسی مضحکہ خیز اور لغو کہانی جسکا ثانی مشکل سے ملے گا. روایت کرنے والا نہ تو آفتاب سے واقف ہے نہ اُسکے جسم

سے .وہ سمجھتا ہے کہ روشنی کا ایک گولہ جتنا بڑا اسے دکھائی دیتا ہے آسمان پر ادھر سے ادھر روزمرہ پھر کرتا ہے وہ آج زمین کے کسی گڑھے میں غرق ہو جاتا ہے اور کل اسمیں سے نکل آتا ہے نادان نے اپنی اسی نادانی اور اسی علم پر یہ روایت بھی گھڑ لی ہے .مگر مرحبا ہے ان عقلائے زمانہ جنہوں نے اِس روایت کے آگے اپنے سر جھکا دیئے اور اُسے حضرت علیؓ کی بہت بڑی کرامت قرار دیا.ہم اس پر مزید بحث کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے جو روایت خود بخود اپنی آپ تکذیب کرے اُس کی تکذیب کرنے سے کیا فائدہ۔مگر تو بھی ہم اُس پر کچھ بحث کرنا چاہتے ہیں کیونکہ خاص اس ایک حدیث کے لیے یاروں نے ایک مستقل کتاب تصنیف کردی ہے اور اس کتاب میں اُسکی مختلف طریقوں کی سندوں کو جمع کیا ہے اِس کتاب کا مصنف ابوالقاسم عبداللہ بن عبداللہ بن احمد مکانی ہے اس کتاب کا نام مصنف نے مسئلہ فی تصحیح رد الشمس وترغیب النواصب الشمس رکھا ہے اِس کتاب میں اس حدیث کے متعلق عجیب وغریب بحث ہے لکھا ہے کہ یہ حدیث اسماء بنت عمیس خثعمیہ نے اور امیر المومنین علی بن ابوطالب نے اور ابوہریرہ اور ابوسعید نے روایت کی ہے اور اسماء کی حدیث کو اِس طرح ذکر کیا ہے مثلاً اسماء کہتی ہیں کہ نبی ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھ کے علی کو کسی کام کیلئے بھیجا تھا علی وہاں سے اتنی دیر میں آئے کہ حضور انور نے عصر کی نماز پڑھ لی پھر آپ انکی گود میں سر رکھ کہ سو گئے اور ایسے سوئے کہ آفتاب کے غروب ہونے تک ذرا حرکت بھی نہ کی آفتاب غروب ہونے کے بعد اُٹھے اور یہ دعا کی کہ اے اللہ علی تیرہ بندہ ہے اسنے تیرے نبی کی خاطر سے اپنے آپ کو روک لیا تھا اُسکا کچھ قصور نہیں .لہذا تو اُس کو پھر طلوع کردے اُسی وقت آفتاب طلوع کر آیا یہاں تک کہ پہاڑوں پر آ گیا. علی اُٹھے اور وضو کیا اور عصر کی نماز پڑھی اِسکے بعد آفتاب غروب ہوگیا.

پھر اسماء کی ایک روایت میں یہ ہے کہ رسول اللہ نے صہبا میں ظہر کی نماز پڑھ کے علی کو کسی کام کی لیے بھیجا اِسکے آگے پھر وہی آفتاب کے لوٹ آنے کا ذکر ہے اِس روایت سے یہ قصہ صہبا سے خصوصیت رکھتا ہے جو غزوۂ خیبر میں ہوا تھا. اِسی قصہ کو ابن ابی فدیک نے اِس طرح بیان کیا ہے کہ رسول اللہ نے خیبر کے حدود صہبا میں ظہر کی نماز پڑھی تھی پھر آپ نے علی کو کسی کام کے لیے بھیجا جس وقت وہ واپس آئے رسول اللہ عصر کی نماز پڑھ چکے تھے علی بیٹھ گئے رسول اللہ نے انکی گود میں اپنا سر

کھ دیا پھر ذرا حرکت نہ کی یہاں تک آفتاب غروب ہوگیا۔ اسکے بعد آپکی آنکھ کھلی پوچھا تم نے عصر پڑھی ہے علی نے عرض کیا نہیں پھر آپ نے آفتاب کے لوٹ آنے کی دعا کی۔

اب اور سنئے! ابراہیم بن حسن نے فاطمہ سے انہوں نے اسماء بنت عمیس سے اسطرح روایت کی ہے وہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ کے عصر کی نماز پڑھ لینے کے بعد جبرئیل آپ پر نازل ہوئے آپ کا سر علی کی گود میں تھا اور آپ سو رہے تھے اور آپ نے عصر کی نماز نہیں پڑھی تھی یہاں تک کہ آفتاب غروب ہوگیا پھر آگے کا واقعہ مثل سابق روایتوں کے ہے. مگر طحاوی نے اسی سند سے یہ روایت اس طرح نقل کی ہے کہ رسول اللہ پر وحی آرہی تھی اور آپ کا سر مبارک علی کی گود میں تھا اس لیے علی نے عصر کی نماز نہیں پڑھی یہاں تک کہ آفتاب غروب ہوگیا۔ آپ ذرا اس پر توجہ فرمایئے کہ طحاوی کے الفاظ پہلی روایتوں کے بالکل متناقض ہیں ان روایتوں میں تو یہ تھا کہ رسول اللہ علی کی گود میں سر رکھے ہوئے سو رہے تھے اور اتنے سوئے کہ آفتاب بھی غروب ہوگیا. اور عصر کی نماز بھی جاتی رہی اور پھر یہ بھی لکھا ہے ۔کہ یہ قصہ غزوہ خیبر کا ہے۔ جو صہبا میں ہوا ہے۔ طحاوی کی روایت میں آپ کا جاگنا مذکور ہے اور جبرئیل کا وحی لے کے آنا یہ تناقض اس امر کی صریح دلیل ہے کہ یہ روایت محفوظ نہیں ہے کیونکہ ایک یہ کہتا ہے کہ رسول اللہ سوتے تھے اور دوسرا یہ کہتا ہے کہ آپ جاگتے تھے اور آپ کی طرف وحی کی جاتی تھی یہ دونوں قول محض بالکل غلط اور سرتاپا غلط ہیں۔ اس لئے کہ عصر کے بعد سونا مکروہ ہے اس سے حضور انور نے منع فرمایا ہے اِس کے علاوہ حضور انور کی فقط آنکھیں سویا کرتی تھیں دل نہیں سوتا تھا پھر علی سے عصر کی نماز کیونکر فوت ہوجاتی؟ اب بحث کا دوسرا پہلو لیجئے نماز فوت کرنیکی دو صورتیں ہیں یا تو یہ کہ یہ جائز ہو، یا جائز نہ ہو، پس اگر یہ جائز تھا اور علی نے آفتاب غروب ہونے کے بعد عصر کی نماز پڑھی تو اُن پر کوئی گناہ نہ رہا کیونکہ حضور انور غزوۂ خندق میں ایسا کر چکے تھے کہ آفتاب غروب ہونے کے بعد آپ نے عصر کی نماز پڑھی مگر آفتاب آپ کے لیے نہیں لوٹایا گیا اسی طرح ایک دن خود رسول اللہ، علی اور تمام صحابہ صبح کے وقت سوتے رہ گئے یہاں تک کہ آفتاب نکل آیا پھر سب نے بعد میں نماز پڑھی مگر اُن کے لیے آفتاب کو شرق کی طرف نہیں لوٹایا گیا۔ اگر نماز کا فوت کرنا حرام تھا تو عصر کا فوت کرنا کبیرہ گناہ ہوا کیونکہ حضور انور ﷺ نے فرمایا ہے جس کی عصر کی نماز فوت ہوگئی گویا اُس کا گھر بار

سب چھین لیا گیا۔ علی خوب جانتے تھے کہ عصر کی نماز صلوۃ الوسطیٰ ہے پھر وہ اُسے کیونکر فوت کر سکتے تھے۔ صحیحین میں ہے کہ جب رسول اللہ سے نماز عصر فوت ہوگئی یہاں تک کہ آفتاب غروب ہوگیا تو آپ نے اُن دشمنان دین کو جنھوں نے عصر کی نماز فوت کرادی بددعا دی تھی. یہ واقعہ غزوۂ خندق کا ہے اور غزوہ خیبر اُسکے بھی بعد ہوا ہے پس علی کی شان اس سے کہیں ارفع ہے کہ وہ ایسا کبیرہ گناہ کرتے اور جبرئیل یا رسول اللہ اُنہیں ایسا کرنے دیتے یاد رکھو جس نے ایسی بیہودگی کی تو یہ اُسکے گناہوں میں شمار ہوگی نہ کہ مناقب میں مگر ہم یہ کہتے ہیں کہ علی بیشک اُس سے مبرا تھے نماز کے فوت ہو جانے کے بعد اگر آفتاب لوٹ کے آ بھی گیا تو یہ گناہ اُسکے ذمے ساقط نہیں ہو سکتا.

اب یہ بات دیکھنے کی ہے کہ جب یہ قصہ جنگ خیبر میں سارے لشکر کے سامنے ہوا تھا اور لشکریوں کے تعداد ۱۴۰۰ سے زیادہ تھی تو ضرور ہے کہ ساری فوج اُسے دیکھا ہوگا ایسے عجوبہ حادثات کا مشاہدہ کرنا اور پھر خاموش ہو جانا یہ انسانی فطرت کے بالکل خلاف ہے وہاں تو اس سرے سے اُس سرے تک غل مچ جاتا اور ہر شخص اس واقعہ کو بیان کرتا تعجب ہے کہ نظام فلکیات میں ایسا تغیر عظیم واقع ہو اور پھر کُل کُرے اپنی اصلی حالت پر رہیں اور ہمارا یہ چھوٹا سا سیارہ یعنی زمین بالکل بے حس و حرکت رہے یہاں تک اُن ۱۴۰۰ لشکریوں کے منہ پر بھی مہر لگ جائے کہ وہ اِس حادثہ عظیمہ کی نسبت ہوں ہاں کچھ نہ کریں اور فقط ایک یا دو آدمی اُسے نقل کرنے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں حقیقت میں ایک عجائب و غرائب داستان ہے جس کو بوالعجبی لاثانی ہے. خود صحابہ اگر اس روایت کو نقل کرتے تو اُن سے اہل علم ضرور لیتے جیسا کہ اُنہوں نے ان تمام واقعات کو لیا ہے جن واقعات کو مجہول لوگوں نے نقل نہیں کیا بخلاف ان مفروضہ اوصاف کے راویوں کے جن کے نہ حافظے کا کچھ ٹھیک ہے نہ عدالت کا پتہ چلتا ہے نہ اس حدیث کی اسناد میں کوئی ایسی سند ہے جس سے اُسکے ناقلین کے عمدہ حافظے اور عادل ہونے کا یقین ہو جائے نہ اُس کی اسناد کا اتصال معلوم ہوتا ہے یہ حدیث نہ حدیث کی معتبر کتابوں میں سے کسی میں ہے نہ اسے محدثین نے نقل کیا ہے نہ اہل سنن نے نہ اہل مسانید نے بلکہ وہ سب کے سب اُسکے ترک کرنے اور اُس سے اعراض کرنے پر متفق ہیں.

حضرت علی اور مچھلیوں کا سلام: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ تمام اہل سیر نے یہ روایت کی ہے کہ کوفہ میں ایک مرتبہ اس قدر بارش ہوئی کہ لوگ غرق ہونے کے خوف سے مرے جاتے تھے۔ اخیر سب نے امیرالمومنین علی ابن ابی طالب سے فریاد کی تو آپ رسول اللہ ﷺ کے خچر پر سوار ہو کے نکلے۔ یہ کل فریادی آپ کے ساتھ ہو لیے۔ آپ نے فرات کے کنارے پر اُتر کے دعا کی اور پانی پر وہ چھڑی ماری جو آپ کے ہاتھ میں تھی اُسی وقت چڑھاؤ جاتا رہا اور پانی اُتر گیا. صاف زمین نکل آئی بہت مچھلیوں نے آپ کو سلام کیا مگر جری اور مراہی اِن دو قسم کی مچھلیوں نے سلام نہ کیا۔ یہ دیکھ کے لوگوں کو سخت تعجب ہوا سب نے امیرالمؤمنین سے دریافت کیا ان دو قسم کی مچھلیوں کا سلام نہ کرنا یعنی چہ حضرت علی نے جواب میں ارشاد کیا کہ جن مچھلیوں کو خدا نے حلال کیا ہے اُنہیں تو گویائی دے دی اور جنہیں ناپاک اور حرام کیا ہے اُنہیں نہیں دی. فقط.

جواب: یہ اور بھی سب سے زیادہ مزے دار کہانی ہے اور ایسی کہانی ہے جسکی لذت وہی جانتے ہیں جنہیں مشرقی فسانے پڑھنے کا شوق ہے اور اپنے اسی شوق میں وہ بوستان خیال دیکھ چکے ہیں. ایک چھڑی مارنے سے پانی کا اُتر جانا۔ زمین کا نقل آنا اور پھر مچھلیوں کا عربی بولنا اور حضرت علی کی زبان میں سلام کرنا یہ ساری کائنات کو درہم برہم کرنے والی کرامتیں حضرت علی کے ساتھ اُن میں دیکھتے تھے مگر پھر بھی اپنے خلیفہ یعنی علی پر اعتقاد نہیں رکھتے تھے اور اُنہیں ہر طرح ستاتے اور پریشان کرتے تھے اور علی کے شیعوں کی نظروں میں علی کی کچھ بھی وقعت نہ تھی جس کا رونا نہج البلاغت کے مصنف نے ضرورت سے زیادہ رونا رویا ہے پھر اس روایت کی اسناد دریافت کی جاتی ہیں جو اُسکے صحیح اور ثابت ہونے پر دلالت کریں ورنہ بلا اسناد محض حکایتیں بیان کر دینی کچھ مشکل نہیں ہیں یہ ہر شخص کرسکتا ہے لیکن ایسی حکایتیں حُجت نہیں ہوسکتیں دوسرے حضور انور رسول اللہ کا کوئی خچر علی کے پاس نہ تھا تیسرے اس حکایت کو اِن کتابوں کے مؤلفوں میں سے کسی نے نقل کیا جو معتمد سمجھی جاتی ہیں اگر یہ قصہ صحیح ہوتا تو اُسے ناقلین ضروری نقل کرتے خود شیعی علماء اِس حکایت کی اسناد بیان کرنے میں ساکت ہیں۔ بھلا جس حکایت کی اسناد نہ ہوں اُسے کیونکر تسلیم کیا جائے چوتھے یہ مچھلیاں سب کی سب مباح

اور حلال ہیں۔ جیسا کہ حضور انور رسول اللہ تعالیٰ سے ثابت ہے آپ نے دریا کی بابت فرمایا تھا کہ دریا کا پانی پاک ہوتا ہے اور اُس کی مچھلیاں حلال ہوتی ہیں. اسکے علاوہ وہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہے. اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ. اسکے علاوہ سب قسم کی مچھلیاں حلال ہونے پر ساری امت اور سارے ائمہ کا اتفاق ہے خود علی مع تمام صحابہ کے سب قسم کی مچھلیوں کو حلال سمجھتے تھے. پھر کیونکر ممکن ہوسکتا ہے کہ خاص خاص مچھلیوں کو اللہ تعالے نے حرام کردیا اُس سے زیادہ ظالم و جاہل کون ہوگا کہ اللہ تعالے نے جس چیز کو حلال قرار دیا ہو وہ اُسے حرام قرار دے. پانچویں مچھلی کا گویا ہونا عادتاً اُس کی قدرت سے باہر ہے ہاں یہ تسلیم کرتے ہیں. کہ اللہ تعالے اگر چاہے تو مچھلی کو گویا کرسکتا ہے پھر جو مچھلی گویا نہ ہوئی اُس بیچاری کا کیا قصور ہے کہ اِس جرم میں وہ حرام قرار دی جائے کیا یہ ایک جنون ہے کہ ایک جانور کو کوئی شخص اس لیے گنہگار ٹھہرائے کہ وہ انسان کی طرح باتیں نہیں کرتا اب ایک پہلو یہ ہے کہ اگر کوئی کہے کہ اللہ نے تو اُس مچھلی کو گویا کیا تھا مگر وہ اپنی شرارت سے بولی نہیں اس لیے اُسے حرام قرار دیا گیا تو اُسکا جواب یہ ہے کہ اللہ کا اُسے گویائی کی قدرت دے دینا اگر صحیح ہے تو یہ علی کی کرامت کی وجہ سے ہوگا مگر کرامت اُسی وقت حاصل ہوسکتی ہے جب وہ آپ کو سلام کرے نہ کہ محض اس میں گویائی کی قدرت پیدا ہونے سے اظہار کرامت ہوسکتا ہے یہ بات بھی اچھی طرح سمجھنے کی ہے کہ مچھلیوں سے سلام کرانے کی علی کو کوئی ضرورت نہ تھی وہاں کوئی ایسا سبب نہ تھا جو ایمان کی تقویت کے لیے خرقِ عادت یعنی خلاف عادت ہونے کا مقتضی ہوتا کیونکہ یہ تو کسی حجت کے قائم کرنے کے لیے ہوا کرتا ہے وہاں کسی ایسی حجت کی ضرورت نہ تھی. صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین کے رتی رتی حالات کتابوں میں موجود ہیں۔ کسی صحابہ کو کسی مچھلی نے کبھی سلام نہیں کیا ہم تو پھر بھی کہتے ہیں کہ ایسی حکایتوں کے تصنیف کرنے سے علی کی شان بہت ارفع و اعلی ہے اِن چانڈو خانوں کی گپوں سے حضرت علی کی فضیلت میں کوئی اضافہ نہیں ہوسکتا نہ انہیں ایسے اضافے کی ضرورت ہے۔

حضرت علی اور ایک سانپ: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ اہل سیر کی ایک جماعت نے روایت

کی ہے کہ حضرت امیر المومنین علی بن ابو طالب کوفے میں ممبر پر کھڑے خطبہ پڑھ رہے تھے۔ کہ ایک سانپ نکل کے ممبر پر چڑھنے لگا لوگوں نے اُسے مارنا چاہا امیر المومنین نے انہیں منع کر دیا جب آپ خطبہ ختم کر کے ممبر سے اُترے تو لوگوں نے دریافت کیا حضرت یہ کیا اسرار تھا آپ نے فرمایا کہ یہ سانپ نہیں تھا بلکہ جنوں کا بادشاہ تھا وہ ایک مقدمہ میں مجھ سے رائے لینے آیا تھا میں نے اُسے رائے دے دی جس دروازے سے یہ سانپ آیا تھا اُسے اہل کوفہ باب الثعبان کہتے ہیں بنو امیہ نے اِس فضیلت کے مٹانے کے لیے اِس دروازے کا نام بدل دیا۔

جواب: یہ بھی محض غلط اور بالکل غلط ہے کیسا سانپ اور کیسا جنوں کا بادشاہ بیوقوف کو عین اُس وقت جبکہ علی خطبہ پڑھ رہے تھے مشورہ لینے کی ضرورت ہوئی اُس میں اتنی عقل نہ تھی کہ علی خطبہ ختم کر چکیں تو میں اپنے مقدمہ میں ان سے مشورہ لوں اور جب وہ ہر قسم کی تبدیل ہیئت پر قادر تھا تو اُس بیوقوف جن کو سانپ کی صورت میں آنا نہیں چاہئے تھا بلکہ وہ آدمی کی صورت میں سائل بن کے آتا اور اپنا مطلب حاصل کر لیتا اس سے معلوم ہوا کہ وہ ایک راز رکھنا چاہتا تھا تا کہ کسی پر ظاہر ہو کہ جنوں کا بادشاہ مشورہ لینے کے لیے آیا تھا۔ مگر حضرت علی جیسے شخص کے لیے کسی طرح زیبا نہ تھا کہ یہ راز افشاں کر دیا جاتا۔ اب دوسرا پہلو اس روایت کا خیال کیجئے اگر اسے تسلیم کر لیں کہ ایسا واقعہ ہو کہ شہنشاہ جن سانپ کے برن میں آیا اور اُس نے حضرت علی سے مشورہ کیا تو اُس میں حضرت علی کی کوئی فضیلت نہیں نکلتی کیونکہ اِس قسم کی سینکڑوں حکایتیں ان لوگوں کی نسبت مشہور ہیں جو حضرت علی سے بہت ہی کم درجے تھے پھر ایسی باتوں سے اُن کی افضلیت کیونکر ثابت ہو سکتی ہے۔ ایسی باتیں خود ہمارے مقابلے میں بھی علی کی فضیلت پر حجت نہیں ہو سکتیں چہ جائیکہ ابوبکر و عمر کے مقابلے میں حُجت ہو سکیں ایسی بہت سی کتابیں مسلمانوں کی کرامتوں کے بیان میں تصنیف ہوئی ہیں۔ جن میں ایک ایک کرامت اس سے بھی کہیں زیادہ بڑھ چڑھ کے ہے مثلاً ابن ابی الدنیا کی کتاب خلال کی کتاب لالکائی وغیرہ کی کتابیں ابونعیم کا حلیہ اور صفوۃ الصفوۃ وغیرہ ایسے ہی خرق عادات سے بھری ہوئی ہیں اور وہ خرق عادات اُن لوگوں سے ظہور میں آئے ہیں جو علی سے بہت ہی کم درجے پر ہیں علاء بن حضرمی کا پانی کے اُوپر سے

چلا جانا پانی کے خشک ہو جانے سے بیشک بڑھ کے ہے اسی طرح وہ گائے جس نے قادسیہ کے واقعہ میں سعد بن ابی وقاص سے باتیں کی تھیں اسی طرح فاروق اعظم کا یا ساریۃ الجبل کی آواز دینا حالانکہ آپ اُس وقت مدینہ منورہ میں تھے اور فوج نہاوند میں تھی پھر خالد بن ولید کا زہر پی لینا اور ابو مسلم خولانی کو آگ میں ڈال دینا پھر آگ کا یک لخت بجھ جانا یہ کُل واقعات ایسے ہیں جو حضرت علی کی اُن خرقِ عادات سے بڑھ چڑھ کے ہیں مگر تو بھی یہ لوگ سوائے فاروق اعظم کے حضرت علی سے کم درجے پر ہیں۔ اِس سے ایک معمولی عقل کا شخص بھی یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ ایسی کہانیاں جو حضرت علی کی فضیلت ظاہر کرنے کے لیے تراشی گئی ہیں محض بے سود ہیں۔

حضرت علی کا جامع فضائل: شیعی علماء فرماتے ہیں فضائل تین قسم کے ہیں نفسانی، بدنی اور خارجی پہلی دو قسموں کی پھر دو قسمیں ہیں یا تو وہ اُسی کی ذات کے ساتھ متعلق ہیں یا غیر کے ساتھ مگر امیر المؤمنین علی ان سب قسموں کے جامع تھے وہ فضائل نفسانی جو آپ کی ذات سے متعلق تھے اُن سے آپ کا علم، زہد، کرم اور بردباری وغیرہ پائے جاتے تھے۔ اور وہ ایسے مشہور ہیں کہ بیان کی ضرورت نہیں اور جو غیر سے متعلق تھے وہ بھی ایسے ہی مثلاً آپ سے علم کا ظاہر ہونا اوروں کا آپ سے فیض اُٹھانا ظاہر و باہر ہے اسی طرح آپ کے فضائل بدنی ہیں مثلاً عبادت، شجاعت، سخاوت اب رہے فضائل خارجی مثلاً نسب اس میں رسول اللہ سے قرابت داری ہونے کے باعث آپ کے برابر کوئی بھی نہیں ہے آپ نے اپنی صاحبزادی فاطمہ رضی اللہ عنہم آپ کے نکاح میں دے دیں تھیں (پھر شیعی علماء فرماتے ہیں) اخطب خوارزم نے کتاب السعتہ سے سند کے ساتھ جابر سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ جب علی کا فاطمہ رضی اللہ عنہم سے نکاح ہوا تو یہ نکاح اللہ تعالے نے ساتوں آسمانوں کے اُوپر خود ہی کر دیا تھا۔ خدا قاضی بنا تھا اور براتی ستر ہزار فرشتے تھے جو جبرئیل، میکائیل اور اسرافیل کے ماتحت کام کر رہے تھے۔ ان سب کے سامنے اللہ نے نکاح پڑھایا تھا پھر اللہ نے طوبے کے درخت کی طرف وحی کی کہ تجھ میں جتنے موتی اور جواہرات ہیں سب جھاڑ دے اُس نے فوراً حکم کی تعمیل کی پھر اللہ نے حورعین کی طرف وحی کی کہ اس شادی کی خوشی میں تم موتی اور جواہرات پہن لو۔ چنانچہ وہ قیامت

تک پہنے رہیں گی اِس کے علاوہ اس بارے میں اور بھی بہت سی روایتیں ہیں (پھر شیعی علماء گوہر افشانی کرتے ہیں) کہ امیر المومنین علی کی اولاد ور سول اللہ اور آپ کے والد کے بعد سب سے زیادہ شریف ہے۔ حذیفہ یمانی سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک دن رسول اللہ کو دیکھا آپ حسین بن علی کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے اور یہ فرمارہے تھے اے لوگو یہ حسین ہے اسے اچھی طرح پہنچان لو اور اسے افضل سمجھو قسم ہے اللہ کی اسکا نانا اللہ کے نزدیک یوسف بن یعقوب کے دادا ابراہیم خلیل اللہ سے زیادہ معزز اور مکرم ہے یاد رکھو یہ حسین ہے اسکا نانا بھی جنتی ہے اس کی نانی بھی جنتی اسکی ماں بھی جنتی اسکا باپ بھی جنتی اسکا ماموں بھی جنتی اِسکی خالہ بھی جنتی اِسکا چچا بھی جنتی اسکی پھوپی بھی جنتی اور اسکا بھائی بھی جنتی اور یہ خود بھی جنتی اور اس سے محبت رکھنے والے بھی جنتی اور جن سے اِسے محبت ہو وہ بھی جنتی ہیں (پھر شیعی علماء فرماتے ہیں) حذیفہ سے دوسری روایت ہے وہ کہتے ہیں ایک رات کو میں رسول اللہ ﷺ کے ہاں سو گیا تھا وہاں ایک شخص دیکھا جسے میں پہچان نہ سکا رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے دریافت کیا تم نے اِسے دیکھا میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ دیکھا لیکن میں اِسے پہنچانتا نہیں کہ یہ کون ہے فرمایا کہ یہ فرشتہ ہے جب سے میں پیغمبر کیا گیا ہوں یہ کبھی میرے پاس نہ آیا تھا آج اللہ تعالےٰ کی طرف سے یہ مجھے خوشی سنانے آیا ہے کہ حسن اور حسین جنتی جوانوں کے سردار ہیں اُن کے علاوہ محمد بن حنیفہ بھی بڑے عالم فاضل تھے یہاں تک کہ بہت سے آدمیوں نے اُن کے امام ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔فقط۔

جواب: وہ امور جو نفسِ ایمان اور تقویٰ سے خارج ہیں اُن سے اللہ کے نزدیک کوئی فضیلت حاصل نہیں ہوسکتی ہاں اُس وقت اُن سے فضیلت حاصل ہوسکتی ہے کہ جب یہ اُس پر معین ہوں کیونکہ یہ وسائل میں داخل ہیں نہ کہ مقاصد میں جیسے مال، قوت، صحت وغیرہ یہ وسائل ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ انکے سبب سے انسان اللہ کے نزدیک افضل نہیں ہوسکتا۔ ہاں جب یہ اللہ کی اطاعت پر اُسکے مقصود کے موافق اُس کی اعانت کریں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ يَآ اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (الحجرات:۱۳) یعنی اے

لوگو! بیشک ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہاری جماعتیں اور قبیلے بنائے ہیں تا کہ تم باہم پہچان رکھو (اور نسب وغیرہ پر غرور نہ کرو) بیشک اللہ کے نزدیک تم سب میں بزرگ وہ ہے جو تم سب میں زیادہ پرہیزگار ہو۔

صحیحین میں حضور انور رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کسی نے آپ سے دریافت کیا تھا کہ سب سے زیادہ بزرگ کون ہے فرمایا جو تم میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔ عرض کیا ہم یہ آپ سے نہیں پوچھتے آپ نے فرمایا تو ایسے بزرگ یوسف ہیں کہ خود بھی نبی ہیں یعقوب نبی کے بیٹے اسحاق نبی کے پوتے ابراہیم خلیل اللہ کے پڑپوتے ہیں سائل نے عرض کیا حضور ہم سے بھی نہیں دریافت کرتے آپ نے فرمایا کیا تم عرب کے خاندانوں کی بابت پوچھتے ہو کہا ہاں فرمایا جو زمانہ جاہلیت میں بہتر اور شریف تھے وہی اسلام میں بھی بہتر اور شریف ہیں لیکن اس حالت میں کہ وہ علم دین حاصل کریں۔ یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ حضور انور ﷺ کا پہلا جواب کیا تُلا ہوا ہے کہ سب سے زیادہ پرہیزگار سب سے زیادہ بزرگ اگرچہ نہ کسی نبی کا بیٹا ہو نہ کسی نبی کا باپ ہوا ابراہیم یوسف سے زیادہ اللہ کے نزدیک بزرگ ہیں اگرچہ یوسف کا باپ نبی تھا اور ابراہیم کا باپ آزر تھا۔ اسی طرح نوح یعقوب سے زیادہ بزرگ ہیں اگرچہ یعقوب کی اولاد انبیاء اور نوح کی اولاد انبیاء کی اولاد نہیں ہوئی۔ جب سائل نے حضور انور سے یہ دریافت کیا کہ ہمارا مقصود یہ نہیں ہے بلکہ ہمیں نسبی بزرگ دریافت کرنا منظور ہے اس پر آپ نے یہ جواب دیا کہ نسب میں سب سے زیادہ وہ ہے جسکا نسب انبیاء سے ملا ہوا ہو لہٰذا تمام اولاد آدم میں یوسف سے زیادہ کوئی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ خود بھی نبی ہیں اُن کا باپ بھی نبی تھا اور اُنکا دادا بھی نبی تھا۔ پھر سائل نے عرض کیا کہ ہمارا یہ بھی مقصود نہیں ہے بلکہ ہم تو اس بزرگی کو دریافت کرتے ہیں جس کو ہم سے تعلق ہو اس پر حضور انور ﷺ نے دریافت کیا عرب کے خاندانوں کی بابت پوچھتے ہو اگر تمہارے یہی مطلب ہے تو جان لو کہ یہ لوگ مثل معدنیات کے ہیں جیسے سونے چاندی کی کانیں ہوتی ہیں جو ان میں جاہلیت کے زمانہ میں بہتر اور شریف تھے وہی اسلام میں بہتر اور شریف ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ علم دین حاصل کریں اور عقل سے کام لیں۔ یہاں حضور انور ﷺ نے یہ بیان فرما دیا کہ انساب مثل معدنیات کے ہیں کیونکہ آدمی نسب ہی سے پیدا ہوتا ہے

جیسا کہ سونا اور چاندی اپنی اپنی کانوں سے پیدا ہوتی ہیں اس میں کوئی شک نہیں جس زمین سے سونا پیدا ہوتا ہو وہ زمین اُس زمین سے افضل اور بہتر ہے جس سے چاندی پیدا ہوتی ہو مگر یہ بات بھی قدرتاً لازمی ہے کہ سونے کا کانیں ہمیشہ اچھا ہی سونا نہیں دیتیں مثلاً ایک کان میں ایک ڈلا پانچ سیر کا برآمد ہوا اُس میں سے سونا بمشکل ایک ہی ماشہ نکلا پھر دوسرا ڈلا اُسی وزن کا اور برآمد ہوا جس میں سے نہایت آسانی کے ساتھ چار پانچ تولہ سونا نکل آیا اگر بتدریج اِس کان کی حالت خراب ہوتی گئی اور ہوتے ہوتے یہاں تک نوبت پہنچی کہ سونے کا نام ونشان مٹ گیا اور اخیر اُس کان کے مالک کو وہ کان بند کر دینی پڑی اِسکے علاوہ ایک باریک بات اور بھی ہے کہ محض تعلیم سے انسان بزرگ ہوتا ہے جیسا کہ خود حضور انور ﷺ نے فرمایا ہے چاندی اور سونے کو لو اگر سونے کا کوئی زیور کسی معمولی کاریگر کا بنایا ہوا ہے تو روپے دو روپے تولہ سے زیادہ اُس کی مزدوری نہیں ہے اور چاندی کا زیور اگر اعلےٰ درجہ کے کاریگر کا بنا ہوا ہے تو اُس کی مزدوری پچاس اور ساٹھ روپے تک تولہ پہنچ جاتی ہے جو سونے کی قیمت سے بدرجہا زیادہ ہے. چاندی کو چھوڑ کے لوہے کو دیکھو جو معمولی طور پر سونے سے کچھ بھی نسبت نہیں رکھتا مگر کاریگر کے ہاتھ میں آنے سے وہ اپنے ہم وزن سونے سے سینکڑوں گنا زیادہ قیمت میں فروخت ہوتا ہے. لوہے کی تلوار پیپلا جسکا وزن شاید مشکل سے ایک پونڈ ہو دس ہزار اور بیس بیس ہزار روپے کا فروخت ہوا ہے حالانکہ ایک پونڈ سونے کی قیمت ایک ہزار روپے سے زیادہ نہیں ہوسکتی. یہ بیشک صحیح ہے کہ ایک شخص اعلی سوسائٹی میں پیدا ہوا ہو اُس سے افضل ہے. جو ادنیٰ سوسائٹی میں پیدا ہو مگر یہ فضیلت اضافی ہے اور ہنگامی اصلی فضیلت کا جوہر تو اُس وقت کھلے گا جب تعلیم اور اتقا دونوں کا وزن کیا جائے گا. اِن دونوں خاندان کے بچوں میں جس کی تعلیم اور اتقا اچھا ہو وہی افضل ہو گا سب سے بڑی بات جو اسلام کی عمارت کا بہت بڑا رکن ہے یہ ہے کہ جو شخص زیادہ پرہیزگار ہو گا وہی زیادہ بزرگ ہو گا اس میں نہ کسی حسب نسب کی قید ہے نہ نبی کے باپ ہونے نہ بیٹے ہونے کی نہ اسکے ثبوت کا دار ومدار گمان پر ہے نہ دلائل پر اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی نظر میں اگر دو آدمی پرہیزگاری میں برابر ہیں تو یقیناً وہ مرتبے میں بھی برابر ہوں گے اگر چہ ان میں سے ایک کا باپ یا بیٹا دوسرے کے باپ یا بیٹے سے افضل ہی کیوں نہ ہو یا درکھو نبی کی اولاد میں سے ہونا کچھ فضیلت نہیں ہے بلکہ نیک عمل کرنے داخل

فضیلت ہیں قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے کسی کی نسبت کی وجہ سے کہیں کسی کی تعریف نہیں کی نہ نبی اولاد ہونے پر نہ نبی کے والد ہونے پر بلکہ جہاں کہیں تعریف کی ہے وہاں اُنکے ایمان اور اعمال صالحہ پر کی ہے اور اسی سے سارا قرآن مجید بھرا پڑا ہے ابوداؤد وغیرہ کی روایت میں ہے حضور انور ﷺ نے فرمایا تھا **لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لابیض علی اسود ولا لا سود علی البیض الا بالتقوی الناس من ادم وادم من تراب** یعنی نہ عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت ہے اور نہ عجمی کو عربی پر نہ گورے کو کالے پر نہ کالے کو گورے پر ہاں پرہیزگاری کی وجہ سے (ایک کو دوسرے پر فضیلت ہے) کیونکہ سب آدمی اولاد آدم ہیں اور آدم مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔ پھر حضور انور ﷺ نے ارشاد فرماتے ہیں **ان اللّٰہ قداذھب عنکم عبیة الجاھلیة فخر ھا بالا باء الناس رجلان مومن تقی وفاجر شقی۔** یعنی اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کے اثر اور باپ داداؤں پر فخر کرنے کو بالکل مٹا دیا ہے اب آدمی دو قسم کے ہیں یا تو مومن پرہیزگار ہیں یا فاجر بدکردار ہیں۔ اگر ایک آدمی اِس حکم یا فیصلے کے بموجب عربی ہے اور دوسرا قریشی تو یہ اللہ کے نزدیک اپنے اپنے تقوے کی وجہ سے افضل وادنیٰ ہونگے اگر تقوے میں دونوں برابر ہیں تو مرتبے میں بھی اللہ کے نزدیک دونوں برابر ہونگے اور اگر تقوے میں ایک دوسرے سے افضل ہے تو وہی فضیلت مرتبے میں بھی اثر پذیر ہوگی کس کا بنی ہاشم اور کسکا بنی امیہ۔ کس کا نبی زادہ اور کیسا نبی کا داماد۔ اپنے اس رشتے سے اللہ تعالیٰ کی نظروں میں کبھی معزز و محترم نہیں ہو سکتے جب تک انکے نیک اعمال کا وزن دوسروں سے بڑھا ہوا نہ ہو۔

"بندہ عشق شدی ترک نسب کن جامی کاندرین راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست"

خدا کے نزدیک فضائل خارجیہ کا کچھ اعتبار نہیں ہے ہاں اگر یہ فضائل فضائل داخلہ میں ترقی ہونے کا سبب ہوں تو بیشک فضائل خارجہ وقعت سے دیکھے جاسکتے ہیں مگر تو بھی فضیلت کا انحصار محض فضائل داخلہ پر ہی ہوگا۔ اب فضائل بدنیہ کو لو اگر وہ فضیلت نفسانی سے صادر نہ ہوں تو اُن کا کچھ بھی اعتبار نہیں اور وہ بالکل ایک بے وقعت چیز ہیں۔ بغیر خالص نیت کے اگر کسی نے نماز پڑھی یا روضہ رکھا تو ثواب در کنار رہا ایسے شخص پر سخت عذاب ہوگا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہنسی اور ٹھٹھا کرتا ہے

مطلب یہ ہے کہ ان فضائل کا دارومدار محض قلب کی کیفیت پر ہے اور قلب کی کیفیت سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی جانتا نہیں ۔ ہزاروں آدمی نادانی سے کسی کو اولیاء اللہ کسی کو قطب کسی کو ابدال اور کسی کو معصوم قرار دیتے ہیں اور اپنی تخیل کے صدقہ میں اُسکی پرستش کرنے لگتے ہیں حالانکہ اُن کے پاس کوئی آسمانی شہادت ان پیروں کی ولایت کی نہیں آ گئی ۔ جسے چاہا جو کچھ سمجھ لیا اور جسے چاہا جو کچھ بنا دیا ۔ کسی کے بنانے اور کہنے سے کچھ نہیں ہوتا اور نفس معاملہ پر کوئی اثر نہیں پڑسکتا ۔ مثلاً ایک جماعت نے ایک یا کئی اشخاص کو معصوم قرار دے دیا حالانکہ اُس کی عصمت کا مشاہدہ اُنہوں نے کبھی اپنی آنکھ سے نہیں کیا ۔ اس کے ہم صحبتوں کے بیانات اس قدر راوپری اور لغو ہیں کہ عقل باور نہیں کرتی کہ یہ لغویات اور خرافات ایک انسان کی ذات سے کیونکر چسپاں ہوسکتی ہیں غرض معصوم کے حالات پر بالکل پردہ پڑا ہوا ہے معصوم کی نسبت کوئی ایسی عینی شہادت جس سے اُس کے باطنی حالات اور ظاہری اخلاق صاف طور پر بے شک وشبہ معلوم ہو جائیں ایک بھی نہیں ۔ غرض یہ ہے کہ ہمارے ہاتھ میں ہے جسے جو کچھ چاہے بنا دیں مگر ان لوگوں کو یہ حق نہیں ہوسکتا کہ وہ دوسروں کو بھی مجبور کریں کہ تم بھی ہمارے پیر مغاں یا معبود برحق کو ایسا ہی مانو ۔

اب رہی یہ بات کہ ایک انسان کو دوسرے انسان پر فضیلت یہ بھی ہمارا مفروضہ اور ذاتی تخیل ہے ۔ یہ تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ کس کو کس پر فضیلت ہے علماء کی ایک جماعت کا بھی یہی مذہب ہے کہ وہ ایک انسان کو دوسرے انسان پر اپنی طرف سے فضیلت نہیں دیتے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ قلوب کی کیفیت پر جب انسانی فضیلت کا مدار ہے اور اُس کیفیت کو سوائے اللہ تعالے کے کوئی جانتا نہیں پھر اُنہیں بطور خود ایک دوسرے پر فضیلت دینے کا کیا حق حاصل ہے ۔ اب رہی صدیق اکبر، فاروق اعظم اور عثمان غنی کی علی پر فضیلت یہ آسمانی تمسک سے ثابت ہو چکی ہے ۔ اسکا یہاں کچھ ذکر نہیں ۔ ہم اِس کے علاوہ اوروں کی فضیلت پر بحث کرتے ہیں ۔ جنہیں خوش اعتقادوں نے معصومیت کا تمغہ بطور خود مرحمت کر دیا ہے ۔ ہمیں ان خیالی معبودوں کی مطلق پروا نہیں ہے نہ ہماری نظروں میں اُن کی کوئی وقعت ہے ۔ کون نہیں جانتا کہ خوارج کا کیا مذہب ہے اور اُن کے آگے مسلمات کی اُن کے پاس ایسی مضبوط دلائل ہیں کہ شیعوں کی دلیلیں ان کے آگے کمزور ہی نہیں ہیں بلکہ بے حقیقت محض ہیں تمام

خوارج کا اس پر اتفاق ہے کہ عثمان اور علی مسلمان نہیں تھے وہ بڑے شد و مد سے بہ دلائل ساطعہ علیؑ کو کافر کہتے ہیں حالانکہ ہم اس میں اُن کے موید نہیں ہیں. ہمارا مطلب اس لکھنے سے یہ ہے کہ جب خلفائے راشدین کے بارے میں یہ اختلاف اور یہ کٹا چھنی ہے تو پھر دوسروں کا کیا ذکر. معصوم ہوں یا غیر معصوم، غائب ہوں یا حاضر ان ٹٹ پونجیوں کو کون پوچھتا ہے.

حضرت علی کی ذریات یا ائمہ اثنی عشر: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ ہم بارہ اماموں کی امامت کو بہت سے طریقوں سے ثابت کر سکتے ہیں منجملہ ان کے ایک طریقہ نص ہے اور اس نص کو تمام مشرقی اور مغربی شہروں کے شیعوں نے متواتر نقل کیا ہے یعنی اس طرح پر کہ خلف نے سلف سے اور سلف نے نبی ﷺ سے روایت کی ہے. آپ نے حسینؓ کی نسبت فرمایا تھا کہ یہ امام کا بیٹا امام کا بھائی اور نو اماموں کا باپ ہے. ان کا نواں امام، امام قائم ہے اُس کا نام میرے نام پر ہے اُس کی کنیت میری کنیت ہے وہ روئے زمین کو عدل و انصاف سے ایسی بھر دیگا جیسی وہ پہلے ظلم و ستم و زیادتیوں سے بھری ہوئی ہو گی.

پہلا جواب: شیعی علماء بھی جو کچھ ان کے جی میں آتا ہے اناپ شناپ لکھ مارتے ہیں اور آگے پیچھے کی مطلق خبر نہیں رکھتے. اصل یہ ہے کہ یہ شیعوں پر نرا اتہام ہے. شیعی فرقوں میں سے سوائے چند فرقوں کے کسی نے اسے نقل نہیں کیا بلکہ قریب قریب شیعوں کے کل فرقوں نے اِسکی تکذیب کی ہے. زیدیہ تو سب کے سب ہی اِسے جھوٹ کہتے ہیں علیٰ ہذا القیاس اسماعیلیہ بھی سب کے سب اِس کے غلط اور محض غلط ہونے کی شہادت دیتے ہیں. غرض اثنی عشریہ کے علاوہ سارے فرقے اسکی تکذیب کرتے ہیں. شیعوں کے کل فرقوں کی تعداد ستر کے قریب ہے. جب سب کے سب اسکی تکذیب کر رہے ہیں. پھر بھلا ایک اثنی عشریہ کی کیا سند ہے. جب یہ بات ہے تو شیعوں میں تواتر کس طرح ہو سکتا ہے.

دوسرا جواب: یہ اس نص کے بالکل معارض ہے جو اثنی عشریہ کے سوا اور شیعوں نے نقل کی ہے وہ اُن لوگوں کی امامت کے بھی قائل ہیں جنہیں اثنی عشریہ امام نہیں مانتے اور وہ ایسی روایتوں کا بھی اعتقاد رکھتے ہیں

جنہیں اثنی عشریہ نہیں مانتے مطلب یہ ہے کہ ان کی نص سے اثنی عشریہ کی نص بالکل علیحدہ ہے۔

تیسرا جواب: شیعی متقدمین علماء میں کوئی ایسا نہیں ہے جس نے اِس نص کو نقل کیا ہو اور نہ کسی نے اُسے کسی کتاب میں ذکر کیا نہ کبھی کسی مناظرہ اور مباحثہ میں اُس سے حجت کی. اس سے صاف طور پر معلوم ہوگیا کہ یہ ایجاد بندہ میں داخل ہے اور متاخرین کی مہربانی ہے کہ اُنہوں نے یہ ایجاد کر لی. یہ ایجاد غالباً اُس زمانہ کی معلوم ہوتی ہے کہ جب حسن بن علی العسکری کا انتقال ہوا ہے. کیونکہ رافضیوں کا خیال ہے کہ اس حسن کا بیٹا محمد غائب ہے اِس سے صاف طور پر معلوم ہوگیا کہ حضور انور ﷺ کے پورے دوسو پچاس برس کے بعد یہ نص گھڑی گئی اور بس۔

چوتھا جواب: یہ سب جانتے ہیں اور یہ امر مسلم ہے کہ مسلمانوں کے علماء شیعوں سے کئی گناہ زیادہ ہیں. یہ سب کے سب ایسے یقین کے ساتھ جس میں مطلق شک وشبہ کی گنجائش نہیں اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ حضور انور ﷺ پر نرا بہتان ہے. بلکہ وہ فریق مقابل سے اس پر مباہلہ کرنے کو تیا ر ہیں اگر علماء شیعہ یہ دعوے کریں کہ اِس کے تواتر کو اچھی طرح جانتے ہیں تو اُنکا یہ دعویٰ مسلمان علماء کے اِس جھوٹ ہونے کے دعوے سے ہرگز بڑھا ہوا نہ ہوگا. کیونکہ ان کے دعوے کے شاہدوں سے مسلمانوں کے دعوے کے شاہد کہیں زیادہ ہیں.

پانچواں جواب: منجملہ تواتر کی اور شرطوں کے ایک ضروری شرط یہ ہے کہ اُسے ہر زمانہ میں اس قدر آدمیوں نے نقل کیا ہو کہ اُس کے حق ہونے کا ہر زمانہ میں یقین ہوتا رہا ہو. حالانکہ حسن بن علی العسکری کے مرنے سے پہلے اس منتظر کی امامت کا کوئی قائل نہ تھا نہ حضرت علیؓ کے زمانہ میں اُسے کوئی جانتا تھا نہ بنی امیہ کی حکومت میں کوئی اُس سے یا اثنی عشریہ سے واقف تھا بلکہ وہ مدعی جنہوں نے علی پر یا اور لوگوں پر نص ہونے کا دعوی کیا وہ بھی اِس منتظر کے بعد ہوئے ہیں لیکن اثنی عشر اور اس قائم پر نص کا دعوے کرنا ایسا ہے متقدمین میں سے کوئی بھی اسکا قائل نہیں ہے چہ جائے کہ متقدمین سے اسکی نقل متواتر ہو.

چھٹا جواب: صحابہ میں کبھی کوئی رافضی نہیں ہوا اور اگر کوئی یہ دعوے کرے کہ ان میں بھی چند آدمی رافضی تھے تو یہ اُن پر یقیناً بہتان اور جھوٹ ہے اور اگر بفرض محال اُسے تسلیم بھی کرلیا جائے تو اِن سے تواتر ثابت نہیں ہوسکتا کیونکہ تھوڑے سے آدمی جو کسی مذہب پر متفق ہو جائیں تو اُن کا جھوٹ پر متفق ہوجانا ممکن ہے. اب رہے رافضی یہ تو صاف کہتے ہیں کہ جمہور صحابہ جھوٹے تھے پھر اس نقل کے ناقلین پر باوجود اُنگلیوں پر اُنکا شمار ہونے کے کیونکر اُنہیں جھوٹا نہ سمجھیں گے. یہ بھی اِس صورت میں ہے کہ کسی نے اُسے نقل کیا ہو. مگر جس صورت میں کہ صحابہ میں ایسا کوئی ہوا ہی نہیں جس سے یہ نقل متواتر ہوتو پھر اُس کا تواتر سرے ہی سے جاتا رہے گا.

ساتواں جواب: خود رافضی کہتے ہیں کہ چند آدمیوں کہ مقابلے میں ایک نص کا انکار کردینے کے باعث تمام صحابہ اسلام سے مرتد ہوگئے تھے اور وہ چند آدمی دس ہیں یا اس سے کچھ کم زیادہ یعنی عمار، سلمان، ابوذر اور مقداد وغیرہ، اچھا یہ امر بھی مسلم ہے کہ ان میں سے ایک شخص نے بھی اِسے نقل نہیں کیا اور صحابہ کے جمع غفیر بڑی بات نہیں پہنچائی جس سے لاکھوں صحابہ مرتد ہونے سے بچ جاتے. یہ ابوذر وغیرہ وہ لوگ ہیں جن کا رافضیوں کے نزدیک علی کے موالات وغیرہ پر اجماع اور اتفاق تھا اور اِس وقت اِس چھوٹی سی جماعت سے جس کا اِس کے نقل کرنے پر اتفاق ہونا ممکن ہے ہے تواتر ثابت نہیں ہوسکتا. کیونکہ یہ کچھ تعجب کی بات نہیں ہے کہ اُن کا جھوٹ پر اجماع ہوگیا ہو اور جب رافضی علانیہ یہ کہتے ہیں کہ سوائے چند کے کُل صحابہ مرتد ہوگئے تھے اور ان پر اس بات کے چھپانے کا الزام لگاتے ہیں جو عادۃً کسی طرح نہیں چھپ سکتی تو پھر اس چھوٹی سی جماعت کا جان بوجھ کر جھوٹ بولنا کیا مشکل ہے بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ یہ بدرجہ اولیٰ ممکن ہے. اسکے علاوہ جب رافضی تمام صحابہ کے جھوٹے ہونے کے تصریح کرتے ہیں. پھر باوجود اس کے کہ ان کے ناقلین بھی ٹھیک نہ ہوں گے. اِنکی تصدیق کوئی کیونکر کرسکتا ہے اور ساتھ ہی عقلاء اور علماء نقل یہ خوب جانتے ہیں کہ مسلمانوں کے فرقوں میں جان بوجھ کے جھوٹ بولنے والے اور حق کی تکذیب کرنے والے کونسا فرقہ ہے. بخلاف اور فرقوں مثلاً خوارج وغیرہ کے اگرچہ وہ اور امور میں بیشک بڑھے ہوئے ہیں. لیکن جان بوجھ کے جھوٹ نہیں بولتے

بلکہ سچ ہی کہتے ہیں اسی طرح معتزلہ بھی سچ بولنے میں برابر دیانت داری برتتے ہیں اختلاف رائے اور کسی بات کو غلط سمجھنا یا کسی غلط تاویل کی وجہ سے دھوکا کھانا یہ اور بات ہے مگر دیدہ ودانستہ یہ سمجھ کر کہ ہم اس معاملہ میں جھوٹ بول رہے ہیں مسلمانوں کا ہر فرقہ اس سے بری ہے سوائے ایک کے جھوٹ بولنے میں اپنی نظیر دنیا میں نہیں رکھتا.

آٹھواں جواب: اہل علم سب جانتے ہیں کہ ان امامیہ شیعوں کا ظہور جو اس نص کے مدعی ہیں خلفائے راشدین کے آخر زمانے میں ہوا ہے اس مذہب کا موجد عبداللہ بن سبا ہے اس زمانے سے پہلے ان لوگوں کا کہیں وجود نہ تھا تو پھر ان میں تواتر کس طرح ہوسکتا ہے.

نواں جواب: وہ حدیثیں جو ابوبکر، عمر اور عثمانؓ کے فضائل میں صحابہ نے نقل کی ہیں تواتر عام و خاص سب کے نزدیک اس نص کے نقل کرنے سے بدرجہا بڑھ کے ہیں اب اگر جمہور صحابہ کے ان فضائل کو نقل کرنے میں قدح کرنی جائز ہے تو پھر اس نص میں قدح کرنا بدرجہ اولی ہوگی اور اگر اس میں قدح کرنی مشکل سمجھی جائے تو پھر ان حدیثوں میں قدح کرنی اور بھی مشکل ہوگی جب صحابہ کے یہ فضائل جن پر نصوص کثیرہ متواتر دلالت کرتی ہیں تسلیم بھی کر لیے گئے اور ثابت بھی ہوگئے تو پھر یہ بات ماننی لازم آجائیگی کہ جب اس نص پر ان صحابہ کا اتفاق نہیں ہے تو اس نص کی وقعت چانڈو خانہ کی گپ سے زیادہ نہیں رہنے کی.

دسواں جواب: امامیہ سے اس نص کو کسی نے متصل اسناد کے ساتھ نقل نہیں کیا چہ جائیکہ نقل میں تواتر ہوتا تواتر کے الفاظ مکرر در مکرر بیان ہونے کے محتاج ہوئے ہیں کیونکہ تواتر اُسی کو کہتے ہیں جو ہر زمانے میں جماعت کثیرہ سے برابر نقل ہوتا ہوا چلا آئے اب اگر اس نص کے ناقلین نے اس کی درس وتدریس نہیں کی تو یہ اُنکو یاد کیونکر رہ سکتی ہے اسکے علاوہ وہ بہت سے راوی ایسے کونسے ہیں جنہوں نے اُسے قرآن مجید کے الفاظ کی طرح حفظ یاد کیا ہو اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ جب ہم صحابہ کے فضائل میں تواتر کا دعوی کرتے ہیں. تو یہ دعوی کبھی تو معنی کے اعتبار سے ہوتا ہے کبھی الفاظ کے

اعتبار سے جیسا خلفائے اربعہ کی خلافت کا تواتر یا حضورﷺ کا عائشہ صدیقہ سے نکاح ہونا یا فاطمہ کا علی سے نکاح ہونا وغیرہ اِس تواتر میں معین الفاظ کے نقل کرنے کی ضرورت نہیں ہوا کرتی جن میں درس تدریس کی حاجت ہو اب وہ تواتر جو الفاظ کے نقل کرنے میں ہوتا ہے اُنہیں لوگ ازبر کرتے ہیں اور ایسا ازبر کرتے ہیں کہ ہزاروں آدمیوں میں ایک چھوٹے سے معمولی الفاظ کا بھی اختلاف نہیں ہوتا پھر ان الفاظ کے حق ہونے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔

گیارھواں جواب: اہل بیت سے جو متواتر منقول ہیں وہ اِس نقل کی تکذیب کرتا ہے اہل بیت نے کبھی اِس کا دعویٰ نہیں کیا کہ یہ امام منتظر منصوص علیہ ہے بلکہ جو کوئی یہ بات کہتا تھا وہ اِسکی تکذیب کرتے تھے چہ جائیکہ وہ اثنا عشریہ نص کو ثابت کرتے۔

بارھواں جواب: اثنا عشری کے بارے میں جو کچھ رسول اللہﷺ سے ثابت ہوا ہے وہ یہ ہے جو صحیحین میں جابر بن سمرہ سے نقل ہے وہ کہتے ہیں میں اپنے والد کے ساتھ حضور انور رسول اللہﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اِس وقت آپ یہ فرما رہے تھے کہ مسلمانوں کے بارہ حاکموں کے زمانے تک اُنکا یہ کام یعنی اسلام کا دور دورہ اِس طرح رہے گا پھر آپ نے آہستہ سے فرمایا جسے میں سُن نہ سکا مگر اپنے والد سے پوچھنے کے بعد یہ معلوم ہوا کہ آپ نے یہ فرمایا تھا کہ یہ سب حاکم قریشی ہونگے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ بارہ خلفاء کے زمانے تک اسلامی سلطنت عزت کے ساتھ رہے گی۔ لہٰذا یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ اِس نص سے شیعوں کے اثنا عشری ائمہ مراد لینا ہرگز جائز نہیں ہیں اور یہ معنی اِس نص کے بن ہی نہیں سکتے کیونکہ حضور انورﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ اسلام ہمیشہ عزت کے ساتھ رہے گا۔ جس سے یہ بات نکلتی ہے کہ اسلام کا دور خوب ہوگا اور جب ان بارہ خلفاء کی حکومت جاتی رہے گی یہ دور بھی ختم ہو جائیگا مگر اثنا عشریہ کے نزدیک ان بارہ خلفاء میں سے کسی کے زمانے میں بھی امت کا دور ٹھیک نہیں رہا اِسکے مقابلہ میں ہر ایک کے زمانہ میں فتنہ وفساد برپا رہا سلطنت ظالم سرکشوں منافق اور کافروں کی رہی اور اہل حق یہودیوں سے بھی زیادہ ذلیل وخوار رہے۔ اسکے علاوہ شیعوں کے نزدیک اِس منتظر امام کی حکومت ہمیشہ تک رہے گی۔ اِس لحاظ سے ایسا کوئی زمانہ نہیں رہا جو اثنا عشریہ

ائمہ سے خالی ہو جب یہ صورت ہوئی تو پھر زمانہ کی دو قسمیں نہیں رہیں یعنی ایک قسم تو وہ جس میں امت کا دور دورہ ہو اور ایک وہ جس میں دور دورہ نہ ہو پھر حدیث کا یہ حصہ جس میں آیا ہے یہ سب قریش ہونگے اگر وہ امام علی یا آپ کی اولاد کے ساتھ مخصوص ہوتے تو اُسے معلوم کرانے کے لیے حضور انور ﷺ کچھ نہ کچھ ضرور فرماتے. حضور انور ﷺ نے یہ کبھی نہیں فرمایا کہ یہ خلفاء اولاد اسمٰعیل سے ہوں آپ کا مقصود صرف وہ خاندان بتا دینا تھا جس سے وہ ممتاز ہو جائیں اب اگر وہ بنی ہاشم یا علی کے خاندان سے ہونے میں بھی ممتاز ہوتے اور یہی اُنکی پہچان ہوتی کہ وہ اسی خاندان سے ہونگے تو حضور انور ﷺ اُسے ضرور ہی بیان فرما دیتے آپ نے صرف قریش کا لفظ فرمایا مگر یہ تخصیص نہیں کی کہ وہ علی کے خاندان سے ہوں گے یا کسی اور خاندان سے اِس سے صاف معلوم ہوگیا کہ وہ کسی خاندان کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں بلکہ یہ بات عام ہے کہ خواہ وہ بنی تیم سے ہوں یا بنی عدی سے یا بنی عبدشمس سے یا بنی ہاشم سے ہوں کیونکہ خلفاء راشدین انہیں قبیلوں اور خاندانوں سے ہوئے ہیں. اب رہی وہ حدیث جو ابن عمر سے مروی ہے کہ حضور انور ﷺ نے فرمایا ہے **یخرج فی آخر الزمان رجل من ولدی اسمه کاسمی و کنیة و کنیتی یملاء الارض عدلا کماملئت جورا وذلک هو المهدی.** یعنی آخر زمانے میں ایک ایسا آدمی پیدا ہوگا جسکا نام میرے نام پر ہوگا اور جسکی کنیت میری کنیت ہوگی وغیرہ. اسکا جواب یہ ہے کہ وہ حدیثیں جن سے مہدی کے ظاہر ہونے پر حجت لائی جاتی اور دلیل پیش کی جاتی ہے وہ سب اگرچہ صحیح ہیں مگر ان میں اسلام کے مختلف فرقوں کو سخت غلط فہمی پیدا ہوگئی ہے ایک فریق نے تو بالکل ان حدیثوں سے انکار کر دیا اور ثبوت میں یہ حدیث پیش کی ہے **لا مهدی الا عیسیٰ بن مریم** یعنی کوئی مہدی نہیں ہے مگر عیسیٰ بن مریم. جسکا مطلب یہ ہے کہ عیسے بن مریم ہی مہدی ہے. ابو محمد بن ولید بغدادی اِسے معتبر لکھتے ہیں مگر اور ائمہ حدیث اِسے ضعیف قرار دیتے ہیں ایک روایت حضرت علی سے بھی ہے آپ نے اپنے بڑے بیٹے حسن کی نسبت یہ فرمایا تھا کہ میرے یہ بیٹا سید ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اِسکا نام رکھا ہے اِسکی اولاد میں ایک ایسا شخص ہوگا جسکا نام تمہارے نبی کے نام پر ہوگا خلق میں تو آپ کے مشابہ ہوگا خلقت میں مشابہ نہ ہوگا وہ روئے زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیگا ہم بجائے خود ان حدیثوں کو جن میں مہدی کے آنے کا ذکر ہے

یقین نہیں کرتے اس لئے کہ مشاہدے کے مقابلہ میں ظن بالکل بے حقیقت چیز ہے قرآن مجید میں کہیں بھی اِس کا اشارہ نہیں ہے کہ کوئی مہدی پیدا ہوگا یا عیسے دوبارہ آئیں گے ہمارے لیے تو قرآن بس ہے یہی ہمارا بہت بڑا مہدی ہے ہمیں کسی مہدی کی ضرورت نہیں ہے نہ ہمیں کسی امام منتظر کا انتظار ہے۔ یہی ہمارا امام ہے. یہی ہمارا پیشوا ہے. یہی ہمارا ہادی ہے صرف ہماری دعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو قرآن کے سمجھنے کی فہم عطا کرے اِسی عظیم الشان کتاب نے کروڑہا بندگانِ خدا کو کلمہ توحید پر قائم کرر کھا ہے ہماری اصلی زندگی ہماری روحانی معراج ہماری ترقی ہماری عظمت صرف یہی کتاب ہے اس کتاب سے ہم زندہ ہیں اور دعا مانگتے ہیں کہ اِس کتاب پر ہمارا خاتمہ ہو. کس کا مہدی اور کیسا امام منتظر اور کس کے عیسیٰ بن مریم ہمیں اِس کتاب کے ہوتے کسی کی ضرورت نہیں خود قرآن اس بات کی شہادت دیتا ہے. کہ یہ کتاب کافی ہے اِس میں ہدایت ہے اور اسی میں زندگی ہے.

اب ہم اثنا عشریہ کے مقابلہ میں تھوڑی دیر کے لئے یہ تسلیم کر لیں کہ کوئی مہدی ہوگا تو اُنکا یہ قول کہ وہ مہدی یہیں ہے جسکے ہم مدعی ہیں محض غلط ہے کیونکہ اِنکے مہدی کا نام محمد بن حسن ہے اور روایت میں یہ ہے کہ محمد نام اور ابوالقاسم کنیت ہوگی باپ کا نام عبداللہ ہوگا تو اِس طرح سے اثنا عشریہ کا مہدی یہ مہدی کیونکر ہوسکتا ہے اِس شکل میں پیش آنے پر امامیہ کے ایک فرقے نے باپ کے لفظ کو اڑا دیا تا کہ پھر کسی قسم کا جھگڑا نہ رہے پھر امامیہ کے دوسرے فرقے نے اس میں تحریف کر دی اور یہ کہا کہ ہما رے مہدی کے دادا حسین ہیں انکی کنیت ابوعبداللہ ہے تو مہدی والی حدیث سے مراد محمد بن ابوعبداللہ ہیں اس فرقے نے کنیت کو نام بنا دیا ہے یہ تحریف ابن طلحہ کی جانب سے ہوئی ہے جو اُس نے اپنی کتا ب مسمّی ”غایۃ السول فی مناقب الرسول“ میں درج کی ہے جو شخص کچھ بھی جانتا ہے اور اُسے کچھ بھی علمی لیاقت ہے تو معلوم کرسکتا ہے کہ یہ صریح تحریف اور حضور انور رسول اللہ ﷺ پر ایک خطرناک بہتا ن ہے۔ حضور ﷺ کے صاف الفاظ یہ ہیں کہ میرے نام پر اُس کا نام ہوگا میرے باپ کے نام پر اُس کے باپ کا نام ہوگا اس کے یہ معنی ہوسکتے ہیں کہ اُس کے دادا کی کنیت ابوعبداللہ ہوگی بلکہ اِس کے یہ معنی ہیں کہ اُس کا نام محمد اور اُس کے باپ کا نام عبداللہ ہے. اِس کے علاوہ اِس سے امتیاز ہی کیا ہوسکتا ہے کیونکہ حسین کی اولاد میں تو کئی آدمیوں کا نام محمد ہے اور محمد نام کے کل آدمیوں کو یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہر

شخص اپنے دادا کے اعتبار سے محمد بن ابو عبداللہ ہے جیسا کہ ایک خاص شخص کی بابت کہا جاتا ہے پھر دوسری بات یہ ہے کہ جس مہدی کی یہ تعریف کی گئی ہے وہ حسن بن علی کی اولاد سے ہوگا نہ کہ حسین بن علی کی جیسا کہ خود حضرت علی نے فرمایا۔

امام معصوم : شیعی علماء فرماتے ہیں کہ ہر زمانے میں ایک معصوم امام ہونا ضروری ہے اور اُن کے سوا بالاجماع کوئی معصوم نہیں ہے۔

جواب: اوّل تو یہ مقدمہ غلط ہے اور اگر بفرض محال مان بھی لیا جائے کہ معصوم کا ہونا ضروری ہے تو انکا یہ کہنا کہ ان امام جی کے سوا بالاجماع کوئی معصوم نہیں بالکل غلط اور ممنوع ہے اِس قسم کے اعتقادات کچھ شیعوں ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں بلکہ بہت لوگ اپنے عابدوں اور صوفیوں اور مشائخ وغیرہ پر یہی اعتقاد رکھتے ہیں بلکہ بعض تو معصوم سے بھی زیادہ رتبہ دیتے ہیں جیسا کہ شیعوں کا ایک فرقہ اسمٰعیلیہ ہے جو اپنے اَئمہ کو معصوم مانتا ہے حالانکہ اُنکے ائمہ اثنا عشریہ سے بالکل غیر ہیں علی ہذا القیاس اکثر بنی اُمیہ کا یہ اعتقاد ہے کہ نہ ائمہ پر حساب ہے نہ عذاب ہے اور نہ اللہ تعالیٰ ایسے امر پر لوگوں سے مواخذہ کریگا جس میں انھوں نے امام کی اطاعت کی ہوگی بلکہ ہر امر میں ان پر امام ہی کی اطاعت واجب ہے اور اللہ نے ان ہی کی اطاعت کرنے کا لوگوں کو حکم دیا ہے اور یہ بات سب جانتے ہیں۔ شیعی علماء اگر یہ اعتراض کریں کہ صحابہ میں کوئی ایسا نہیں ہے جس نے ابوبکر، عمر، عثمان کے معصوم ہونے کا دعویٰ کیا ہو اِس کا جواب یہ ہے کہ اگر ان میں سے کسی نے علی کے معصوم ہونے کا بھی دعویٰ نہیں کیا تو پھر یہ اعتراض ہی غلط ہو جائے گا اور شیعی علماء کا یہ کہنا ہی بیکار جائیگا اور اگر صحابہ میں کوئی ایسا تھا جو علی کی عصمت کا دعویٰ کرتا ہو تو کیا عجب ہے کہ صحابہ میں سے کوئی خلفاء ثلاثہ کی عصمت کا مدعی ہو بلکہ اور صحابہ کی عصمت کا دعویٰ کرنا تو اولیٰ ہے کیونکہ ہم یقیناً جانتے ہیں کہ جمہور صحابہ ابوبکر و عمر کے افضل ہونے کے قائل تھے بلکہ خود علی بھی اِن دونوں کو اپنے سے افضل کہا کرتے تھے جیسا کہ اُن سے متواتر مروی ہے اس صورت میں لوگوں کا ان دونوں کی عصمت کا دعویٰ کرنا علی کی عصمت کا دعویٰ کرنے سے بدرجہا اولیٰ ہے اور اگر کوئی یہ کہے کہ کہیں اُن سے یہ منقول نہیں ہے تو اُس کا یہ جواب ہے کہ یہ بھی منقول نہیں

ہے کہ صحابہ میں سے ایک شخص بھی علی کی عصمت کا قائل تھا ہم کسی کی عصمت ثابت نہیں کرتے نہ علی کی نہ تین صحابہ کی ہاں اتنا ضرور کہتے ہیں کہ یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ کوئی شخص خلفاء ثلاثہ کی عصمت منقول ہو نے کا تو انکار کرے اور اس کا مدعی ہو کہ علی وغیرہ کے معصوم ہونے کے صحابہ قائل تھے یہ فرق ہونا ہرگز ممکن نہیں اور نہ صحابہ میں سے کسی نے یہ فرق نقل کیا اس سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوگئی کہ کسی زما نہ میں کوئی ایسا نہیں ہوا جس نے علی کی یا اثنا عشری میں سے کسی کی عصمت کا دعوئی کیا ہو لہٰذا اس سے خلفا ءِ ثلاثہ کی عصمت کا انکار کرنے کی حُجت بالکل باطل ہوگئی شیعی علماء کا وہ معصوم جس کے کسی خاص زمانہ میں ہونے کا یہ لوگ دعوئی کرتے ہیں اُن کے خیال میں یہ معصوم پیدا ہونے کے بعد ۲۶۰ ہجری میں سرداب چلا گیا اور اب تک یہ مظلوم معصوم بیچارہ وہیں موجود ہے۔ جس وقت یہ سرداب پہنچا ہے اُس کی عمر پانچ برس کی یا اس سے کچھ کم تھی اب وہ ایک ضعیف سفید ریش پلکیں اور بھویں سفید سر سفید۔ پو ست استخوان کے سوا کچھ نہیں سلیمان کی طرح جبکہ مرنے کے بعد انھیں عصا سے لگا کے کھڑا کر دیا گیا تھا کسی پہاڑ کی کھو میں بیٹھا ہوا دنیا کے اختتام کا راستہ دیکھ رہا ہے نہ وہ ہل جل سکتا ہے نہ اُس کی بصا رت باقی ہے نہ وہ بات کر سکتا ہے نہ کسی کی بات سن سکتا ہے ایک ہیولہ ہے جو محض بیکار ہے اس کی اس بے بسی کی موجودگی سے کسی کو کیا ہدایت ہوسکتی ہے۔ کئی سو برس کا آدمی بتائیے کس مد میں کھپانے کے قا بل ہے۔ جب وہ خود ایک عضو معطل سے بھی بدتر ہے تو اس پر ایمان لانے والے بھی کیا فائدہ اُٹھا سکتے ہیں اور دین و دنیا کا اُنھیں کیا لطف آ سکتا ہے ایسے معصوم کو ہمارا اسلام ہے اِس معصوم پر ایمان لانے کا دعوئی اس دعوے سے بھی زیادہ فاسد ہے جو اکثر لوگ قطب اور غوث وغیرہ ناموں کا کرتے ہیں اور اُن کے مسمّٰی کی اس قدر تعظیم کرتے ہیں کہ اُنھیں نبوت کے رتبے سے بھی زیادہ بڑھا دیتے ہیں حالانکہ ایسے کسی شخص کو معین نہیں کرتے جو ان ناموں کے مسمّٰی میں ذکر کیا جاتا ہے محض بیکار جن سے کچھ بھی نفع نہیں اُٹھایا جا سکتا ایسے ہی وہ لوگ ہیں جو حیات خضر کے مدعی ہیں خضر ایک فرضی نام اپنی طر ف سے گھڑ لیا اور خود ہی اُسے قیامت تک کی زندگی بخشدی بھلا اس دعوے سے اُنھیں کس قسم کا نفع ہو سکتا ہے؟ نہ دنیا کا نہ دین کا کیسا خضر اور کس کا خضر۔ یاروں کی مثل امام غائب کی دل لگی کی باتیں ہیں اور کچھ بھی نہیں محض لوگوں نے اپنا دعوئی منانے کے لئے یہاں تک اڑا دیا کہ فلاں آدمی کی صورت

جنگل میں مجھے ایک شخص ملا تھا دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ وہ خضر ہے محض غلط اور سرتا پا جھوٹ ہے ایسے ہی وہ لوگ ہیں جو رجال غیب کے قائل اور انکا دیکھنا بیان کرتے ہیں صرف اُن کے خیال کی قوت ان کے سامنے بعض اوقات عجیب وغریب صورتیں لا کے کھڑا کر دیتی ہے اور یہ لوگ اپنی بیوقوفی سے اُسے رجال غیب سمجھتے ہیں خیال کرنے کی بات ہے جس شخص یا جماعت نے اپنے دین کو ایسے مجہولات پر معلق کر دیا جن کے مرنے کی خبر ہے نہ جینے کی نہ اس کے بیکار رہنے کی خبر ہے نہ کام کرنے کی نہ اس کی ہدایت کی خبر ہے نہ غیر ہدایت کی تو یقیناً وہ شخص دین میں گمراہ ہے کیونکہ اُس نے جس چیز پر دین کو معلق کیا ہے تو جب یہ اُس کی صحت سے بالکل ناواقف ہوا تو پھر اس سے زیادہ جاہل اور کون ہو سکتا ہے. خضر کی حیات کا عقیدہ رکھنے والوں اور شیعوں میں بعد المشرقین ہے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ خضر زندہ ہے وہ یہ کبھی نہیں کہتے کہ خضر کی اطاعت لوگوں پر واجب ہے برخلاف شیعوں کے کہ یہ لوگ باوجود اپنے امام کی عدم موجودگی کے اُس کی اطاعت واجب کرتے ہیں **لاحول ولاقوۃ الا باللہ**

ائمہ اثنا عشریہ اور اُن کے فضائل: شیعی علماء کہتے ہیں کہ ائمہ اثنا عشریہ کے بہت سے فضائل ایسے ہیں جو اُن میں سے ہر ایک کے امام ہونے کو واجب کرتے ہیں.

پہلا جواب: اِن فضائل کی غایت ہے کہ انکار رکھنے والا امامت کے لائق اور اُس کا اہل ہوتا ہے لیکن محض اہل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ امام ہی ہو جائے جیسا کہ کوئی شخص قاضی ہونے کے لائق ہو تو محض اُسکے لائق ہونے سے وہ قاضی نہیں ہو جاتا.

دوسرا جواب: امامت کی اہلیت تو جیسی ان میں ہے ایسی ہی قریش کے بہت سے آدمیوں میں ہے اور وہ امام بننے کے لائق بھی ہیں پھر اس تخصیص کی کیا وجہ ہے کہ یہ تو امام ہو جائیں اور وہ امام نہ ہوں.

تیسرا جواب: ان میں سے بارھواں امام جمہور علماء کے نزدیک معدوم ہے لہٰذا اُسکا امام ہونا ممتنع ہے.

علیؓ سے پہلا امام: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ جسے علی سے پہلے امام کیا گیا وہ امام نہیں ہوا.

جواب : معلوم نہیں اس سے شیعوں کی کیا مراد ہے اگر یہ مراد ہے کہ علی سے پہلے اماموں نے مسلمانوں پر حکومت نہیں کی اور مسلمان اُن سے بیعت نہیں ہوئے یا انکا اس قدر رعب نہ تھا کہ وہ حدود کو قائم کرتے اور ایک سے دوسرے کے حقوق دلواتے دشمن سے جہاد کرتے جمعوں اور عیدوں وغیر کی مسلمانوں کو نمازیں پڑھاتے تو شیعی علماء کا یہ نرا بہتان ہے اور بالکل مکابرہ ہے کیونکہ یہ تواتر سے معلوم ہے اور اسے سب جانتے ہیں اگر اس سے یہ مراد ہے کہ یہ امامت کے لائق نہ تھے اور علیؓ امامت کے لائق تھے یا یہ کہ علیؓ ان سے زیادہ لائق تھے تو یہ صریح جھوٹ ہے اور یہی مورد نزاع ہے پہلے ہم عام طور پر اسکا جواب دیتے ہیں اور پھر تفصیلی جواب دینگے عام جواب یہ ہے کہ ان خلفاء ثلاثہ کے امام ہونے اور امامت کے لائق ہونے کو ہم قطعی اور یقینی طور پر جانتے ہیں اور اسلامی فرقوں میں سے سوائے رافضیوں کے اس میں کبھی دو مسلمانوں کا بھی اختلاف نہیں ہوا بلکہ جمہور امت اور ائمہ اُمت اس بات کے قائل ہیں کہ خلفاء ثلاثہ امامت کے سب سے زیادہ حقدار تھے بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ افضل الامۃ اور اسکا ہمیں ایسا قطعی یقین ہے کہ نہ اسکے معارض قطعی دلیل ہوسکتی ہے اور نہ ظنی قطعی تو اِسلئے کہ قطعیات کے موجب اور مقتضی میں تناقض نہیں ہوا کرتا اور ظنی دلیل کے نہ ہونے کی یہ وجہ ہے کہ ظنی قطعی کے معارض نہیں ہوسکتی خلاصہ کلام یہ ہے کہ معترض جو اعتراض پیش کرتا ہے وہ دو حال سے خالی نہیں ہے یا تو ایسی نقل ہوتی ہے جس کی صحت ہمیں معلوم نہیں ہوتی یا خلفاء ثلاثہ کی امامت کے بطلان کی دلیل پر ہمیں یقین نہیں ہوتا اور جب تک یہ دونوں مقدمے درست نہ ہوں ایسی چیز کا معارضہ نہیں ہوسکتا جو ہمیں قطعی طور سے معلوم ہو جب ایک قطعی اور یقینی دلیل اُن کی امامت کے ثبوت پر قائم ہوگئی تو اب ہم پر یہ واجب نہیں رہا کہ ہم اِس بیکار محض شبہ کا جواب دیں کسی بات کی قطعی طور پر معلوم ہو جانے کے بعد اگر کسی فلسفی کا شبہ اُس کے معارض ہو تو اِس شبہ کا جواب دینا ہم پر واجب نہیں ہے اور نہ کوئی وہم وگمان سے ایسی چیز کو دفع کرسکتا ہے جو یقینی طور پر معلوم ہوچکی ہوا گر اس شبہ کے غلط ہونے کی کوئی وجہ اُسے معلوم ہوگی تو اس سے علم معرفت اور حق کی تائید میں زیادہ ترقی ہوگی اور اگر ایسا نہ بھی ہوا تو شک سے یقین دفع نہیں ہوسکتا خلفاء ثلاثہ کے امامت کے حقدار ہونے کی بہت سی دلیلیں ہیں جو

انشاء اللہ عنقریب بیان ہوں گی ہم اسے ثابت کردیں گے کہ یہ امامت کے اوروں سے زیادہ حقدار ہیں.

شیعہ اور صدیق اکبر کا شیطان: شیعہ علماء فرماتے ہیں ائمہ اثنا عشریہ کے مقابلہ میں خلفاء ثلاثہ کیوں کر حقدار امامت ہو سکتے ہیں جبکہ خلیفہ اوّل ابوبکر نے صاف طور پر یہ کہا تھا کہ ایک شیطان ہے جو میرے سر رہتا ہے اگر میں راہِ راست پر رہوں تو تم میری مدد کیا کرو اگر میں کجروی کروں تو مجھے سیدھا کرو. امام کی شان رعیت کی تکمیل کرنی ہے لہٰذا وہ شخص کیونکر امام ہوسکتا ہے جو رعیت ہی سے کمال کا طالب اور اُس کا محتاج ہو.

پہلا جواب: اِس شیطان والی روایت کا جواب ہم اپنی کتاب شہادت کے ابتدائی صفحات میں دے چکے ہیں مگر یہاں ہم اس پر مزید بحث کرتے ہیں تا کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی علیٰحدہ ہو جائے اور موقع بے موقع جو شیعہ مسلمانوں کے مقابلے میں اس روایت کو پیش کر دیتے ہیں ان پر حقیقت کا انکشاف ہو جائے اور وہ سمجھ لیں کہ حق کیا ہے اور صدیق اکبر کا یہ فرمانا کیا معنی رکھتا ہے اور کس قدر صحیح ہے صدیق اکبر سے جو کچھ منقول ہے وہ یہ ہے آپ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ میرے ساتھ ایک شیطان رہتا ہے یعنی غصہ جس وقت مجھے غصہ آئے تم مجھ سے علیحدہ ہو جایا کرو. پھر فرمایا کہ تم میری اُس امر میں اطاعت کرو جس میں میں اللہ کی اطاعت کروں اور جس وقت میں اللہ کی نافرمانی کروں تم پر میری اطاعت واجب نہیں ہے

دوسرا جواب: شیطان جس کا ذکر آپ ﷺ نے اپنے قول میں کیا وہ اصل میں غصّے کا نام ہے جو ہر اولادِ آدم کو پیش آتا ہے اس وجہ سے صدیق اکبر کو اندیشہ ہوا کہ کہیں غصے کی حالت میں کسی پر مجھ سے زیادتی نہ ہو جائے اسلئے آپ نے لوگوں کو ہدایت فرمائی کہ غصے کی حالت میں مجھ سے علیحدہ رہا کرو جیسا کہ صحیح حدیث میں حضور انور ﷺ سے ثابت ہے آپ نے فرمایا. لا یقضی القاضی بین الثنین وھو غضبان. یعنی قاضی کو چاہیئے کہ غصے کی حالت میں فیصلہ نہ کرے یہی صدیق اکبر کا مقصود تھا کہ آپ غصہ کے وقت حکم لگانا نہیں چاہتے تھے آپ نے لوگوں کو بھی یہی ہدایت کردی تھی کہ ایسی حالت میں تم مجھ سے کسی حکم کے بھی خواستگار نہ ہوا کرو یہ ارادہ کرنا اللہ اور اللہ کے رسول کی

اطاعت میں داخل ہے۔

تیسرا جواب: غصہ تو اولاد آدم میں سب ہی کو آتا ہے یہاں تک کہ حضور انور ﷺ نے یہ دعا کی تھی۔ اللھم انما انا بشر اغضب کما یغضب البشر و انی اتخذت عندک عھد الن تخلفنیہ ایما مومن اذیتہ و سبّیتہ او جلدتہ فا جعلھا کہ کفارۃ وقربتہ تقرھبہ بھا الیک یوم القیامۃ. یعنی اے اللہ! میں بشر ہوں جیسے اوروں کو غصہ آتا ہے اور مجھے بھی آتا ہے اور میں تجھ سے اس بات کا عہد لیتا ہوں تو اِس کے کبھی خلاف نہ کریگا کہ جس مسلمان کو میں کو میں ستاؤں یا بُرا کہوں یا ماروں تو اُس کے حق میں اُسے کفارہ اور باعث قربت کردیجو اس کے سبب سے قیامت کے دن وہ تیرا مقرب ہو جائے۔ یہ حدیث صحیحین میں ابو ہریرہ سے نقل ہوئی ہے مسلم نے عائشہ صدیقہ سے روایت کی ہے وہ فرماتی ہیں کہ ایک دن دو آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کچھ ایسی باتیں کیں کہ آپ ﷺ کو ناراض کر دیا حضور انور ﷺ ان پر کچھ خفا ہوئے جب وہ دونوں اُٹھ کے چلے گئے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ان دونوں نے ایسی کیا خطا کی تھی کہ حضور اُن پر ناراض ہوئے حضور ﷺ نے ارشاد کیا تمھیں اس شرط کی خبر نہیں جو میں نے اپنے خالق سے کرلی ہے میں یہ دعا کر چکا ہوں: اے اللہ! میں بھی مثل اوروں کے ایک آدمی ہوں اگر کسی مسلمان پر میں ناراض ہوں یا اُسے دھتکاروں تو اُسے اسکے حق میں باعث اجر اور گناہوں کی زکوٰۃ کر دینا۔ انس کی روایت میں اسطرح ہے کہ میں نے اپنے اللہ سے ایک شرط کرلی ہے اور میں یہ کہہ چکا ہوں اے اللہ میں بھی مثل اوروں کے ایک آدمی ہوں جیسے اوروں کو خوشی ہوتی ہے مجھے بھی ہوتی ہے اور جیسے اُنھیں غصہ آتا ہے مجھے بھی آتا ہے پس اگر میں اپنی اُمت کے کسی فرد کے حق میں ایسی دُعا کروں جو اُس کے لائق نہ ہو تو اُس کے لئے باعث قربت پاکیزگی اور زکوٰۃ کر دینا۔ اب سُنئے موسیٰ کی کیفیت جنکا شمار الوالعزم پیغمبروں میں سے ہے اُن کے غصے کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے خیال کرنے کی بات ہے کہ جب ایسے اُمورِ رسالت یعنی پیغمبری میں بھی کوئی خرابی پیدا نہیں کرتے تو پھر یہ امامت میں خرابی کیونکر پیدا کر سکیں گے سب سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ کہ سچ مچ اور فی الحقیقت صدیق اکبر نہایت نرم، رقیق القلب اور بُردبار تھے خود حضور انور رسول اللہ ﷺ نے بھی کو آپ کو نرمی اور بردباری میں ابراہیم اور عیسیٰ

سے تنبیہ دی ہے اس پر بھی آپکی انتہائے منصف شعاری کو دیکھا جائے کہ آپ نے سب سے پہلے اِس انسانی فطرت یعنی غصہ کو بیان فرمادیا کہ جو کبھی فریقین میں ٹھیک فیصلہ نہیں کرنے دیتا۔

چوتھا جواب: صدیق اکبر کا اِس سے یہ مقصود تھا کہ مجھ سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے اس سے بچنے کے لئے آپ نے یہ فرمایا تھا آپ انصاف سے دیکھئے کہ صدیق کامل ہیں یا وہ جنھوں نے اپنی مخالفت کرنے والوں سے قتال کیا۔ ہزاروں مسلمانوں کے خون بہادیئے اب اگر کوئی اس کا جواب دے کہ امام کی نافرمانی کرنے اور اُسے ناراض کرنے کے باعث یہ لوگ قتال کے مستحق تھے تو اُس کے مقابلے میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جس نے ابوبکر کی حکم عدولی کی اور اُنھیں ناراض کیا وہ ان لوگوں سے بھی زیادہ اس کا حقدار تھا لیکن صدیق اکبر نے اس پر کچھ توجہ نہیں کی خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر علی کو اس کا استحقاق تھا تو ابوبکر کو بدرجہ اولیٰ استحقاق تھا ورنہ یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ جو شخص علی کے خلاف کر کے اُنھیں ناراض کر دے اُس سے تو قتال کرنا جائز ہو اور جو شخص ابوبکر کے خلاف کر کے اُنہیں ناراض کر دے تو اس سے قتال جائز نہیں؟ اس سے صاف طور پر ظاہر ہوگیا کہ جو کچھ ابوبکر نے کیا تھا وہ اُس سے بدرجہا بڑھ کے تھا جو علی نے کیا تھا۔ مسند وغیرہ میں ابو برزہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے ابوبکر کو اپنی کسی بات سے غضے کر دیا تھا میں نے اِسی غصہ میں آپ سے دریافت کیا اے رسول اللہ کے خلیفہ اگر آپ اجازت دیں تو میں اس کی گردن اُڑادوں میرے اتنا کہتے ہی آپ کا غصہ فرو ہوگیا اور پھر نہایت دھیمے لہجے میں آپ نے فرمایا کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی کو یہ جائز نہیں ہے کہ اپنے حکم کے خلاف ہونے کی وجہ سے کسی مسلمان کا خون کرنا حلال سمجھے۔ ابو برزہ کی حدیث میں علماء کے دو قول ہیں بعض اس کے یہ معنی لیتے ہیں کہ اگر کوئی کسی کو بُرا کہے یا گالیاں دے تو کسی کے لئے بھی اُسکا قتل کرنا جائز نہیں ہے بعض اِس کے یہ معنی لیتے ہیں کہ خونریزیوں کی بابت اپنے علم سے کوئی حکم لگانا سوائے رسول اللہ کے اور کسی کو جائز نہیں ہے۔ سعد بن عبادہ ایک عرصے تک ابوبکر سے بیعت نہیں ہوئے تھے لیکن ایسی حالت میں بھی صدیق اکبر نے اپنی زبان سے کوئی بات اُنھیں ایسی نہیں کہی جو ناگوار گزرتی چہ جائیکہ ان کی گردن اُڑانے کے لئے اپنا ہاتھ بڑھایا جاتا۔

بعض کا یہ قول ہے کہ علی نے ابوبکر کے ہاتھ پر چھ مہینے تک بیعت نہیں کی مگر ابوبکر نے علی کی گردن مارنی تو کیسی اُنھیں دھمکی تک بھی نہیں دی اور نہ بیعت کے لئے اُنہیں مجبور کیا یہ سب خصلتیں ابوبکر میں محض اس وجہ سے تھیں کہ آپ اُمت کی ایذا رسانی سے بہت ہی پرہیز کرتے تھے.

پانچواں جواب: صحیح میں ابن مسعود سے مروی ہے وہ حضور انور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کو خطاب کر کے فرمایا تھا کہ تم میں ہر ایک کے ساتھ ایک جن ہمزاد ہو کے رہتا ہے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کے ساتھ بھی؟ فرمایا ہاں میرے ساتھ بھی لیکن میرے ہمزاد کو اللہ تعالیٰ نے میرا معین کر دیا ہے اِس لئے اب وہ مجھ سے سوائے نیکی کے اور کچھ نہیں کراتا. عائشہ صدیقہ سے مروی ہے آپ فرماتی ہیں میں نے پوچھا تھا یا رسول اللہ کیا میرے ساتھ بھی شیطان رہتا ہے. حضور ﷺ نے جواب دیا کہ ہاں! میں نے عرض کیا ہر آدمی کے ساتھ. فرمایا ہاں پھر میں نے عرض کیا حضور آپ کے ساتھ بھی فرمایا ہاں لیکن میرے ہمزاد کو اللہ نے موافق کر دیا ہے اور وہ مسلمان ہو گیا ہے. موسیٰ کے قبطی کو مار ڈالنے کی بابت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے. هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ اِنَّهُ عَدُوٌّ مُضِلٌّ مُّبِيْنٌ اسی طرح انجیل میں صاف طور پر لکھا ہوا ہے کہ چالیس دن اور رات شیطان حضرت مسیح کو اپنے ساتھ لئے لئے پھرا اور آزماتا رہا. جب شیطان کے دخل دینے نے ان انبیاء کی نبوت میں کوئی نقص پیدا نہیں کیا تو خلفاء کی امامت میں اِس سے کیا نقص آ سکتا ہے اب اگر کوئی مدعی یہ دعویٰ کرے کہ اِن سب نصوص کی تاویل کی جاتی ہے تو اِس کا جواب یہ ہے کہ اوروں کو صدیق اکبر کے اس قول کی بھی تاویل کرنی جائز ہے کیونکہ صدیق کا ایماندار. عالم. متقی اور پرہیزگار ہونا بیشمار شہادتوں سے ثابت ہے. بس جس وقت کوئی مجمل لفظ اُس کے معارض ہو گا تو اُس کی بھی تاویل کرنی ضروری ہو گی.

پھر صدیق کا یہ فرمانا کہ اگر میں راہِ راست پر رہوں تو تم میری مدد کرو اگر میں کسی بات میں لغزش کروں تو تم مجھے ٹھیک کر دو آپ کے اعلیٰ درجے کے انصاف اور انتہائی تقویٰ کی دلیل ہے اور اس بارے میں ابوبکر کا اقتداء کرنا ہر امام پر واجب ہے اور رعیت پر بھی کہ وہ اپنے سب اماموں اور حاکموں

سے ایسا ہی معاملہ رکھے اگر امام راہ راست پر ہے تو اللہ کی اطاعت اور اُس کے حکم کے مطابق یہ اُس کی اعانت کرے اور اگر اُس سے کچھ لغزش ہوگئی ہے تو اُسے حق بات سمجھا کے اُسے آگاہ کردے اگر وہ جان کے ظلم کرنا چاہتا ہے تو حتی الامکان اُسے روکے اور جب وہ حق کے موافق ہو تو ایسے امام کا ساتھ چھوڑنے میں رعیت کا کوئی عذر نہ چلے گا. اور اگر اُس کا ظلم کسی صورت سے رفع نہیں ہوتا اور ظلم کو رفع کرنے کی حالت میں بہت بڑے فساد کا اندیشہ ہے تو ضرور ظلم کو رفع کرنا چاہیئے. اور اگر ایسی حالت میں کوئی ظلم کو رفع نہ کرے گا تو سخت گنہگار ٹھہرے گا.

پہلا جواب: ہم اِسے تسلیم نہیں کرتے کہ امام رعیت کی تکمیل کرتا ہے نہ رعیت امام کی تکمیل کر سکتی ہے بلکہ امام اور رعیت دونوں بھلائی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں اور ظلم و گنہگاری سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں جیسا کہ لشکر یا قافلے کا افسر اور نماز و حج کا امام ہوتا ہے دین کا علم تو رسول اللہ سے معلوم ہو چکا ہے اب کوئی بات ایسی نہیں رہی کہ امام ہی کو اُس کے بیان کرنے کی ضرورت ہو مگر ہاں جزئیات میں اجتہاد کرنا ضروری ہے پس اگر ان میں حق ظاہر ہو تو امام اُسکا حکم دیدے اور اگر فقط امام ہی کو ظاہر اور معلوم ہو اور رعیت کو معلوم نہ ہو تو امام رعیت کو بتادے اس صورت میں اس کی اطاعت کرنی رعیت پر واجب ہے اور اگر رعیت کو کوئی شبہ رہے تو وہ اُسمیں مشورہ کرکے اپنے شبہ کو صاف کرلے اور اگر رعیت میں کسی آدمی کو معلوم ہو جائے اور امام کو معلوم نہ ہو تو وہ امام کو بتا دے ہاں امام اور رعیت کے اختلاف کے وقت رعیت کو امام کے اجتہاد کی پیروی کرنی چاہیئے۔ کیونکہ غالب اجتہاد اسی کا ہوتا ہے، اس کا عکس کسی طرح بھی جائز نہیں ہے، یعنی امام کے اجتہاد کو چھوڑ کے رعیت کے کسی آدمی کے اجتہاد کو ترجیح دے کر اس کی پیروی کرنی ٹھیک نہیں ہے اور یہ مسئلہ بعینہ ایسا ہے جیسا معصوم کے نائبوں کی بابت امامیہ رافضیوں کا قول ہے یعنی یہ کہ اگر اُنھیں کلیات معلوم ہو جائیں تو پھر جزئیات معلوم کرنے کے لئے اجتہاد کرنا ضروری ہے اس صورت میں ہر امام اللہ کے اِس رسول کا نائب ہے جسکی عصمت میں ذرا بھی شک نہیں ہے رسول اللہ کے نائب اوروں کے نائبوں سے اتباع کرنے کے زیادہ حقدار ہیں مگر ان کے نائب ہونے سے یہ مراد ہے کہ ان پر بھی اسی کام کو انجام

دیناواجب ہے جسے حضور انورﷺ نے انجام دیا تھا نہ یہ کہ اُن کا خلیفہ ہونا مراد ہے اِس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ کی اطاعت ہر متولی پر واجب ہے خواہ رسول اللہﷺ کا متولی ہو یا کسی اور کا حضور انور کی اطاعت آپ کی وفات کے بعد بھی ایسی ہی ہے جیسے آپ کی زندگی میں تھی۔

دوسرا جواب : موسیٰ نے تین باتیں خدا کے اُس بندے سے جس کی طرف موسیٰ بھیجے گئے تھے حاصل کی تھیں حالانکہ موسیٰ اُس سے افضل تھے۔ ہدہد نے سلیمان سے کہا تھا کہ۔ اَحَطتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ۔ یعنی میں نے وہ چیز معلوم کرلی جو تمھیں معلوم نہیں ہے یہ سب جانتے ہیں کہ ہدہد کو سلیمان سے مرتبہ کی حیثیت میں کچھ بھی نسبت نہیں ہے خود ہمارے نبیﷺ اور ہزاروں سلیمانوں اور موسیٰ کے سردار محمد عربیﷺ اپنے صحابہ سے مشورہ کیا کرتے تھے اور بعض اوقات اپنی رائے چھوڑ کے اُن کی رائے اختیار کر لیتے تھے یعنی اپنی رائے پر صحابہ کی رائے کو عملی ترجیح دیتے تھے جیسا کہ جنگ خندق میں ہوا حضور انورﷺ کی یہ رائے تھی کہ مدینہ کی کھجوروں کی نصف بٹائی پر قبیلہ غطفان سے صلح کر لیجائے اور اس وقت جنگ کو ملتوی کر دیا جائے۔ جس وقت حضور کے صحابی سعید نے حضور انورﷺ کا یہ ارادہ سنا آپ فوراً حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ! اگر یہ حکم اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیا ہے تو بسر و چشم منظور ہے چون و چرا کی ضرورت نہیں اور اگر حضور نے محض ہماری مصلحت کی غرض سے خود تجویز فرمایا ہے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ حکم ہوا کہو۔ سعید نے عرض کیا جاہلیت کے زمانہ میں ہماری یہ کیفیت تھی کہ قبیلہ غطفان والے مدینہ کی کھجوریں ہم سے کبھی نہیں لے سکے سوائے اِس کے یا تو یہ ہمارے مہمان بن کے ہم سے کھجوریں لیتے تھے یا ہم سے خریدتے تھے۔ اب ہم اسلام سے معزز و محترم ہیں بھلا کیونکر ہوسکتا ہے کہ ہم اپنی کھجوریں اُنہیں یوں ہی دیدیں۔ ہم اپنا فیصلہ تلوار سے چاہتے ہیں یہ سن کے حضورﷺ نے اپنے ارادہ کو ملتوی کر دیا اور سعید کی رائے بہت خوشی سے قبول کر لی۔ اِسی طرح غزوہ تبوک میں جب حضور انورﷺ سواری کے اونٹوں کو ذبح کر کے کھا لینے کی اجازت دے دی تو عمر فاروق نے عرض کیا یارسول اللہ جس کے پاس جو کچھ زادِراہ ہے اُسے ایک جگہ جمع کر دینے کا حکم دیجئے اور پھر اس میں برکت پیدا ہونے کی اللہ سے دعا کیجئے سب سیر ہو کے کھالیں گے اور سواری کے اونٹ مفت

میں بچ رہیں گے۔ حضورﷺ نے عمر فاروق کی رائے پر بخوشی عمل کیا اور اُس میں سرتاسر کامیابی ہوئی.
یہی معاملہ ابو ہریرہ کی بابت پیش آیا کہ جب حضور انورﷺ نے اُنھیں اس بات کا اعلان کرنے کے لئے بھیجا کہ جو شخص کلمہء توحید لا الہ الا اللہ کا قائل ہوا ُسے جنتی ہونے کی خوشخبری دیدینا عمر فاروق نے حضورﷺ سے عرض کیا کہ ابو ہریرہ کو واپس بلالیا جائے محض اس ان اس اندیشہ سے کہ لوگ بس کلمہ ہی پڑھ لینے پر بھروسہ کر بیٹھیں گے یہ سُنکے حضور انورﷺ نے ابو ہریرہ کو فوراً واپس بلالیا اور عمر فاروق کی یہ رائے بدل پسند کی ابوبکرؓ کا تو عجیب طریقہ تھا آپ کامل الایمان اور فدائے اللہ اور رسول تھے آپ سے آپ کے حمید صفات میں کسی کی مجال ہے جو مقابلہ کرسکے. آپ اللہ اور رسول کے سچے عاشق تھے.
آپ کا یہ قاعدہ تھا کہ لوگوں کے اقوال کی طرف کبھی التفات نہ کرتے تھے جس میں اللہ اور اللہ کے رسول کی کوئی نص ہوتی تھی نص کے معلوم ہونے پر وہ بہت آمادگی اور دلیری سے اُس پر عمل کرتے تھے اور اس عمل کرنے سے کوئی مخالفت اور کسی قسم کی قوت اُنہیں نہیں روک سکتی تھی دیکھو بظاہر ہر بات چھوٹی معلوم ہوتی ہے لیکن اندر سے بہت ہی وزن دار ہے یعنی جب. آپ نے مرتدوں سے جنگ کرنے کا ارادہ کیا ہے تو فاروق اعظم نے مخالفت کی تھی محض اِس وجہ سے کہ سارے مسلمان خطرہ میں پڑجائیں گے. اسی طرح زکوۃ انکار کرنے والوں سے جنگ کرنے میں بھی اکثر لوگ مخالف ہوگئے تھے علیٰ ھذا القیاس اِن امور میں ابوبکر نے کسی کی رائے کو تسلیم نہیں کیا بلکہ خود جو کچھ کیا اِس کی اُن کے سامنے نص سے دلیل بیان کردی اب رہے امور جزئیہ جن کا منصوص ہونا ضروری نہیں بلکہ اُن سے مصلحت مقصود ہوتی ہے. تو ان میں ابوبکر انبیاء سے بڑھ کے نہیں ہیں کیونکہ جب ایسے امور میں انبیاء نے اپنے صحابہ سے مشورہ لیا اور اپنی رائے پر ان کی کو ترجیح دی تو اسی طرح ابوبکر نے اگر کسی امر میں اپنے کسی ہمعصر سے مشورہ لے لیا تو کیا بڑی بات ہے.

تیسرا جواب: ابوبکر کے اس جملہ نے ساری امت مرحومہ کے دلوں میں بجز ان کی تعظیم اور توقیر ہونے کے کوئی بات نہیں بڑھائی نہ اُس اُمت نے اپنے نبی کے بعد کسی کی ایسی توقیر کی جیسی صدیق کی اور جس طرح امت محمدیہ نے صدیق کی اطاعت کی حضور انورﷺ کے بعد اور کسی کی ہرگز نہیں کی نہ کسی

قسم کی قوت دکھائی گئی اور نہ لالچ دیا گیا مگر محض صدق کی وجہ سے لوگ خود بخود کھچے چلے آتے تھے جن لوگوں نے معروف درخت کے نیچے حضور انور رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت رضوان کی تھی علانیہ ابوبکر کی فضیلت اور اُنکے استحقاق کا اقرار کر کے اِن سے بیعت ہو گئے. یہ تعجب سے نظر کیا جائے گا کہ ابوبکر کے زمانہ میں کسی مذہبی مسئلہ میں کبھی اختلاف نہیں ہوا. اور اگر شاید کوئی کسی معاملہ میں کچھ شبہ کرتا تو آپ آناً فاناً میں کل اختلاف اور شبہ نص پیش کر کے اُٹھا دیتے تھے اور سب لوگ ابوبکر ہی کے قول کی طرف رجوع کر لیتے تھے اللہ تعالیٰ نے یہ وصف ابوبکر کو ایسا دیا تھا کہ اُس میں اُنکے کوئی برابر نہیں ہے ہاں اس بارے میں فاروق اعظم علی وغیرہ کی نسبت اُن سے بہت قریب قریب تھے اور عمر کے بعد عثمان کا مرتبہ ہے. اب رہے علی یہ انکے طریقہ پر نہیں رہے بلکہ اُنہوں نے بے گناہ رعیت پر حملہ کر کے لاکھوں کو اپنا مخالف بنالیا اور اخیر میں نہ وہ رعیت کو ٹھیک کر سکے اور نہ رعیت اُن کو ٹھیک کر سکی اب غور کر کے بتایئے کہ دونوں میں سے امامت کا کون زیادہ مستحق ہے اور امامت کا مقصود زیادہ کس سے حاصل ہوا اور دونوں میں سے دین کو کس نے قائم کیا. مرتدوں کو کس نے مسلمان کیا اِس کا جواب اِن واقعات کا پڑھنے والا آسانی سے دے سکتا ہے۔

ظالم اور امامت: شیعی علماء فرماتے ہیں خدا نے ارشاد کیا ہے. لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ یعنی میرا عہد ظالموں کو شامل نہیں ہوتا۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ امامت کا عہدہ ظالم کو نہیں مل سکتا پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ. پھر شیعی علماء فرماتے ہیں اِس میں کوئی شک نہیں کہ پہلے تینوں خلیفہ کافر تھے جب تک نبی ﷺ کا ظہور ہوا وہ برابر بتوں کی پرستش کرتے رہے لہٰذا وہ کسی طرح سے بھی امام نہیں بن سکتے۔

پہلا جواب: ایسا عجیب وغریب استدلال نہ آج تک کسی نے دیکھا نہ سنا نہ انشاء اللہ آئندہ کوئی سنے گا چونکہ حضور انور ﷺ کے دعویٰ نبوت سے پہلے تمام عرب تمام شام اور تمام ایران وغیرہ کافر تھا۔ لہٰذا مسلمان ہونے کے بعد بھی شیعی علماء اپنی نیک نہادی سے اُن پر کفر کا فتویٰ لگاتے ہیں اس میں حضرت علیؓ اور اُنکے باوا اِنکے دادا اور اُنکا سارا خاندان بھی آ گیا۔ سچ مچ یہ بڑے تماشے کی بات ہے

ایک بچہ بھی اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ جب ایک شخص مسلمان ہو گیا کفر کی ساری سیاہی اُسکے دل سے دھودی گئی اور وہ پاک ہو گیا پھر اُسکی نسبت یہ کہے جانا کہ وہ بتوں کو سجدہ کرتا تھا وہ کافر تھا. یہ کسی طرح بھی قرین عقل نہیں ہے ایک بچہ بھی اِسے اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ وہ کفر جسکے بعد صحیح ایمان نصیب ہو جائے پھر اُس کفر والے پر کسی طرح کی بُرائی رہ جائے ممکن نہیں اور یہ بات دین اسلام سے بدیہی طور پر ہر ایک کو معلوم اور صاف طور پر ظاہر ہے. پہلے پیغمبروں کے دین سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے۔

دوسرا جواب: یہ ضروری نہیں کہ جو شخص مسلمان کے گھر پیدا ہوا ہو وہ اِس سے افضل ہے جو خود مسلمان ہوا ہے. بلکہ صحیح صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ کل زمانوں میں سب سے بہتر زمانہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کا تھا اور اسی کو ہم خیر القرون کہتے ہیں اِس زمانے کے اکثر آدمی خود ہی مسلمان ہوئے تھے جو پہلے کافر تھے وہ اس زمانے کے لوگوں سے جو انکے بعد اِسلام پر ہوئے افضل قرار دیئے گئے ہیں۔ اور اُن کی اس افضلیت میں کسی کو کلام نہیں ہے۔ شیعی علماء کا یہ عجیب وغریب قول کتاب سنت اجماع سلف اور دلائل عقول سب سے خارج ہے۔ ابو طالب کے ایمان کا جو راگ گایا جاتا ہے وہ بھی یہاں آ کے گرد ہو جاتا ہے اور ساری باتیں فضول ٹھہرتی ہیں۔

تیسرا جواب: حضور انور ﷺ کے پیغمبر ہونے سے پہلے قریش کا کوئی فرد بشر مومن نہ تھا نہ کوئی مرد نہ عورت نہ لڑکا نہ خلفاء ثلاثہ نہ علی نہ اور کوئی جب شیعی علماء اس زمانے کے مردوں پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ وہ بتوں کی پرستش کیا کرتے تھے تو یہی اعتراض اُس زمانے کے لڑکوں پر بھی عائد ہوتا ہے۔ اور اُس میں علیؓ وغیرہ سب شامل ہیں۔ اور اگر کوئی یہ کہے کہ لڑکے کا کفر مثل بالغ کے کفر کے نہیں ہوتا تو اُس کا جواب یہ ہے کہ لڑکے کا ایمان بھی مثل بالغ کے ایمان کے نہیں ہوتا۔ لہٰذا ان لوگوں پر ایمان اور کفر کا حکم بلوغ ہی کی حالت میں ہوتا ہے۔ اور علیؓ کی نابالغیت کی حالت میں اس پر مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ جس بچے کے ماں باپ دونوں کافر ہوں اُس پر دنیا میں کفر ہی کا حکم جاری رہے گا اور اگر کوئی لڑکا بالغ ہونے سے پہلے مسلمان ہو جائے تو اُس میں علماء کے دو قول ہیں۔ بعض کہتے ہیں۔ اسکا اسلام معتبر نہیں بعض کہتے ہیں معتبر ہے۔ مگر یہ قول بالکل غلط ہے۔ نہ بالغ کا اسلام کسی حالت میں

بھی معتبر نہیں ہوسکتا۔ بخلاف بالغ کے کہ وہ اسلام لاتے ہی مسلمان ہوجاتا ہے۔ اور اس پر سب مسلمانوں کا اتفاق ہے پس خلفاء ثلاثہ کا اسلام انہیں کفر سے یقیناً نکال دینے والا ہے۔ اور اس میں کسی نے خلاف نہیں کیا اب رہا علی کا اسلام آیا وہ مسلمان ہونے کے بعد کافر رہے یا مسلمان اس میں دو قول ہیں امام شافعی کا یہ مذہب ہے کہ لڑکے کا اسلام یعنی اُسکا مسلمان ہوجانا اُسے کفر سے نہیں نکال سکتا اور یہ قول بہت ہی وزنی اور مستحکم ہے باقی ایسا کوئی لڑکا جسکی نسبت یہ دعوے کیا جائے کہ اُس نے زمانہ نبوت سے پہلے کبھی بتوں کو سجدہ نہیں کیا محض لغو اور بیہودہ ہے اسکا ثبوت کسی طرح سے بھی ممکن نہیں لہٰذا یہ یقین کرلینا کہ علی یا زبیر یا اُن کے کسی ہم عمر لڑکے نے حالت کفر میں بت کو سجدہ نہیں کیا ایک دل خوش کن خیال ہے جس کا ثبوت کوئی بھی نہیں دے سکتا۔ اسی طرح کوئی شخص بھی اسے ثابت نہیں کر سکتا۔ کہ خلفائے ثلاثہ نے کبھی کسی بت کو سجدہ کیا ہو۔ ان لوگوں کو بُت پرست یا مشرک صرف اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اسلام لانے سے پہلے اکثر قریش بتوں کو سجدہ کیا کرتے تھے اور بچوں کا چونکہ قاعدہ ہوتا ہے کہ جو کچھ اپنے بزرگوں کو کرتا ہوا دیکھتے ہیں ویسا ہی کرنے لگتے ہیں لہٰذا علیؑ کا بتوں کو سجدہ کرنا بالکل ممکن اور قرین قیاس ہے۔

چوتھا جواب: اسماء ذم یعنی بُرائیوں کے نام مثلاً کفر ظلم فسق جو قرآن مجید میں آئے ہیں۔ اُنکا اطلاق اُن ہی لوگوں پر ہوا ہے جو اب تک اُن برائیوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اور جب کوئی شخص کفر کے بعد مسلمان ظلم کے بعد عادل اور فسق و فجور کے بعد نیک ہوگیا ہو تو اُس پر ان الفاظ کا کسی صورت سے بھی اطلاق نہیں ہوسکتا۔ ہمیشہ اُنکے لیے اچھے ہی لفظ بولے جائیں گے پس اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ۔ سے یہ مراد ہے کہ میرے اس عہد کا عادل مستحق ہے ظالم نہیں ہے بیشک جو لوگ ظالم تھے وہ اللہ تعالیٰ کے عہد کے مستحق نہیں ہوئے وہ قبل از وقت کاٹ ڈالے گئے برباد کردیئے گئے اور ہمیشہ ذلیل و خوار رہے۔ خود شیعی علماء اگر غور فرمائیں گے تو اُنہیں معلوم ہوگا کہ اُنکے اس طعن و تشنیع کا اثر کس پر پڑ رہا ہے کس شخص یا اُسکی اولاد کو اللہ تعالیٰ کا عہد نہیں دیا گیا اور کس شخص کی اولاد در اولاد نہایت بے عزتی سے برباد کردی گئی۔

پانچواں جواب: جو شخص یہ کہے کہ مسلمان ایمان لانے کے بعد بھی کافر ہے تو یہ کہنے والا باجماع تمام مسلمانوں کے کافر ہے پس ایسا کلمہ کوئی ایسے شخص کی نسبت کیونکر کہہ سکتا ہے جو ایمان میں ساری مخلوق سے افضل ہو۔

چھٹا جواب: اللہ تعالے نے موسی سے کہا تھا پیغمبروں کو مجھ سے کوئی خوف نہ کرنا چاہیے ان میں سے جو شخص گناہ کرتا ہے اور گناہ کے بعد بدلے میں نیکی کرتا ہے تو بیشک میں بخشنے والا مہربان ہوں اِس بارے میں صریح نص ہے کہ جو ظالم ظلم کرنے کے بعد نیکی کرے یعنی اُس ظلم سے توبہ کرے تو اُسکے لیے اللہ کی طرف سے بخشش کا وعدہ ہے۔

صدیق اکبر اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر کی بربادی: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ ابوبکر نے مرض موت میں کہا کاش میں فاطمہؓ کے گھر کو ویسا ہی چھوڑ دیتا اور اس پر حملہ نہ کرتا اور کاش میں بنی ساعدہ کے خیمے میں ان دو آدمیوں میں سے کسی کے ہاتھ پر بیعت ہو جاتا اور وہ امام ہوتا اور میں وزیر ہوتا بھلا ایسا شخص کیونکر امام بن سکتا ہے۔ ابوبکر کی چڑھائی فاطمہؓ کے گھر پر اُس وقت ہوئی تھی کہ جب علیؓ اور زبیر فاطمہ کے گھر میں موجود تھے۔

جواب: قدح اسی وقت تسلیم کی جاتی ہے جب الفاظ صحیح اسناد سے ثابت ہوں اور وہ کھلم کھلا اِس قدح پر دلالت کرتے ہوں جس وقت اِن دونوں مقدموں میں سے ایک منتفی ہے تو وہ قدح بھی منتفی ہو جائے گی۔ اور اس صورت میں یہ قدح کیسے نہ منتفی ہو گی جب یہ دونوں ہی مقدمے منتفی ہوں ہم یقیناً جانتے ہیں اور اس پر تمام علماء اسلام کا اتفاق ہے کہ ابوبکر نے علی اور زبیر کے مکان پر کبھی چڑھائی نہیں کی اور نہ کبھی اُنکی ایذا رسانی کا خیال کیا بلکہ سعد بن عبادہ جو آپکا مدِ مقابل بن کے کھڑا ہوا تھا۔ اور آپ سے بیعت نہ کی تھی اس پر بھی آپ برابر مہربانی کرتے رہے۔ یہ باتیں جہاں کذاب نے نقل کیں ہیں اور جن ناخدا ترس بے حمیت اور دشمن اہل بیت لوگوں نے یہ اُڑا رکھا ہے کہ فاطمہ کا گھر ڈھایا گیا اور حمل کی حالت میں اُنکے پیٹ پر لات ماری گئی اور اُنکا حمل ساقط ہو گیا۔ یہ ساری باتیں محض شریر

النفس لوگوں کی گھڑت ہے اور کل اہل اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ کہانیاں بالکل غلط اور سرتا پا غلط ہیں۔ باقی صدیق اکبر کی طرف سے یہ نقل کرنا کاش میں اِن دو آدمیوں میں سے ایک کے ہاتھ پر بیعت ہو جاتا شیعی علماء نے اِس قول کی اسناد نقل نہیں کی۔ نہ اسکی صحت کی کوئی دلیل بیان کی اگر مان بھی لیں کہ صدیق نے ایسا کہا تھا تو یہ اُن کے زہد و تقویٰ کی اعلیٰ درجہ کی دلیل ہے اور اُن کی ذات وصفات میں اِس سے کسی قسم کا نقص پیدا نہیں ہوسکتا۔

لشکر اُسامہ اور صدیق اکبر وغیرہ: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کئی مرتبہ حکم دیا کہ اُسامہ کے لشکر کو تیار کر کے روانہ کردو اسی لشکر میں ابوبکر، عمرؓ اور عثمان بھی تھے۔ امیر المومنین علیؓ کو اس میں جانے کا حکم نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ رسول اللہ کا مقصد یہ تھا کہ میرے بعد کہیں خلافت پر یہ تینوں نہ کود پڑیں لیکن ابوبکر وغیرہ نے اس ارشاد کو قبول نہیں کیا۔

پہلا جواب: سب سے پہلے اِس نقل کی صحت بیان کرنی چاہیے کیونکہ یہ معروف سند سے کہیں مروی نہیں ہے اور علماء نقل میں سے نہ کسی نے اُسے صحیح کہا یہ ہم بار ہا کہہ چکے ہیں کہ منقولات سے دلیل بیان کرنی اُسی وقت حجت ہوسکتی ہے کہ جب منقولات ثابت ہو جائیں۔

دوسرا جواب: اِس کے جھوٹ ہونے پر تمام علمائے نقل کا اتفاق ہے اِس لیے کہ اُسامہ کے لشکر میں نہ ابوبکرؓ تھے نہ عمر نہ عثمان صرف بعض علماء نے فاروق اعظم کا ذکر کیا ہے مگر کثرت رائے اس طرف ہے کہ مثل ابوبکر وعثمان کے فاروق بھی نہ تھے۔

تیسرا جواب: حضور انور رسول اللہ ﷺ سے بتواتر ثابت ہے کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھانے پر ابوبکر کو خلیفہ کر دیا تھا. چنانچہ حضور ﷺ کی وفات تک وہی نماز پڑھاتے رہے۔ جس روز آپ کی وفات ہوئی اُس کی صبح کو ابوبکر ہی نے نماز پڑھائی تھی. ان ہی ایام میں ایک دن حضور انور ﷺ نے حجرہ کا دروازہ کھولا اور ابوبکر کے پیچھے نمازیوں کی صفیں دیکھ کے آپ بہت خوش ہوئے۔ پھر باوجود ان امور کے یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ اُنہیں اُسامہ کے لشکر میں جانے کا حکم دیا جاتا۔

چوتھا جواب: اگر حضور انور فی الواقع علی کو خلیفہ بنانا چاہتے تو ابوبکر و عمرؓ کی کیا مجال تھی جو حضور انورﷺ کا حکم نہ مانتے اور اگر فرض کریں کہ وہ ایسا کرتے بھی تو ہزار ہا مسلمان کیونکر ان کا ساتھ دے سکتے تھے۔ وہ یقیناً ابوبکر کو چھوڑ دیتے اور اُن سے کچھ تعلق نہ رکھتے۔ اب خیال کیجئے جس وقت علی نے معاویہ پر چڑھائی کی ہے تو ایک تہائی یا اِس سے زیادہ مسلمانوں نے علیؓ کا ساتھ دیا اُس حالت میں کہ علی کے خلیفہ ہونے کی اُن کے پاس کوئی نص نہ تھی اب اگر ان کے پاس واقعی کوئی نص ہوتی تو پھر سب کے سب مسلمان علی کے گرد ضرور جمع ہو جاتے اور یقیناً ان کا ساتھ دیتے۔ اِن کا ساتھ دینے کو کوئی قوت نہیں روک سکتی تھی۔

پانچواں جواب: اگر حضور انورﷺ کو خلیفہ بنانے کا ارادہ کرتے تو نماز بھی اُن ہی سے پڑھواتے حالانکہ آپ نے علی کو نماز پڑھانے کا کبھی حکم نہیں دیا۔ دیکھو جب حضور انورﷺ بنی عمرو بن عوف میں صلح کرانے تشریف لے گئے تو بلال کو یہ حکم دیا کہ جب نماز کا وقت آ جائے تو ابوبکر سے نماز پڑھوالینا چنانچہ ایسا ہی ہوا ابوبکر ہمیشہ امام بنے اور علیﷺ مقتدی اور اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

حاکم ومحکوم کی بحث: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے ابوبکر کو کسی کام پر حاکم مقرر نہیں کیا گیا۔ مگر ہاں علی بن ابی طالب برابر حاکم مقرر ہوتے رہے۔ لہٰذا ابوبکر امام کیونکر بن سکتے ہیں۔

پہلا جواب: یہ قول بالکل باطل اور محض جھوٹ ہے ابوبکرؓ کو تو حضور انورﷺ نے ایسی حکومت دی تھی کہ اُس میں کوئی شخص ابوبکر کے برابر نہیں ہو سکتا اور وہ حج کی حکومت ہے اس کے سوا اور کاموں پر بھی ابوبکرؓ کو آپ نے حاکم بنایا ہے۔

دوسرا جواب: ابوبکرؓ تو در کنار رہے حضور انورﷺ نے تو ایسے لوگوں کو بھی حاکم کیا ہے جو باجماع مسلمانوں اور شیعوں کے صدیق سے کم درجہ کے ہیں مثلاً عمرو بن العاص، ولید بن عقبہ اور خالد بن ولید، پھر ان کے مقابلہ میں ابوبکر کا نہ حاکم ہونا کس طرح قرین عقل ہو سکتا ہے۔

تیسرا جواب: کسی کو حکومت نہ دینا اس کے کم مرتبہ یا ادنیٰ ہونے کی دلیل نہیں ہوسکتا شاہ یا حکمران اپنے پاس اُن لوگوں کو رکھ لیتا ہے جن سے اُسے دم بھر مفر نہیں وہ شاہ کے قوتِ باز و اور مشیر ہوتے ہیں شاہ انہیں اپنے پاس سے علیحدہ کر کے کسی حکومت پر بھیجنا کبھی گوارا نہیں کرتا. ابوبکر میں یہ وجہ صاف ظاہر ہے کیونکہ یہ اور عمر حضور انور ﷺ کے بمنزلہ دو وزیروں کے تھے یہ پہلے لکھا جا چکا ہے۔ آپ اکثر یہ فرمایا کرتے تھے میں اور ابوبکر وعمر باہر گئے میں نے اور ابوبکر وعمر نے یہ کام کیا ہم تینوں نے یہ کیا وغیرہ وغیرہ۔ فاروق اعظم نے اپنے خاص مشیروں عثمان، طلحہ اور زبیر وغیرہ کو کہیں کا حاکم نہیں بنایا حالانکہ جنہیں آپ نے حاکم بنایا تھا مثلاً عمر بن العاص اور معاویہ وغیرہ وہ ان سے بہت کم درجہ کے تھے۔ اِسکی یہ وجہ تھی کہ فاروق اعظم کو ان صحابہ کی موجودگی کی اشد ضرورت تھی اور وہ دم بھر علیحدہ کرنا نہیں چاہتے تھے۔ کیونکہ اُنہیں حکومت دینے کے مقابلہ میں اپنے پاس رکھنے میں خلافت عظمیٰ کا بہت بڑا فائدہ تھا اور جب حکومت کا کام اُن سے کم درجہ کا آدمی کر سکتا ہو تو عقل شہادت نہیں دیتی کہ ان سے وہ کام لیا جاتا. جو شخص احادیث صحیحہ میں تدبر اور تامل کرے اُسے یہ حالات اچھی طرح منکشف ہوسکتے ہیں۔

صدیق اکبر اور سورۂ براۃ کا قصہ: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے سورۂ براۃ کا اعلان کرنے کے لیے ابوبکر کو بھیجا تھا. پھر اُن کے بعد علی کو بھیجا اور یہ حکم دیا کہ ابوبکر کو واپس لوٹا دو۔ بھلا جو شخص پوری سورت یا اُس کے ایک حصہ کا بھی اعلان کر دینے کے لائق نہ ہو وہ ایسی امامت عامہ کے قابل کیونکر ہوسکتا ہے جو تمام احکامِ دینی ساری امت میں پہنچا دینے کی متضمن ہو۔

پہلا جواب: ہم پہلے مقدمہ میں سورۂ براۃ کا تذکرہ کر چکے ہیں۔ مگر وہاں ہم نے صرف شاہ عبدالعزیز کا جواب نقل کر دیا تھا اور خود اُس پر کچھ بحث نہ کی تھی۔ لہٰذا اس جگہ ہم اس مسئلہ پر مزید روشنی ڈالتے ہیں سنئے اور خوب غور سے ملاحظہ فرمایئے۔ تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ صریح جھوٹ ہے اور اس کا جھوٹ ہونا تواتر سے ثابت ہے۔ وجہ یہ ہے کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ نے ۹ ہجری میں صدیق اکبر کو حج کا حاکم مقرر کر دیا تھا۔ اس کے بعد نہ انہیں معطل کیا نہ واپس بلایا۔ بلکہ سابق الذکر سال ابوبکر ہی نے لوگوں کو حج کرایا۔ علی ان کی رعایا کے ایک فرد تھے۔ ان کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔

اور صدیق اکبر کے حضور سے جو حکم ملتا تھا شل اور مسلمانوں کے یہ بھی اُس حکم کی بجا آوری کرتے تھے اہل علم اِسے یقینی طور پر جانتے ہیں اور اُن کے نزدیک یہ بات متواتر بھی ہے اس میں دو آدمیوں کا بھی کبھی اختلاف نہیں ہوا کہ اس سال ابوبکر نے حضور انور ﷺ کے حکم سے حج کرایا تھا پھر یہ بات کیونکر ممکن ہوسکتی ہے کہ حضور انور ﷺ نے ابوبکر کی واپسی کا حکم دے دیا تھا۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ ابوبکر کے بعد ہی علی کو بھی اس سمت روانہ کردیا تھا کہ مشرکین کے عہد نامہ سے اپنی براۃ کا اعلان کرادیں کہ ہم میں اور تم میں کوئی عہد نہیں ہے. اُس زمانہ میں یہ دستور تھا کہ عہد کا تصفیہ خود حکمران یا اُس کے گھر کا کوئی آدمی کرتا تھا۔ اِسی لیے علی کو یہ تکلیف دی گئی تھی۔ صحیحین میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ حجۃ الوداع سے پہلے اِس حج میں جس میں حضور انور ﷺ نے ابوبکر کو افسر کیا اُنہوں نے مجھے چند آمیوں کے ساتھ بھیجا۔ تا کہ ہم یہ منادی کرتے پھریں کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرنے پائے گا۔ اور نہ کوئی برہنہ طواف کرنے پائے گا۔ دوسری روایت میں یہ ہے کہ ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے علی کو بھی بھیج دیا اور اُنہیں یہ حکم دے دیا کہ سورہ براءۃ کی منادی قرار دینا۔ چنانچہ قربانی کے دن اہل منیٰ میں اُنہوں نے بھی ہمارے ساتھ برائۃ کی منادی کرائی۔ چنانچہ پھر حجۃ الوادع میں کسی مشرک نے حج نہیں کیا۔ ابو محمد بن حزم کہتے ہیں کہ صدیق اکبر کے حج میں جو اُنہیں فضیلت حاصل ہوئی ہے وہ اُن کے سب فضائل سے بڑھ کے ہے۔ کیونکہ اُس سال اتنے بڑے مجمع میں انہوں نے ہی خطبہ پڑھا تھا اور سب لوگ خاموشی سے بیٹھے سن رہے تھے. سب آپ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے اور اُن ہی میں علی بھی تھے۔ اس سورۂ برات میں صدیق اکبر کی فضیلت اور نماز کا ذکر ہے. اس موقع پر ابوبکر کو علی کا افسر بنانا حضور انور کے اِس ارشاد کے بعد ہوا ہے جو آپ نے علی کی نسبت فرمایا تھا. انت منی بمنزلہ هارون وموسی. اس میں شک نہیں کہ حضور انور ﷺ کے احوال، وقائع اور سیرت سے ہمارے دوست بالکل ناواقف ہیں اور انصاف یہ ہے کہ تعصب اُنہیں واقفیت بھی پیدا نہیں کرنے دیتا اس کے علاوہ اپنے مطلب کے لیے جب ہمارے دوست کانٹ چھانٹ کرتے ہیں تو صحیح واقعات پر اس سے اور پردہ پڑ جاتا ہے اور پھر اس تراش خراش پر نئی نئی کہانیاں بن جاتی ہیں اور ہمارے دوستوں کے مقتدی بچارے اس جہل مرکب میں ٹپے ٹوئیاں مارتے رہ جاتے ہیں ان کی دنیا بھی خراب اور دین بھی.

دوسرا جواب: یہ کہنا کہ امامت عامہ سارے احکامات کل امت کی طرف پہنچا دینے کو متضمن ہے محض غلط بالکل جھوٹ اور سرتاپا لغو ہے۔ کیونکہ یہ امت کل احکام اپنے نبی سے حاصل کر چکی ہے اب اس امام کی ضرورت نہیں ہے اور اگر ہے تو اتنی ہے جتنی امام کے نظائر یعنی علماء کی ہے۔ وہ عام شریعت جس کی لوگوں کو ضرورت ہے سب صحابہ کو معلوم تھی۔ صدیق اکبر کے زمانہ میں جس مسئلہ میں اختلاف ہوتا تھا۔ اختلاف کے بعد وہ فوراً ہی اُس مسئلہ پر متفق ہو جاتے جو ایک سے دوسرا بیان کرتا تھا۔ ابوبکر کا کوئی فتویٰ یا کوئی حکم ایسا معروف و مشہور نہیں ہوا جو نص کے خلاف ہو۔ ہاں عمر، عثمان اور علی سے بعض موقعوں پر ایسے امور صادر ہوئے ہیں جو نص کے خلاف ہیں لیکن عمر اور عثمان کے ایسے امور کو جمع کیا جائے تو علی کے ایسے امور کا وزن جو خلاف نص ثابت ہوئے ہیں بڑھ جائے گا۔

تیسرا جواب: حضور انور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے قرآن کی تبلیغ ہر مسلمان نے کی ہے۔ پھر یہ کہنا کیونکر جائز ہے کہ ابوبکر اس کی تبلیغ کے قابل نہ تھے۔

چوتھا جواب: یہ خیال کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں ہے کہ قرآن کی تبلیغ علیؓ ہی کے ساتھ مخصوص تھی کیونکہ قرآن خبر احاد سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس کا تواتر کے ساتھ منقول ہونا ضروری ہے۔

پانچواں جواب: اس سال حج کے دنوں میں مسلمان بھی حج کرتے تھے اور مشرک بھی۔ حضور انور ﷺ نے ابوبکر ہی کو یہ حکم دیا تھا کہ موسم حج میں یہ منادی کرا دینا کہ اس سال کے بعد نہ کوئی مشرک حج کرنے پائیگا نہ کوئی برہنہ کعبہ کا طواف کر سکے گا جیسا کہ صحیحین میں ثابت ہے پس اس صورت میں مشرکین کو قرآن کی تبلیغ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

فاروق اعظم اور امامت کا استحقاق: شیعی علماء فرماتے ہیں عمر نے کہا تھا محمد فوت نہیں ہوئے یہ عمر کی کم علمی کی صریح دلیل ہے اس کے علاوہ ایک حاملہ عورت کو سنگسار کیے جانے کا حکم دے دیا تھا پھر علیؓ نے اُنہیں منع کیا تو خود ہی بول اُٹھے کہ اگر آج علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا اس کے

علاوہ بہت سے احکام ہیں جن میں عمر نے غلطی کی اور تلون مزاجی برتی۔

پہلا جواب: علم میں ابوبکر کے بعد عمر سب سے زیادہ عالم تھے۔ باقی از یاد رنج میں بے خود ہوجانا اور آپ کا یہ تصور بندھ جانا کہ رسول اللہ فوت نہیں ہوئے تھوڑی سی دیر کے لیے تھا مگر بہت جلد آپ کو حضور انور ﷺ کی وفات کا پورا یقین ہوگیا۔ ایسی باتیں اکثر وقوع میں آتی رہتی ہیں کہ آدمی کو کسی کے مرنے میں تھوڑی دیر کے لیے شک ہوجایا کرتا ہے اور بعد میں یہ شک علم و یقین سے بدل جاتا ہے علی کے عقیدہ کے خلاف تو اس سے بدرجہا زیادہ امور ہمیں معلوم ہوئے ہیں بلکہ اکثر احکام تو وہ سمجھے ہی نہیں اور اُن کی فہم میں اُلٹے ہی آتے رہے اور اسی حالت میں انکا خاتمہ ہوگیا۔ غضب خدا کا ان کمزوریوں سے ان کی امامت میں تو کوئی نقص نہ پیدا ہو، اور عمر کا امامت میں صرف اتنی سی بات کہنے سے نقص پیدا ہوجائے۔ علی کا فتوٰی اس مفوضہ کی بابت موجود ہے کہ جو مرگئی ہو اور اُسکا مہر مقرر نہ ہوا ہو علماء نے علی کے ایسے ہی اور بہت سے احکام بیان کیے ہیں۔ اب رہا حاملہ کا قصہ یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ عمر نے حاملہ سمجھ کے اُس عورت کو سنگسار کرنے کا حکم دیا تھا۔ اُسکے حمل کا علم علی کو کسی صورت سے ہوگیا اُنہوں نے فاروق اعظم کے حضور عرض کر دیا۔ آپ نے فوراً اپنا حکم منسوخ کر دیا۔ اس ذراسی بات پر وہ غلغلہ مچا ہوا ہے کہ الٰہی توبہ۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ اب شیعی علماء کی یہ بات رہی کہ عمر حاملہ عورت کو سنگسار کرنا جائز سمجھتے تھے یہ کہیں سے بھی ثابت نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ یہ بات دیکھنے کی ہے کہ اگر عمر حاملہ کا سنگسار کرنا جائز جانتے تو علیؓ کے منع کرنے پر کبھی نہیں رُک سکتے تھے۔ پھر علی کی کیا مجال تھی کہ فاروق اعظم کے سامنے اپنی کسی بات پر اصرار کرنا تو کجا، ہوں بھی کر سکتے ظاہر ہے کہ عمر نے ناجائز سمجھا تھا کہ علی کے اس ذرا جتانے سے کہ یہ حاملہ ہے، رُک گئے اور بقول شیعی علماء یہ کہہ دیا کہ اگر علی نہ ہوتا تو عمر ہلاک ہوجاتا۔

فاروق اعظم اور تراویح: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ تراویح کی بدعت عمر ہی نے جاری کی ہے۔ باوجودیکہ نبی نے یہ فرمایا تھا۔ ایھا الناس ان الصلوٰۃ باللیل فی شھر رمضان من النافلۃ جماعۃ بدعۃ وصلوۃ الضحیٰ بدعۃ فان قلیلا فی سنۃ خیر من کثیر فی

بدعة الاوان کل بدعة ضلالة و کل ضلالة سبیلها الی النار . یعنی اے لوگو! رمضان میں رات کو نفل پڑھنے بدعت ہیں اور چاشت کی نماز بھی بدعت ہے کیونکہ تھوڑی سی سنت بہت سی بدعت سے بدر جہا بہتر ہے. دیکھو اور خیال رکھو کہ ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی دوزخ میں لے جانے والی ہے. پھر شیعی علماء فرماتے ہیں کہ ایک دن رمضان میں شب کو عمر باہر نکلے تو مسجدوں میں بکثرت روشنیاں دیکھیں کہا یہ کیا ہو رہا ہے. کسی نے جواب دیا کہ نفلی نماز یعنی تراویح کے لیے لوگ جمع ہو رہے ہیں آپ نے اس پر یہ کہا کہ یہ بدعت ہے اور اچھی بدعت ہے غرضکہ اِس کے بدعت ہونے کا خود بھی اقرار کرلیا۔

پہلا جواب: جھوٹوں پر خدا کی لعنت ہو. اگر شیعی علماء کی خدمت میں یہ عرض کیا جائے کہ اے حضرات ''والاتبار'' اس حدیث کی سند آپ لوگ بیان فرمائیں تو یقیناً بغلیں جھانکنے لگیں گے کہ یہ کس مصیبت کا سامنا ہو گیا. ہم دریافت کرتے ہیں کہ اس حدیث کے صحیح ہونے کی کیا دلیل ہے اور اسکے اسناد کیا ہیں. مسلمانوں کی کس کتاب میں یہ مروی ہے اور محدثین سے کون سے محدث نے اسے صحیح کہا ہے. سچی بات یہ ہے کہ نہ یہ حدیث صحیح ہے اور نہ اِس کے صحیح ہونے کے کہیں اسناد ہیں. پھر دریافت کیا جائے کہ مسلمانوں کی کونسی کتاب میں یہ حدیث مروی ہے اور محدثوں میں سے کون سے محدث نے اِسے صحیح کہا ہے تو سکتہ ہو جائے گا اور پھر سانس کی آمدورفت بھی بند ہو جائے گی۔

دوسرا جواب: کل مفسرین بدیہہ طور پر یہ جانتے ہیں کہ یہ سراسر جھوٹ ہے جو رسول اللہ پر باندھا گیا ہے جسے تھوڑا سا بھی علم ہے وہ خوب جانتا ہے کہ اس روایت کو مسلمانوں نے اپنی کسی کتاب میں نقل نہیں کیا نہ کتب صحیح میں نہ سنن میں نہ مسانید میں نہ معجمات میں اور نہ اجزاء میں نہ اِسکی کہیں اسناد ہیں۔ نہ صحیح نہ ضعیف بلکہ صریح جھوٹ کے سوا اور اس میں کچھ نہیں رکھا۔

تیسرا جواب: یہ ثابت ہو چکا ہے کہ حضور انور کے زمانہ میں لوگ راتوں کو نفلیں پڑھا کرتے تھے اور یہ بھی ثابت ہے کہ دو یا تین شب حضور انور رسول اللہ ﷺ نے جماعت کرائی تھی۔ صحیحین میں عائشہ صدیقہؓ سے مروری ہے کہ ایک دن آدھی رات کے قریب حضور انور ﷺ مسجد میں تشریف لے گئے اور

لوگوں کو نفلی نماز پڑھائی صبح کو جب اِسکا چرچا ہوا تو دوسرے دن مسجد میں پہلے دن سے زیادہ لوگ جمع ہوگئے آپ نے اُس روز بھی پڑھادی پھر تیسری شب کو اور بھی زیادہ آدمی آئے اُس روز بھی حضور انور ﷺ نے نماز پڑھادی چوتھی شب کو تو اس قدر آدمی آئے کہ مسجد میں گنجائش تک نہ رہی مگر حضور انور ﷺ مسجد میں نہیں آئے مجمع نے بہتیرے اشارے کئے کہ مسلمان جمع ہیں حضور انور ﷺ تشریف لائیں کوئی الصلوۃ کہتا اور کوئی کچھ مگر حضور انور ﷺ نہیں آئے یہاں تک کہ صبح ہوگئی صبح ہوتے ہی آپ صبح کی نماز کے لیے مسجد میں آئے جب نماز پڑھا چکے تو صف کی طرف متوجہ ہو کے بیٹھ گئے پہلے خطبہ پڑھا پھر فرمایا اے مسلمانوں شب کو تمہارا یہاں آنا مجھے معلوم تو بیشک ہوگیا تھا لیکن میں اس اندیشہ کی وجہ سے نہیں آیا کہ یہ تراویح تم پر فرض نہ ہو جائیں اور پھر تم انہیں ادا نہ کرسکو پھر حضور انور ﷺ کی وفات ہوگئی اور یہ امر اسی طرح رہا۔ ابوذر سے بھی اسی طرح مروی ہے اُسے امام احمد، ترمذی، ابوداؤد اور نسائی نے نقل کیا ہے صحیح مسلم میں ابوہریرہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں رمضان شریف میں حضور انور تراویح پڑھنے کی بہت ترغیب دیا کرتے تھے ہاں یہ ضرور ہے کہ آپ نے کبھی تراویح کو فرض اور واجب نہیں فرمایا۔ حضور انور ﷺ کا یہ ارشاد موجود ہے کہ جو شخص ثواب سمجھ کے رمضان شریف میں تراویح پڑھے تو اُس کے پہلے کئے ہوئے سب گناہ معاف ہو جائیں گے پھر حضور انور ﷺ کی وفات ہوگئی اور یہ امر صدیق اکبر اور فاروق اعظم کے شروع خلافت تک اسی طرح رہا۔ امام بخاری نے عبدالرحمن بن قاری سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں رمضان المبارک میں ایک روز شب کو فاروق اعظم کے ساتھ مسجد میں گیا۔ دیکھا کہ لوگ متفرق طور پر نماز یعنی تراویح پڑھ رہے ہیں کوئی اکیلا پڑھ رہا ہے کوئی چار پانچ آدمیوں کا امام بنا ہوا ہے فاروق اعظمؓ نے دیکھ کے فرمایا مجھے یہ زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان سب کا میں ایک ہی امام مقرر کر دوں چنانچہ آپ نے ابی بن کعب کو امام مقرر کر دیا۔ پھر دوسری شب کو جب میں اُن کے ساتھ مسجد میں گیا تو میں نے دیکھا ابی بن کعب نماز پڑھا رہے ہیں یہ دیکھ کے فاروق اعظم نے فرمایا۔ ”دیکھو یہ کیا اچھی بدعت ہے“ پھر فرمایا ”وہ نماز جس کے وقت یہ سوتے رہتے تھے یعنی تہجد کی نماز اس سے افضل ہے کہ جو یہ اب پڑھ رہے ہیں کیونکہ وہ عشا ہی کے وقت پڑھ لیتے تھے“ بدعت کہنے کی یہ وجہ ہوئی کہ ایسا عام اجتماع کبھی نہ ہوا تھا لہٰذا اِس اجتماع کو بدعت کہا گیا نہ کہ نماز تراویح کو جیسا کہ

شیعی اصحاب نے سمجھ لیا ہے۔ لغت میں بدعت اُسی کو کہتے ہیں جو کام پہلے پہل کیا جائے اور اس سے شرعی بدعت مراد نہیں ہے۔ کیونکہ وہ بدعت جو گمراہی ہوتی ہے وہ اُس فعل کا نام ہے۔ جو بغیر کسی شرعی دلیل کے کیا جائے۔ مثلاً ایسی چیزوں کو مباح سمجھنا جو اللہ نے مباح نہ کی ہوں اور ایسے افعال کو واجب کر لینا جو اللہ نے واجب نہ کیے ہوں یا ایسی چیزوں کو حرام جاننا جو اللہ نے حرام نہ کی ہوں۔

چوتھا جواب: اگر تراویح کا پڑھنا قبیح اور منہی عنہ ہوتا تو جب علی کوفہ میں امیر المومنین ہو گئے تھے تو اُنہیں سب سے پہلے اس کا اڑا دینا ضروری تھا۔ مگر اُنہوں نے ایسا نہیں کیا۔ برابر رمضان المبارک میں تراویح پڑھتے رہے۔ اِس سے صاف طور پر پایا جاتا ہے کہ وہ اُسے مستحب سمجھتے تھے۔ خود حضرت علی سے مروی ہے کہ آپ نے یہ دعا کی تھی۔ ”اے اللہ عمر کی قبر کو منور کیجئے جیسا اُنہوں نے ہماری مسجدوں کو منور کر دیا ہے“ ابو عبدالرحمٰن سلمی سے روایت ہے وہ کہتے ہیں علی نے رمضان شریف میں حافظوں کو بلالیا اور یہ حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھایا کریں چنانچہ وہ تراویح پڑھایا کرتے تھے آپ مردوں کے لیے علیحدہ اور عورتوں کے لیے علیحدہ امام مقرر کر دیتے تھے۔ اور میں عورتوں کا امام ہوتا تھا یہ دونوں روایتیں بیہقی نے اپنی سنن میں نقل کی ہیں اسمیں علماء کا اختلاف ہے کہ تراویح کو جماعت سے مسجد میں پڑھنا افضل ہے یا گھر میں پڑھنا افضل ہے یہی دو قول امام شافعی اور امام احمد کے ہیں علماء کا ایک گروہ جماعت سے مسجد میں پڑھنے کو ترجیح دیتا ہے اسی گروہ میں لیث بھی ہیں باقی امام مالک وغیرہ گھر میں پڑھنے کو افضل کہتے ہیں اور حضور انور کے اِس ارشاد سے حجت لیتے ہیں. **افضل الصلوة صلوة المرء فی بیته الا المکتوبة.** یعنی مرد کی افضل نماز وہ ہے جو گھر میں پڑھی جائے سوائے فرضوں کے۔ یہ حدیث صحیحین نے روایت کی ہے امام احمد وغیرہ حضور انور کے اِس ارشاد سے حجت لاتے ہیں۔ **الرجل اذا قام معه الامام حتی ینصرف کتب اللہ له قیام لیلة** یعنی جب کوئی امام کے ساتھ کھڑے ہو کے پوری نماز پڑھ لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کے لیے ساری رات کی نماز کا ثواب لکھ دیتا باقی حضور انور ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب کہ مرد کی افضل نماز وہ ہے جو گھر میں پڑھی جائے سوائے فرضوں کے یہ ہے کہ جب تک اُس کے لیے جماعت مشروع نہ

ہوئی ہو لیکن جس کے لیے جماعت مشروع ہوگئی جیسے کسوف کی نماز تو اُسے حضور انور ﷺ کی متواتر سنت کے موافق مسجد ہی میں پڑھنا افضل ہے۔ اور اسی پر علماء کا اتفاق ہے۔ سب یہ کہتے ہیں کہ حضور انور ﷺ نے لوگوں کو تراویح پڑھنے پر محض اس وجہ سے جمع اور اُسکا التزام نہیں کیا کہ اُسکے فرض ہو جانے کا خوف تھا اب چونکہ حضور انور ﷺ کی وفات ہونے کی وجہ سے خوف نہیں رہا اِس لیے اب اُسے جماعت سے پڑھنا ایسا ہی ہے جیسے قرآن شریف کا جمع کرنا وغیرہ جب اِس میں جماعت شروع ہوگئی تو اب اس کو جماعت ہی سے ادا کرنا افضل ہے۔ فاروق اعظم کا یہ فرمانا کہ جس نماز کے وقت تم سو جاتے ہو وہ اس سے افضل ہے اس سے آپ کی مراد تہجد کی نماز تھی اور وہ لوگ عشا ہی کے وقت پڑھ لیتے تھے تو یہ کلام فاروق کا صحیح ہے کیونکہ تہجد کے وقت تراویح کا پڑھنا واقعی افضل ہی جیسا کہ عشاء کی نماز کو اول وقت میں پڑھنا افضل ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مفضول وقت یعنی غیر افضل وقت میں کسی وجہ سے کوئی عمل مخصوص ہو جاتا ہے۔ یعنی اُس وقت میں اُس کا عمل کرنا دوسرے وقت میں کرنے سے افضل ہو جاتا ہے۔ مثلاً عرفہ اور مزدلفہ میں دو نمازوں کو ملا کے پڑھنا علیحدہ علیحدہ پڑھنے سے افضل ہے۔ اگر چہ اصل یہی ہے کہ نماز کو اُس کے خاص وقت میں پڑھنا ہی افضل ہوتا ہے لیکن یہاں ایک خاص وجہ سے جمع کرنا افضل قرار پایا۔ علی ہذا القیاس سخت گرمی کے وقت ظہر کی نماز میں تاخیر کر کے پڑھنا افضل ہے باقی رہی چاشت کی نماز جسکا طعنہ شیعی علماء دیتے ہیں اس میں فاروق اعظم کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ صحیحین میں ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ مجھے میرے خلیل نے ہر مہینے تین روزے رکھنے اور چاشت کے دو نفل پڑھنے اور سونے سے پہلے وتر پڑھ لینے کی وصیت فرمائی تھی۔

عثمانؓ کی امامت: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ عثمانؓ نے ایسے امور کیے جن کا کرنا جائز نہ تھا یہاں تک کہ سب مسلمانوں نے اُنہیں بُرا جانا اور اُنکے قتل کرنے پر اتنے زیادہ آدمیوں کا اتفاق ہو گیا کہ اتنے آدمیوں کا جتھا نہ اُن کی بیعت پر بندھا تھا نہ ابوبکر و عمر کی بیعت پر اتنے آدمی متفق ہوئے تھے پھر بھلا ایسا شخص امام کیونکر بن سکتا ہے۔

پہلا جواب: یہ سب سے زیادہ صریح جھوٹ ہے۔ عثمان سے مدینہ منورہ کیا بلکہ تمام اسلامی

ممالک کے مسلمانوں نے بیعت کر لی تھی ان کی خلافت پر بیعت ہونے میں تو دو آدمیوں کا بھی اختلاف نہیں ہوا نہ کسی نے بیعت ہونے میں تاخیر کی۔ اس واسطے امام احمد نے کہا ہے عثمان کی بیعت پر چونکہ سب کا اتفاق ہو گیا تھا۔ اس لیے وہ اور بیعتوں سے بھی زیادہ مضبوط تھی۔ جن لوگوں نے آپ کو قتل کیا وہ گنے چنے آدمی تھے ان کا شمار انگلیوں پر ہو سکتا ہے۔ ابن زبیر عثمان کے قاتلوں کی نسبت کہا کرتے تھے کہ یہ کیسے بزدل لوگ ہیں کہ شب کو چوروں کی طرح بے خبری میں چلے آئے۔ یہ بات تواتر سے معلوم اور مشہور ہے کہ آپ کے قتل کرنے میں اور شہروں کے آدمی شریک نہ تھے نہ کوئی سابقین اولین میں سے تھا۔ لہذا قاتلوں اور بیعت کرنے والوں کی تعداد میں بعد المشرقین ہے۔ اس لیے یہ قول بالکل غلط ہے کہ آپ سے بیعت کرنے والوں کی تعداد قاتلوں سے کم تھی۔ یہ لغو بات تو وہی کہہ سکتا ہے جو صحابہ کے احوال سے محض نابلد ہو۔

دوسرا جواب: جن لوگوں نے حضرت علیؓ کو جائز خلیفہ تسلیم نہیں کیا اور ان سے قتال کیا وہ عثمان کے مخالفین اور مقاتلین سے کئی حصے کیا بلکہ ہزاروں کی تعداد میں زیادہ تھے علی کے لشکر کی بہت سی پلٹنیں آپ سے باغی ہو گئی تھیں اور صاف طور پر وہ آپ کو کافر کہتی تھیں۔ باغی سپاہی علی الاعلان یہ کہتے تھے کہ علی بلا شک وشبہ تم اسلام سے پھر گئے اور مرتد ہو گئے ہو جب تک تم اسلام کی طرف رجوع نہ کرو گے ہم کبھی تمہاری اطاعت نہیں کرنے کے پھر ان ہی فوجی مسلمانوں میں سے ایک نے آپ کو شہید کر دیا جس نے شہید کیا وہ آپ کا خون کرنا حلال جانتا تھا اور اس کا یہ عقیدہ تھا کہ علی کا قتل کرنا اللہ کے مقرب ہونے کا ذریعہ ہے۔ اب ان کے مقابلہ میں عثمان کے قاتلوں کو لو۔ ان کا یہ عقیدہ عثمان کی نسبت ایسا نہ تھا جن لوگوں نے ان پر حملہ کیا تھا وہ ان کے کافر ہونے کے قائل نہ تھے ہاں ظلم کے مدعی ضرور تھے۔ اب رہے خوارج وہ کھلم کھلا علی کو کافر کہتے ہیں ان کی تعداد ان آدمیوں سے کہیں زیادہ جو عثمان کو گرفتار یا قتل کرنے کے لیے مدینہ آئے تھے۔ اب اگر یہی بات عثمان میں قدح کرنے کی حجت ہے تو یہی بات علی میں قدح کرنے کی بدرجہ اولی حجت ہو گی۔ مگر اصل یہ ہے کہ یہ دونوں دلیلیں باطل بالکل ہیں اس کے علاوہ عثمان کے قاتلوں سے ان میں قدح کرنے کی دلیل بہ نسبت اس دلیل کے جس سے علی کے قاتلوں سے ان میں قدح ہوتی ہے بہت ہی لچر اور بیہودہ ہے۔ اس پر سب مسلمانوں

کا اتفاق ہے کہ علیؓ کے قاتل نہ صرف عثمان کے قاتلوں سے تعداد میں زیادہ تھے بلکہ بدرجہا اُن سے افضل بھی تھے۔ کیونکہ علی کے قاتلوں میں بڑے بڑے زاہد، عابد اور ولی اللہ تھے۔ عثمان کے قاتل لُچے غنڈے اور بازاری لوگ تھے ان میں ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جس کی دیانت داری پر بھروسہ کیا جائے۔

تیسرا جواب: یہ تواتر سے معلوم ہے کہ عثمان سے بیعت ہونے میں سب مسلمانوں کا اتفاق ہو گیا تھا۔ اُن بیعت سے سعد بن عبادہ رہے گئے تھے۔ جو نہ صدیق سے بعیت ہوئے نہ فاروق اعظم سے اخیر آپ ہی کی خلافت میں اُن کا انتقال ہو گیا لیکن یہ اور سمجھ لیا جائے کہ سعد کا اس بیعت سے رہ جانا اس وجہ سے نہ تھا کہ اُنہیں کچھ اعتراض وشک تھا سعد نے صدیق اکبر پر کوئی اعتراض نہیں کیا وہ یقیناً جانتے تھے کہ صدیق اکبر کل مہاجرین میں افضل ہیں اور رسول اللہ کے بعد انؓ کے سردار ہیں ان کی صرف یہ خواہش تھی کہ انصار میں سے بھی ایک امیر یا خلیفہ ہو جائے اگر چہ اُن کا یہ خیال مصالح ملکی۔ امن عامہ نظام سلطنت وغیرہ کے بالکل خلاف تھا مگر وہ اخیر عمر تک اسی پر جمے رہے اور اسی پر اُنہوں نے جان دے دی علاوہ مصالح ملکی وغیرہ کے سعد کا خیال مشہور معروف نص کے بالکل خلاف تھا جو اُسے معلوم نہ تھی وہ نص یہ ہے۔ الائمہ من قریش یعنی خلفاء قریش ہی میں سے ہونے چاہئیں۔ اس سے یہ نتیجہ اچھی طرح نکل آیا کہ سعد کا بیعت سے رہ جانا بدلیل نص خطا تھا۔ اس میں اجماع کی ضرورت نہیں ہے۔ اب رہی عثمان کی بیعت اس میں تو ایک کا بھی اختلاف نہیں ہوا حالانکہ مسلمان افریقہ سے خراسان تک اور ساحلِ شام سے اقصاء یمن تک پھیلے ہوئے تھے تو بھی ایک مسلمان بھی بیعت سے خالی نہیں رہا۔ آپ کے عہد مسعود میں افریقہ وغیرہ دنیا کے دور دراز حصص میں مسلمانوں کو جو فتوحات ہوئیں وہ روز روشن بنی ہوئیں ہیں۔ عثمان کی خلافت کے دو حصے کرنے چاہئیں۔ پہلا حصہ تو بڑی آسودگی امن اور خوشی سے گزرا۔ یعنی چھ برس تک کسی قسم کا نہ کسی نے اعتراض کیا اور نہ عثمان کے برخلاف سرگوشی ہوئی۔ مگر دوسرے حصہ کے آغاز سے نکتہ چینیوں کی آوازیں اُٹھنے لگیں اور یہ آوازیں بہت ہی تھوڑے آدمیوں کی تھیں جن کا شمار اُنگلیوں پر ہو سکتا ہے۔ جمہو کو کوئی اعتراض نہ تھا ان کے منہ سے سوائے خیر وخوبی کے کچھ نہ نکلتا تھا۔ عثمان کی مدت خلاف اپنے دو پیش روؤں اور اپنے

جانشین سے زیادہ تھی۔ مثلاً صدیق اکبر کی خلافت کچھ اوپر دو برس رہی۔ فاروق اعظم کی کچھ اوپر دس برس رہی اور حضرت علیؓ کی کچھ اُوپر چار برس رہی علی جس وقت خلیفہ ہوئے تو اُنکے ہاتھ پر بیعت کرنے والا کوئی نہ تھا سوائے مصری باغیوں کے جنہوں نے بے گناہ عثمان کو شہید کیا تھا۔ علیؓ سے بیعت نہ کرنے والوں میں سابقین اولین مہاجرین اور انصار میں سے تھے اور بڑے مرتبہ کے لوگ تھے۔ ان میں سے بعض خانہ نشین ہو گئے اور بعض نے علی سے قتال کیا خاموش بیٹھنے والوں میں اُسامہ زید ابن عمر اور محمد بن سلمہ وغیرہ تھے مگر تماشہ ایک اور ہی ہے جن لوگوں نے علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کی اُن ہی میں کا ایک حصہ آپ سے پھر گیا۔ اعلانیہ آپ پر کفر کا فتویٰ لگایا اور آپ کا خون حلال سمجھا بعض امیر معاویہ کے ساتھ جا ملے خود آپ کے یعنی علی کے بھائی عقیل وغیرہ ہمیشہ آپ پر اعتراض کرتے اور آپ کی ان حرکتوں سے سخت بیزار تھے وہ صاف طور پر کہتے تھے کہ علی خلیفہ راشد نہیں ہیں ان کی یہ حجت شیعوں کی حجت سے کہیں زیادہ مضبوط اور بڑی ہے۔ اس پر بھی اگر ان کی حجت غلط اور باطل ہو گئی اور علیؓ کا ظلماً قتل کیا جانا مان لیا گیا تو عثمان اِس کے بدرجہ اولی مستحق ہیں۔ یہ بحث تو یہاں ختم ہو گئی اب ہم ان نکتہ چینیوں پر نظر کرتے ہیں جو صدیق اکبر پر بڑے بڑے شیعی علماء نے کی ہیں۔ اور اُن ہی پر تمام شیعی اعتراضات، حملوں، تبروں اور طعن و تشنیع کا دارومدار ہے۔ یہ بحث بہت ہی دلکش ہوگی۔ بہت سے چھپے ہوئے رازوں کا پتہ لگے گا۔ اور معلومات کی ایسی ترقی ہوگی کہ لوگ علم سے مالا مال ہو جائیں گے۔ جواب الجواب سے یقیناً تمام شیعی دنیا عاجز ہو جائے گی اور کل علماء ہندوار یان مل کے بھی جواب بصواب نہ دے سکیں گے۔ بات ہو تو ایسی ہو تمام شیعی دنیا انگشت بدندان ہے کہ کتاب شہادت کا جواب کیونکر دیا جا سکتا ہے۔ یہ شاہ صاحب کا تحفہ نہیں ہے کہ دو چار جواب بُرے بھلے لکھ دیئے اور خوش ہو گئے کہ ہم نے پوری کامیابی حاصل کر لی اگرچہ تحفہ کا جواب بھی جسے جواب کہنا چاہیے ابھی تک نہیں ہوا۔ مگر کتاب شہادت کا جواب تو اتنا ہونا بھی محال ہے۔

اجماع اور امامت ابوبکر: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ ابوبکرؓ کی امامت پر اجماع نہیں ہوا تھا کیونکہ بنی ہاشم کی ایک جماعت اِس پر متفق نہیں ہوئی تھی۔ اسی طرح اکابر صحابہ بھی ایک جماعت اس

پر متفق نہیں ہوئی تھی۔ وہ صحابہ یہ ہیں۔ سلمانؓ، ابوذرؓ، مقدادؓ، عمارؓ، حذیفہؓ، سعد بن عبادہ، زید بن ارقم، اسامہؓ بن زید، خالدؓ بن سعید، عمرو بن العاص یہاں تک کہ ابوبکر کے والد نے بھی اس کا انکار ہی کیا تھا۔ یعنی جب انہیں خبر لگی کہ انکا بیٹا خلیفہ ہو گیا انہوں نے علی اور عباس کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ ان دونوں غریبوں کا کیا بنا، لوگوں نے جواب دیا کہ وہ بیچارے تو رسول اللہ کی تجہیز و تکفین میں لگے ہوئے تھے اوروں نے اور تمام بنو حنیفہ نے تمہارے بیٹے کو عمر میں سب سے بڑا دیکھ کے خلیفہ کر دیا۔

پھر شیعی علماء نے فرمایا ہے کہ جن مومنین نے ابوبکر کو زکوٰۃ نہیں دی انکا نام مرتد رکھ دیا گیا انہیں قتل بھی کیا قید بھی کیا مگر عمر نے اپنی خلافت میں ان لوگوں کو رہا کر دیا۔ اور انکے مرتد ہونے سے انکار کر دیا۔

جواب: جو شخص علم سیرت سے کچھ بھی واقف ہے۔ وہ جب ایسی بے سروپا رام کہانی سنے گا تو اسے دو باتوں میں سے ایک بات کا ضرور یقین ہو جائے گا۔ یا تو اس کے ذہن میں یہ آئے گا کہ یہ قائل صحابہ کے احوال اور معاملات بالکل ناواقف ہے۔ یہ سمجھ گیا کہ افترا پردازی کی حد ہو گئی ہے اور اس سے زیادہ غلط بیانی شاید دوسری جگہ دیکھنے میں نہ آئے جو کچھ چاہا بے سمجھے بوجھے لکھ دیا۔ نہ تحقیق سے غرض نہ معتبر کتابوں سے سروکار نہ منقول کی خبر نہ معقول کی اطلاع کچھ بھی نہیں۔ اب سنئے نفس واقعات کی غلط بیانی۔ شیعی علماء نے بنو حنیفہ کو اہل اجماع میں سے قرار دیا ہے۔ حالانکہ یہ محض غلط اور بالکل غلط ہے۔ اسکی اصل یہ ہے کہ جب اس خاندان کے لوگ ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت نہ ہوئے اور نہ انہوں نے زکوٰۃ دی تو ابوبکر نے انہیں مرتد قرار دیا۔ لڑائی ہوئی جس میں ان کے چند آدمی قتل اور چند قید ہوئے۔ یہ بات کسی سے چھپی ہوئی نہیں ہے کہ بنو حنیفہ مسیلمہ کذاب پر ایمان لے آئے تھے جس نے یمامہ میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور عام طور پر یہ کہتا تھا کہ میں رسالت میں محمد رسول اللہ کا شریک ہوں اسی طرح ایک دوسرے شخص اسود عنسی نے صنعا یمن میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ حضور انور ﷺ کی نبوت کا آخیر زمانہ تھا کہ جب اس مدعی رسالت کی طرف نبوت کا اعلان کیا گیا۔ اس اسود کا اصلی نام عیہلہ تھا۔ مگر حضور انور ﷺ ہی کی زندگی میں ایک شخص نے اسکا کام تمام کر دیا۔ اس نے بہت کچھ اودھم مچایا تھا۔ یمن پر اسکا پورا غلبہ ہو گیا تھا۔ مسلمان عامل نہیں نہایت بے عزتی سے یمن سے نکلوائے تھے۔ خیر اس کا قصہ تو ختم ہو گیا۔ اب بنو حنیفہ کا حال سنو۔ اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ بنو حنیفہ مسیلمہ کے پیرو تھیں

ہو گئے تھے۔ یہ بات ایسی معروف و مشہور ہے کہ جو شخص علم و معرفت سے کچھ بھی تعلق رکھتا ہو وہ بھی اس سے اچھی طرح واقف نکلے گا۔ اس کا قرآن جو یہ لوگوں کو سناتا تھا۔ اسکی چند سورتیں آج تک نقل ہوتی ہوئی چلی آئی ہیں۔ چنانچہ ایک سورت یہ ہے۔ "یا ضفدع بنت ضفدع عین لقی کم تنقین لا الحاء تکدرین ولا الشارب تمفین راسک فی الماء وذنبک فی الطین." دوسری سورت یہ ہے "الفیل ما الفیل مما ادراک مایفل له زلوم طویل ان ذلک من خلق ربنا لقلیل" تیسری سورت یہ ہے۔ "انا اعطیناک الجماهر فصل لربک وها جرولا تطع کل ساحرو کافر" چوتھی سورت یہ ہے۔ "والطاحنات طحنا والعاجنات عجنا والخابزات خبزا اهالة وسمنا ان الارض بیننا وبین قریش نصفین ولکن قریشا لا یعدلون" غرض اسی قسم کے ہذیان اور بھی ہیں۔ جب مسیلمہ کے قتل کے بعد بنو حنیفہ کا ایک وفد صدیق اکبر کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے سردار وفد سے فرمایا کہ مسیلمہ کا قرآن سناؤ۔ انہوں نے یہ مذکورہ سورتیں پڑھ کے سنائیں تو صدیق اکبر نے بہت افسوس کیا اور کہا تمہاری عقلوں کو کیا ہوا کہ تم نے اُسے اللہ کا کلام مان لیا۔ یہ تو کلام خدا ہرگز نہیں ہے۔ امت مرحومہ کے اولین اور آخرین سب کے نزدیک ابوبکر صدیق کی اعلیٰ درجہ کی فضیلت یہ ہے کہ آپ نے مرتدوں سے جنگ کی۔ مرتدین میں سب سے بڑھے ہوئے یہ بنو حنیفہ تھے جنہیں شیعی علماء اجماع میں شریک فرماتے ہیں۔ یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ ان سے صدیق کی جنگ فقط زکوٰۃ نہ دینے پر نہیں ہوئی تھی بلکہ جنگ کا باعث ان کا مرتد ہو جانا تھا یہ کھلم کھلا مسیلمہ پر ایمان لے آئے تھے۔ انکی تعداد کا اندازہ ایک لاکھ کے قریب کیا گیا ہے۔ اور سنئے! حنیفہ محمد بن حنیفہ کی ماں علی کی لونڈی تھی یہ لڑکی بنی حنیفہ کے خاندان سے تھی۔ جب بنی حنیفہ کے زن و مرد قید ہو کے مدینہ میں آئے تو یہ لڑکی علی کے حصہ میں آئی آپ نے اُسے اپنی حرم بنایا خیال کیجئے اگر یہ لوگ مسلمان ہوتے تو علی مسلمانوں کی ایک خاتون کو کس طرح حرم بنا سکتے تھے۔ اور ساتھ ہی علی نے اُسے اپنی لونڈی بنانا کیونکر جائز کر لیا۔ محض اس لیے کہ علی بنو حنیفہ کو مسلمان نہیں سمجھتے تھے۔ باقی وہ لوگ جن سے ابوبکرؓ نے زکوٰۃ نہ دینے پر جنگ کی تھی وہ اور ہیں ان کی فقط یہی خطا نہ تھی

کہ وہ زکوٰۃ نہ دیتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ ہم تمہیں زکوٰۃ نہیں دینگے بلکہ اُنہوں نے نفسِ زکوٰۃ ہی دینے سے انکار کر دیا تھا۔ جس کی مفصل بحث ہم گزشتہ صفحات میں کر چکے ہیں امام احمد بن حنبل اور امام ابو حنیفہ وغیرہ صدیق اکبر کے اس بارے میں پیرو ہیں اُنہوں نے صاف طور پر کہ دیا ہے کہ اگر یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم خلیفہ وقت کو تو زکوٰۃ کا روپیہ نہ دیں گے بلکہ خود زکوۃ خرچ کریں گے تو اُن سے ہرگز جنگ جائز نہ تھی۔ یہ ائمہ خوب جانتے ہیں کہ صدیق نے ان ہی لوگوں سے جنگ کی تھی جو زکوٰۃ کو ناجائز سمجھ کے اُس کے دینے سے انکار کر بیٹھے تھے۔ شیعی علماء کا بنو حنیفہ کو اہل اجماع میں شریک کرنا بالکل ایسا ہی ہے۔ جیسے بیعت نہ کرنے والوں میں یہود و نصاریٰ اور آتش پرستوں کو شمار کیا جاتا۔ یہ ہم صاف دلی سے شہادت دیں گے کہ بنو حنیفہ کا کفر بہت سے لحاظ سے دنیا کے تمام کفروں سے بڑھا ہوا تھا۔ جو لوگ خفیف دنیاوی لالچ سے اسلام لانے کے بعد اصولِ دین خدا سے انکار کر بیٹھے ان کی سزا سوائے گردن زدنی کے اور کیا ہو سکتی ہے۔ کیونکہ کفر کی گندگی میں وہ خود ہی مبتلا نہ ہوں گے بلکہ اوروں کو بھی لپیٹیں گے اس لئے تقاضائے عقل یہی ہے کہ جسم کا جو عضو گل گیا ہو اور اس سے دوسرے اعضا کے گل جانے کا اندیشہ ہو قطعی اُسے کاٹ ڈالنا چاہیے۔ دوسری بات جو شیعی علماء نے فاروق اعظم کی نسبت فرمائی ہے کہ وہ صدیق اکبر سے مخالف تھے یہ محض غلط ہے۔ اصل میں وہ اختلاف کسی اور فرقہ کی بابت ہوا تھا۔ یہ لوگ اسلام سے تو انکار نہیں کرتے تھے مگر زکوۃ دینے سے کانوں پر ہاتھ رکھتے تھے۔ فاروق اعظم کو ان سے جنگ کرنے میں تامل تھا مگر جب صدیق اکبر نے سمجھا دیا تو وہ بھی اور صحابہ کے ساتھ صدیق کی رائے کی تائید کرنے لگے۔ صحیحین میں ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ عمر فاروق نے اِسی جنگ کی بابت صدیق اکبر سے یہ کہا تھا کہ تم ایسے لوگوں سے کس طرح جنگ کر سکتے ہو حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا ہے۔ مجھے جہاد کرنے کا حکم ہو گیا ہے یہاں تک کہ یہ لوگ توحید لا الہ الا اللہ کے قائل ہو جائیں اور جس وقت یہ اِس کے قائل ہو جائیں گے تو اپنی جانیں اور مال مجھ سے محفوظ کر لیں گے۔ ہاں کسی حق کی وجہ سے اور اُسکا حساب کتاب اللہ پر ہے۔ صدیق اکبر نے جواب دیا۔ رسول اللہ ﷺ کے ان الفاظ پر غور کرو کہ کسی حق کی وجہ سے وہ اپنی جانیں اور مال محفوظ نہیں رکھ سکتے۔ یہ

بھی یاد رکھو کہ زکوٰۃ اسی حق میں سے ہے میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر یہ اونٹ کا بچہ زکوٰۃ میں مجھے ایسا نہ دیں جیسا رسول اللہ ﷺ کو دیتے تھے تو میں اس کے نہ دینے پر ان سے جہاد کروں گا۔ اس پر فاروق اعظم نے کہا واللہ اب یہ میں سمجھا بیشک اللہ نے ابوبکر کا شرح صدر کر دیا ہے کہ ان سے ضرور جنگ کرنی چاہیے۔ یہ بات میرے بالکل ذہن نشین ہو گئی ہے۔ بیشک حق بھی ہے۔ اب ان اکابر صحابہ کو لوجن کی نسبت شیعی علماء کا یہ بیان ہے کہ انہوں نے صدیق کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی۔ یہ اُن پر سراسر اتہام ہے۔ صرف سعد بن عبادہ نے بیعت نہیں کی تھی۔ جس کی مفصل بحث ہم ابھی گزشتہ صفحات میں کر چکے ہیں۔ اس پر تمام علماء سیر منقولات اور باقی اہل معرفت کا اتفاق ہے کہ اُسامہ بن زید نے بغیر بیعت ہوئے اپنی فوج کے ساتھ کوچ نہیں کیا۔ وہ پہلے صدیق اکبر کے ہاتھ پر بیعت ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے لشکر کو کوچ کا حکم دیا اُسامہ بن زید نے ابوبکر سے جب خطاب کیا۔ یا جب خلیفۂ رسول اللہ کہہ کے خطاب کیا۔ اب اور صحابہؓ کو لوجن کی بیعت ہونے سے شیعی علماء انکار کرتے ہیں اول خالد بن سعید ہیں آپ حضور انور کی حیات ہی میں آپ کے نائب تھے۔ جب حضور انور ﷺ کی وفات ہو گئی تو انہوں نے یہ کہا میں اس کے بعد اور کسی کا نائب بننا نہیں چاہتا۔ ہاں صدیق اکبرؓ کی خلافت کو حق سمجھتے اور ماننے میں یہ اور صحابہ کے ساتھ تھے اور بہ دل و جان اُسے تسلیم کرتے تھے۔ یہ بات تواتر سے ثابت ہو چکی ہے کہ صدیق اکبر کی بیعت کے سوائے سعد بن عبادہ کے کوئی بھی باقی نہیں رہا تھا۔ علی اور بنو ہاشم نے یقیناً اُن سے بیعت کر لی تھی اور اس پر کل علماء کا اتفاق ہے بلا بیعت ہوئے ان میں سے کوئی نہیں مرا بعض کا لفظ یہ ضعیف قول ہے کہ علی چھ مہینے کے بعد بیعت ہوئے تھے۔ مگر زیادہ تعداد ان لوگوں کی ہے جو کہتے ہیں کہ دوسرے ہی روز علی صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر بیعت ہو گئے تھے۔ کل بنی ہاشم نے بغیر جبر و اکراہ صدیق اکبر کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔ صدیق کے بعد فاروق اعظم سے بھی یہ لوگ سوائے سعد بن عبادہ کے اسی طرح خوشی خوشی بیعت ہو گئے تھے۔ پھر آپ کے بعد عثمان غنیؓ کی بیعت پر سب کا اتفاق ہو گیا تھا۔ سعد بن عبادہ کا فاروق اعظم کی خلافت میں انتقال ہو چکا تھا۔ انہوں نے عثمان غنی کا زمانہ نہیں دیکھا۔ ایک شخص کی نا بھی یا علیحدگی سے اجماع میں

کوئی خلل نہیں پڑ سکتا ایک شخص غصب خلافت کرنا جائز نہیں کہتا بلکہ خلافت کے دو حصے کرنا چاہتا ہے اس کے خیال سے اجماع میں کیونکر خلل پڑ سکتا ہے۔ ہاں اگر یہ شخص قرآن و حدیث سے کوئی حجت پیش کرے جیسا صدیق نے اُسامہ کے لشکر کو روانہ کرنے اور زکوٰۃ نہ دینے والوں کے خلاف کی تھی۔ چونکہ ابوبکر حق پر تھے اس لیے سب صحابہ نے آپ کی تائید کی۔ اب ابو قحافہ یعنی ابوبکر کے باپ کو جسکی نسبت یہ بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے سُن کے کہا تھا کہ غریب عباس اور علیؓ کو کیا ہوا ابو قحافہ کا یہ قول ہرگز نہیں ہے کہ انہوں نے کبھی ایسا نہیں کہا۔ ان کی نسبت یہ محض افتراء ہے کل علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ سخت جھوٹ ہے۔ اس وقت ابو قحافہ مکہ میں تھے فتح مکہ کے سال یہ مسلمان ہو گئے اور بہت ہی بوڑھے تھے۔ خود ابوبکر نے انہیں حضور انور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ ان کا سر اور داڑھی بالکل گالا بن رہے تھے۔ اُن کے بڑھاپے کو دیکھ کے حضور انور نے یہ فرمایا تھا۔ اتنے بڑے ضعیف آدمی کو یہاں آنے کی کیوں تکلیف دی میں خود ان کے پاس ہو آتا یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ صحابہ میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس کے ماں باپ اور اُس کی ساری اولاد مسلمان ہو گئی ہو اور ان سب نے بلکہ اُنکی اولاد در اولاد نے حضور انور ﷺ کا زمانہ پایا یہ شرف ابوبکرؓ ہی کو حاصل ہوا باپ کی طرف سے بھی اور ماں کی طرف سے بھی یعنی محمد بن عبدالرحمٰن بن ابوبکر ابو قحافہ چاروں حضور انور ﷺ کے زمانے میں مسلمان تھے اسی طرح عبداللہ بن زبیر بن اسماء بنت ابی بکر یہ سب بھی حضور انور پر ایمان لے آئے تھے اور آپ کی خدمت میں رہے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ گھرانا ایسا تھا جو اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا جسکی چار پیڑھیاں حضور انور ﷺ کے سامنے مسلمان ہو گئے ہوں کسی صحابہ کا گھرانا ایسا نہ تھا یہ بات مشہور تھی کہ ایمان کے بھی بہت سے گھر ہیں اور نفاق کے بھی مگر مہاجرین میں سب سے اول ابوبکر کا گھر ایمان کے گھروں میں سے ہے اور انصار میں سے ابو بخار کا گھر ہے پھر شیعی علماء کا یہ کہنا کہ لوگوں نے ابو قحافہ سے یہ کہا تھا تمہارا بیٹا عمر میں سب صحابہ سے بڑا ہے یہ بھی محض غلط اور سراسر لغو ہے کیونکہ اُسوقت صحابہ میں سے ایسے آدمی تھے جو عمر میں ابوبکر سے بڑے تھے مثلاً عباس حضور انور سے بھی تین سال بڑے تھے اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حضور انور ﷺ ابوبکر سے بڑے تھے۔

ابو عمر بن عبد البر نے لکھا ہے کہ اسمیں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ جس وقت ابوبکر کا انتقال ہوا انکی عمر ۶۳ سال کی تھی یعنی اُس وقت وہ حضور انور ﷺ کے برابر ہوئے تھے۔ اب ابو قحافہ کے قول پر غور کرنا چاہیے اُن سے خود منقول ہے جب حضور انور ﷺ کی وفات ہوئی ہے تو سارے کے میں ہل چل مچ گئی اور ایک شور محشر برپا ہوا ابو قحافہ نے یہ شور سنکے پوچھا کہ کیا بات ہے بیان کیا گیا کہ رسول اللہ کی وفات ہوگئی ہے۔ ابو قحافہ نے سن کے کہا کہ یہ بڑا بھاری حادثہ ہے آپ کے بعد خلیفہ کون بنایا گیا ہے کہا تمہارا بیٹا۔ ابو قحافہ بولے کیا بنو عبد مناف اور بنو مغیرہ اس پر رضا مند ہوگئے۔ جواب دینے والے نے کہا ہاں اس پر ابو قحافہ نے کہا رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمانا سچ ہے۔ "**لا مانع لما اعطی وہ معطی لما منع**" یعنی خدا جسے کوئی چیز دے اُسے کوئی روکنے والا نہیں ہے اور جسے وہ نہ دے اُسے کوئی دینے والا نہیں ہے۔ شیعی علماء نے اجماع کا انکار کیا ہے اِسکے لیے پہلا جواب تو یہ ہے کہ جن صحابہ کے شیعی علماء نام لیتے ہیں ان میں سوائے سعد بن عبادہ کے کوئی شخص بیعت سے نہیں رہا تھا۔ ان سب کے بیعت ہو جانے پر تمام اہل نقل کا اتفاق ہے ہاں بنی ہاشم میں سے چند آدمیوں کی بابت کلام ہے کہ وہ چھ مہینے تک بیعت نہیں ہوئے مگر یہ صرف بعض کا قول ہے کثرت رائے اس طرف ہے کہ بنی ہاشم میں سے ایک شخص بھی باقی نہیں رہا تھا اور اگر ہم یہ تسلیم بھی کرلیں کہ بعض بنی ہاشم چھ مہینے کے بعد بیعت ہوئے تھے تو اس سے بھی اجماع میں کوئی خرابی پیدا نہیں ہوتی کیونکہ انکا بیعت ہونا بغیر کسی لالچ اور جبر وکراہ کے تھا۔ بعض کتابوں میں ابوبکر کا ایک خط نقل ہوا ہے اور یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ خط علی کے پاس بھیجا گیا تھا۔ مگر یہ درحقیقت ایک من گھڑت کہانی ہے خط کے مصنف کئی صدی کے بعد پیدا ہوئے اور اُنہوں نے اپنی طرف سے یہ خط بنا دیا تمام علماء نے اِس کے جعلی ہونے کا اقرار کیا ہے ہاں علی نے ایک خط ابوبکر کو بھیجا تھا اور وہ خط علی ہی کا ہے اور اس کو سب نے صحیح کہا ہے اُس کا مضمون یہ ہے علی۔ صدیق کو لکھتے ہیں۔ کہ اگر تم میرے مکان پر آجاؤ تو میں بیعت کرلوں گا۔ چنانچہ صدیق علی کے مکان پر گئے علی نے پہلے کچھ معذرت کی اور پھر بیعت ہوگئے۔ علی ہذا القیاس جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ علی نے بروقت بیعت نہیں کی تھی بلکہ چھ مہینے کے بعد وہ بیعت ہوئے تھے ہم اِسے بھی تسلیم کرتے

یہ ممکن ہے کہ علی کو بعض باتوں کا خیال ہوا ہو کیونکہ وہ انسان تھے اور انسان میں غلط فہمی کا پیدا ہونا محال نہیں ہے۔ جب تک فاطمہؓ زندہ رہیں علی مدینے میں سربرآوردہ لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔ اُن کی ہر شخص توقیر کرتا تھا اور انہیں عزت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ فاطمہؓ کی وفات ہوتے ہی اُن کی بات میں بہت بڑا فرق آ گیا۔ کیونکہ صحابہ میں ذاتی طور پر انہیں کوئی وجاہت حاصل نہیں تھی جو کچھ وجاہت حاصل تھی صرف فاطمہ کی وجہ سے تھی۔ علی اپنی اس حالت کو اچھی طرح محسوس کرتے تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ فاطمہ کی وفات سے میری بات قوم میں وہ نہیں رہی تو انہوں نے ابوبکر سے صلح کر لینی بہت ہی مناسب خیال کی علی کو فقط ایک غلط فہمی ہو گئی تھی اور اس غلط فہمی کی وجہ سے وہ اس قدر رکے رہے۔

فاطمہؓ کی وفات کے بعد علی نے صدیقؓ کو بذریعہ قعد کے یہ پیغام دیا کہ اگر آپ میرے مکان پر تشریف لائیں تو بہت ہی مناسب ہے مگر شرط یہ ہے کہ آپ تنہا ہوں اور دوسرا شخص آپ کے ساتھ نہ ہو۔ صدیق بغیر کسی پس و پیش کے علیؓ کے پاس گئے ادھر اُدھر کی باتیں ہونے کے بعد علی نے کہا صدیق ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ ہم سے افضل ہیں اور یہ فضیلت آپ کی خداداد ہے جسے ہم تسلیم کرتے ہیں۔ ہمیں فقط اتنا خیال ہے کہ جب رسول اللہ سے ہماری ایک بہت بڑی قرابت داری ہے اسکی وجہ سے اخلاقی طور پر ہم اپنا یہ حق سمجھتے ہیں کہ خلافت کے مشورے میں ہمیں بھی شریک کیا جاتا۔ مگر آپ نے مجھے اس وقت طلب نہیں کیا اس کا جواب صدیق نے اس معقول طریقے سے دیا کہ علی کو تسکین ہو گئی صدیق کی آنکھوں سے آنسو برابر رواں تھے آپ نے اسی رقت انگیز حالت میں یہ کہا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ مجھے اپنے قرابت داروں سے رسول اللہ کے قریب دار زیادہ محبوب ہیں۔ میں اپنے قرابت داروں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے قرابت داروں سے زیادہ ہرگز سلوک اور صلہ رحمی نہیں کر سکتا۔ باقی یہ باتیں جو ہمارے تمہارے درمیان میں ہو گئی ہیں میں نے اپنے نزدیک تو حق میں کبھی کوتاہی نہیں کی نہ میں نے ایسا کوئی کام چھوڑا جو رسول اللہ ﷺ کو کرتے دیکھا تھا غرض ان سب باتوں کے ہونے کے بعد حضرت علی نے کہا کہ آج ظہر کے وقت میں تم سے بیعت ہو جائے گا۔ چنانچہ صدیق اکبر ظہر کی نماز پڑھ کے منبر پر چڑھے اول علی کی تعریف کی پھر ان کا بیعت سے رہ جانا اور اس میں جو کچھ علی نے عذر و معذرت کی تھی

وہ سب بیان کر دی اِس کے بعد علی کھڑے ہوئے اور اُنہوں نے یہ بیان کیا جو کچھ ہوا ہے اسکی وجہ یہ نہیں تھی کہ ہم ابوبکر کو خلافت کے قابل نہیں سمجھتے یا ہم نے ان کی اس فضیلت سے انکار کیا۔ جو اللہ تعالیٰ نے انہیں دی ہے۔ بلکہ ہم یہ سمجھ رہے تھے کہ اِس کام میں ہمارا بھی حصہ ہے۔ صلاح مشور میں ہمیں بھی شریک کیا جائے گا۔ اِس خیال سے ہمیں ایک گونا مایوسی ہوئی۔ مگر جب ابوبکر صدیق سے میری باتیں ہوئیں تو اُنہوں نے میرا پورا اطمینان کر دیا اب مجھے کوئی وجہ شکایت نہیں ہے یہ سن کے سب مسلمان خوش ہوئے اور اُنہوں نے حضرت علی کی صفائی کی داد دی؟ وہ اجماع جو امامت میں معتبر ہے اُس میں ایک دو آدمیوں کا اختلاف یا ایک چھوٹی سی جماعت اختلاف کرنا کوئی اثر نہیں رکھتا کیونکہ اگر ایسے خفیف اختلاف کا خیال کیا جائے تو پھر کسی کی امامت پر کوئی اجماع منعقد نہیں ہوسکتا۔ اور نہ تمام دنیا میں آج تک کوئی ایسا واقعہ ہوا یہ بات قانون قدرت کے بالکل خلاف ہے کسی کی امامت بادشاہت یا حکومت پر ایسا اجماع آج تک نہیں ہو کہ اُس میں سب ہی متفق ہوں تمام دنیا کی تاریخ ہمارے سامنے کھلی ہوئی موجود ہے آج کل کی متمدن ممالک کی ہر ایک امر کا کثرت رائے پر فیصلہ کیا جاتا ہے کوئی مسئلہ خواہ ملک گیری سے تعلق رکھتا ہو یا وضع قانون سے سب مشورہ دینے والوں کا الف سے لیکے یے تک اُس پر اتفاق نہیں ہوا کرتا۔ موجودہ زمانہ میں انگلستان اور فرانس کا بیت العوام ہمارے آگے موجود ہے۔ جب سے یہ دونوں پارلیمنٹیں قائم ہوئی ہیں۔ آج تک کیا کوئی شخص بتا سکتا ہے کہ فلاں مسئلے پر فلاں وقت کل ممبروں نے اتفاق کرلیا اور کسی نے اختلاف نہیں کیا نہیں ہرگز نہیں کوئی شخص نہیں کہہ سکتا امامت ایک کام ہے اِن میں کسی ایک یا دو شخص کا اپنے کسی ذاتی غرض سے اختلاف کرنا عامۂ مسلمین اتفاق پر کوئی اثر نہیں ڈال سکتا۔ مثلاً سعد بن عبادہ کا یہی خیال تھا کہ انصار میں سے کوئی خلیفہ مثل مہاجرین کے انتخاب کیا جائے اور وہ اخیر تک اپنے اسی خیال پر قائم رہا۔ یہی وجہ ہوئی کہ وہ صدیق اکبر کے ہاتھ پر بیعت نہیں ہوئے۔ اسی طرح حضرت علی کا یہ خیال کہ مجھے مشورے میں کیوں نہیں کیا گیا۔ اجماع پر کوئی اثر نہیں رکھتا۔ اِس بحث کا دوسرا پہلو یہ بات سمجھنے کی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی خواہش کی وجہ سے کسی چیز کو چھوڑ دے تو اُس کا چھوڑنا اس اجماع کے خلاف جو احکام عامہ پر مبنی ہو کچھ مؤثر نہیں سمجھا جاتا۔ مثلاً ایجاب دختاریم یا اور اباحت اگر اس میں ایک دو آدمی بھی مخالف ہو

جائیں تو اُن کے اس خلاف کا اعتبار کیا جائے گا یا نہیں۔ اسمیں علماء کے دو قول ہیں مثلاً امام احمد کہتے ہیں کہ ایک یا دو کے خلاف کا اعتبار کیا جائے گا۔ اس رائے میں محمد بن جریر طبری بھی امام احمد کے ساتھ ہیں اور بھی بہت سے علماء ہیں جو اس قول کی تائید کرتے ہیں دوسرا قول یہ ہے کہ ایک یا دو کے خلاف کا احکام میں اعتبار کیا جائے گا۔ یہ قول اکثر فقہا کا ہے۔ مگر اس میں اور امامت میں فرق ہے اور وہ فرق یہ ہے کہ حکم تو ایک چیز ہے جس میں دونوں شامل ہیں۔ مثلاً اگر ایک شخص ایک چیز کے واجب ہونے کا قائل ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ وہ چیز مثل دوسرے کے اپنے اوپر بھی واجب کرتا ہے۔ علی ہذا القیاس اگر کوئی شخص کسی چیز کے حرام ہونے کا قائل ہے تو وہ اپنے اوپر بھی اس کو حرام کرتا ہے اور دوسرے پر بھی لہٰذا ایسے حکم میں اختلاف کرنے والے پر تہمت نہیں لگ سکتی۔ اس لئے اگر خصائص میں حضور انور ﷺ سے کوئی شخص ایک حدیث روایت کرے تو اس کی روایت مقبول ہو جاتی ہے اگرچہ وہ اس میں خصم ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ وہ حدیث عام ہے۔ اس میں دونوں شریک ہیں۔ لہٰذا یہ محدث جس نے یہ حدیث روایت کی ہے۔ آج اگرچہ اس حدیث کا نفع لے رہا ہے مگر کل یہی محکوم علیہ ہو جائے گا۔ پھر اس کے حق میں بھی اس حدیث کا ویسا ہی حکم ہوگا جیسا کروڑوں کے حق میں ہے۔ بخلاف اپنی گواہی دینے کے وہ مقبول نہیں ہوتی اس لئے کہ یہ خصم ہے اور خصم گواہ نہیں ہو سکتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ ایک خاص کی امامت پر اجماع ہونا ایک عام کلی امر پر حکم نہیں ہے اس کے علاوہ یہ بات بھی دیکھنے کی ہے کہ جب ایک شخص ایک مشہور نص کی مخالفت کرے تو اس کی مخالفت شاذ ہوگی۔ جیسے سعید بن مسیب کا اس بارے میں خلاف کرنا کہ جب تین طلاق والی عورت نے دوسرا نکاح کر لیا تو وہ محض نکاح کرتے ہی پہلے شوہر کے لئے مباح ہو جاتی ہے۔ صحیح صحیح حدیثیں چونکہ اس کے خلاف وارد ہوئی ہیں۔ اس لئے اس کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔ اسی طرح سعد بن عبادہ کا یہ مقصود تھا کہ انصار میں سے ایک آدمی کو ضرور خلیفہ کر دیں مگر بہت سی نصوص جو حضور انور ﷺ سے مروی ہیں وہ اس پر دلالت کرتی ہیں کہ خلیفہ قریش ہی میں سے ہونا چاہئے اس کا بھی اعتبار نہیں ہوئے گا۔

دوسرا جواب: اگر بفرض محال ان لوگوں کا خلاف بھی مان لیا جائے جن کا شیعی علماء نے ذکر کیا ہے

تو اس سے خلافت کے بارے میں فقط اہل شوکت اور ان جمہور کا اتفاق ہو جانا شرط ہے جن کی وجہ سے اس کام کا قیام ہو۔ اس طرح پر کہ ان کے ذریعہ سے امامت کے مقاصد پورے ہوتے رہیں۔ حضور انور ﷺ ارشاد کرتے ہیں۔ علیکم بالجماعۃ فان یداللہ علی الجماعۃ۔ یعنی جماعت کے ساتھ رہنا کیونکہ جماعت پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہوتا ہے۔ پھر حضور انور ﷺ فرماتے ہیں۔ ان الشیطان مع الواحد وھو من الاثنین ابعد۔ یعنی شیطان اکیلے کے ساتھ ہوتا ہے اور دو سے بھی بہت قریب رہتا ہے۔ پھر حضور انور ﷺ نے ارشاد کیا۔ ان الشیطان ذئب الانسان کذئب الغنم والذئب انما یاخذ الشاذۃ القاصیۃ۔ یعنی شیطان انسان کا بھیڑیا ہے۔ جیسا کہ بکریوں کا بھیڑیا ہوتا ہے۔ بھیڑیا بچھڑی ہوئی بکری کو پکڑا کرتا ہے۔ اسی طرح شیطان کے قابو میں وہی شخص پڑ سکتا ہے جو جماعت سے علیحدہ ہو گیا ہو کیونکہ خدا کا ہاتھ اس کے ساتھ نہیں ہوتا۔

تیسرا جواب: یہ بات دیکھنے کی ہے کہ ابوبکر کی خلافت پر امت کا اجماع ہونا علی سے بیعت ہونے پر امت کے اجماع ہونے سے بدرجہا بڑھ کے ہے۔ کیونکہ جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں علی سے بہت کم بیعت ہوئے تھے۔ اور جن لوگوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی انھوں نے اُن ہی سے جنگ کی اور اُنکا مقابلہ کیا بہت لوگوں نے علی سے جنگ تو نہیں کی مگر بیعت بھی نہیں ہوئے۔ اب یہ بات صاف طور پر معلوم ہو گئی کہ اگر امت میں سے چند آدمیوں کے بیعت نہ کرنے کے باعث ابوبکر کی امامت پر اعتراض ہو سکتا ہے۔ تو علی کی امامت پر اس سے بھی زیادہ وجوہات سے بدرجہ اولیٰ اعتراض ہوگا اب اگر کوئی یہ کہے کہ جمہور امت نے علی سے جنگ نہیں کی۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ جمہور امت نے علی سے جنگ نہیں کی یا کہے کہ اہل شوکت نے اُن سے بیعت کر لی تھی۔ تو یہ عہد صدیق کے حق میں بدرجہ اولیٰ کہا جائے گا۔ اور اگر شیعی علماء یہ کہیں کہ علی کی امامت نص سے ثابت ہو چکی ہے اس میں اجماع ہونے یا لوگوں کے بیعت ہونے کی ضرورت نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ نصوص تو ابوبکر کی خلافت پر دلالت کرتی ہیں نہ کہ علی کی خلافت پر۔ اس کی بابت پہلے ہم بحث کر چکے ہیں اور اگر ضرورت انشاءاللہ اس پر مزید روشنی ڈالیں گے اور یہ بھی بیان کریں گے کہ سب نصوص ابوبکر ہی کی خلافت پر دال ہیں اور اس پر بھی کہ خلفاء ثلاثہ کے زمانہ میں علی ہرگز ہرگز خلیفہ نہ تھے۔ اس سے یہ بات بدرجہ

ان سے ثابت ہو جائے گی کہ ابوبکر کی خلافت اجماع ہونے کی محتاج نہ تھی۔ بلکہ اس کے صحیح ہونے پر اور اس کے مناقض کی نفی پر بہت سے نصوص دال ہیں۔

چوتھا جواب: شیعی علماء سے یہ دریافت کیا جائے کہ صدیق کی امامت میں گفتگو کس بنا پر ہے اگر اس کے وجود میں ہے یعنی اس امر میں کہ صدیق کی امامت ہوئی یا نہیں تو یہ تواتر سے معلوم و مشہور ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ ابوبکر بے شک اس خلافت کے والی حضور انور ﷺ کے قائم مقام اور اس امت میں آپ ﷺ کے خلیفہ ہوئے ہیں۔ انھوں نے حدود کو قائم کیا حقوق کو ادا کرایا کفار اور مرتدین سے جہاد کیا۔ غنائم تقسیم کئے غرض وہ سب کام کئے جو امام کیا کرتا ہے۔ بلکہ اس امت میں امامت کی بنیاد انہی سے پڑی ہے سب سے پہلے وہی امام ہوئے ہیں اگر شیعی علماء کا مقصود ہے کہ وہ مستحق نہ تھے تو اس کے اجماع کے سوا بے شمار دلیلیں ہیں بلکہ جس دلیل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ علی امامت کے مستحق تھے اسی دلیل سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ابوبکر بھی امامت کے مستحق تھے بلکہ یہ بھی کہ علی وغیرہ سے امامت کے زیادہ حقدار تھے۔ اس وقت اس بارے میں اجماع کی ضرورت نہیں ہے نہ پہلی صورت میں نہ اس دوسری صورت میں اگرچہ اجماع یقیناً ہو چکا ہے۔

کیا اجماع اصل دلیل نہیں ہے: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ اگر ابوبکر کی امامت پر اجماع ہو بھی گیا تو اجماع کوئی اصل دلیل نہیں ہے بلکہ اجماع کرنے والوں کو ایک دلیل کو مستند کرنا یعنی اُسے سند بنانا ضروری ہے یہاں تک کہ اس پر سب کا اتفاق ہو جائے ورنہ وہ اجماع خطا ہوگا اور وہ دلیل یا تو عقلی ہوگی یا نقلی کی رو سے تو ابوبکر کی امامت پر کوئی دلیل نہیں ہے اب رہی عقلی دلیل تو اہل سنت والجماعت کے نزدیک یہ مسلم ہے کہ حضور انور ﷺ وصال ہو گیا اور آپ ﷺ نے کوئی وصیت نہیں فرمائی نہ کوئی امام مقرر کیا باقی قرآن میں بھی کسی کے امام وغیرہ امام ہونے کا ذکر نہیں ہے اب اگر ابوبکر کی امامت پر اجماع ہوا بھی تو وہ خطا ہے دلیل کسی طرح نہیں بن سکتا۔

جواب: پہلا جواب شیعی علماء کا یہ کہنا کہ اجماع کوئی اصل دلیل نہیں ہے۔ اس سے کیا مراد ہے اگر یہ مراد ہے کہ اجماع کرنے والوں کے حکم کو ماننا اور اس کی اطاعت کرنا واجب نہیں ہے۔ بلکہ اس طرح

واجب ہے کہ وہ اللہ کے اور اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کی ایک دلیل ہے تو یہ کہنا بے شک صحیح ہے لیکن یہ ہمارے مدعا میں کچھ مضر نہیں ہے اجماع تو ایک طرف رہا رسول ﷺ کے حکم کی بھی یہی کیفیت ہوتی ہے یہ اس کی اطاعت بھی لذاتہ واجب نہیں ہوتی بلکہ اس لئے ہوتی ہے کہ جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی پس حقیقت میں لذاتہ اطاعت اللہ کے سوا اور کسی کی نہیں ہوتی وہی خالق ہے وہی حاکم ہے وہی مالک ہے اُس کے سوا اور کسی کی حکومت نہیں ہے ہاں رسول ﷺ کی اطاعت اس وجہ سے بیشک واجب ہے کہ آپ ﷺ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ اسی طرح اجماع کرنے والے مسلمانوں کی بھی اطاعت کرنی واجب ہے صحیحین میں حضور انور ﷺ سے ثابت ہے آپ ﷺ نے فرمایا تھا۔ ”من اطاعنی فقد اطاع اللہ من اطاع امیری فقد اطاعنی ومن عصانی فقد عصی اللہ و من عصی امیری فقد عصانی“ یعنی جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میرے حاکم کی اطاعت کی اُس نے میری اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اُس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے میرے حاکم کی نافرمانی کی اُس نے میری نافرمانی کی۔ بہت سی دلیلوں یعنی بدیہات سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اس اُمت کا گمراہی پر کبھی اجماع نہیں ہونے کا بلکہ یہ اُمت جس چیز کے کرنے نہ کرنے کا حکم کریگی تو وہی حکم اللہ اور اللہ کے رسول کا بھی ہوگا۔ اب دیکھو اُمت نے امامت کے بارے میں ابوبکرؓ کی اطاعت کرنے کا حکم دیا تو اس سے یقیناً معلوم ہو گیا بس اللہ کا اور اللہ کے رسول کا بھی یہی حکم ہے۔ لہٰذا جس نے ابوبکر کی نافرمانی کی وہ یقیناً اللہ کا اور اللہ کے رسول کا نافرمان ہو گیا۔ اس کے علاوہ اگر شیعی علماء کی یہ مراد ہے کہ اجماع کبھی حق کے موافق ہوتا ہے اور کبھی مخالف اور مقصود یہی ہوتا ہے تو یہ اُن کی طرف سے اجماع کی حجت ہونے میں نقص نکالنا ہے اور یہ گویا اس امر کے مدعی ہیں کہ کبھی ساری اُمت کا اجماع گمراہی اور خطا پر بھی ہو جاتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ علی کا معصوم امام ہونا اور اس کے سوا اور بہت سے امامیہ اصول ایسے ہیں جو شیعوں نے اجماع ہی سے ثابت کئے ہیں کیونکہ یہ اپنے اصول دین میں جب عقلیات کا ذکر کرتے ہیں تو اُن کا دارومدار اجماع پر اور اُن کے نقل ہی کرنے پر ہوتا ہے چنانچہ یہ کہتے ہیں کہ عقل سے یہ معلوم ہوا کہ آدمیوں کے لیے ایک معصوم امام اور منصوص علیہ ہونا ضروری امر ہے اور

بلا اجماع علی کے سوا نہ کوئی اور معصوم ہے اور نہ منصوص علیہ ہے لہذا علی ہی معصوم ہوئے۔ اِس کے سوا شیعوں کی حجتوں اور دلیلوں کے اور بہت سے مقدمے ہیں جنکا دارومدار اجماع ہی پر ہے اِس بحث کے بعد ہم شیعی علماء سے کہتے ہیں کہ اگر اجماع حجت نہیں ہے تو تمھاری یہ سب حجتیں باطل ہو جائیں گی اور جو اصول تم نے اجماع پر مرتب کئے تھے وہ سب باطل بے کار اور غلط ہو جائیں گے۔ اس لئے اس سے تمہارے قول کا بھی بطلان ہوتا ہے۔ اور اس کے بطلان سے اہل سنت والجماعت کا مذہب ثابت ہو جائے گا اور یہی مطلوب ہے۔ اور اگر شیعی علماء یہ کہیں کہ ہم قطعی طور پر سے اجماع کو چھوڑتے ہیں اور اپنے اصول کے کسی مسئلہ میں بھی اِس سے حجت نہیں لاتے کیونکہ ہمارے مذہب کا دارومدار عقل پر اور ائمہ معصومین کے نقل ہونے پر ہے تو اِس کا جواب ہم یہ دیں گے کہ جب تم نے اجماع سے حجت نہ کی تو اب تمھارے پاس صرف حجت سمیعہ کے اور کوئی دلیل نہ رہی۔ یہی سوائے اِس نقل کے جو حضور انور ﷺ سے معلوم ہوئی ہو وہ یہ کہ وہ روایتیں جو علی وغیرہ ائمہ سے نقل کی جاتی ہیں حجت نہیں ہو سکتیں۔ جب تک اُن لوگوں میں سے ہمیں کسی کی عصمت نہ معلوم ہو جائے۔ عصمت معلوم ہونے کے بعد وہ بے شک حجت ہو جائیگی مگر ان میں سے کسی کی عصمت بھی ایسی نقل سے کہیں ثابت نہیں ہوتی۔ جو عصمت کے علم رکھنے والے سے منقول ہو ہاں رسول اللہ کی عصمت بیشک معلوم ہے۔ جب تک شیعی علماء کی ایسی نقل نہ ثابت ہو جو حضور انور ﷺ سے معلوم ہوئی ہو تو تمھارے پاس اس وقت حجت سمعیہ کوئی نہ ہوگی۔ نہ اصولِ دین میں نہ فروع دین میں۔ اس وقت علی کی خلافت کا تمھیں نص سے دعوے کرنا پڑے گا۔ اب اگر تم اِس نص کو اجماع سے ثابت کرو گے تو یہ صریحاً باطل ہے۔ اس لئے کہ اجماع کے حجت ہونے کا تم انکار کر چکے ہو۔ اور اگر اس نص کو تم نے ایسی نقل سے ثابت کیا جو خالص تمھارے ہی بعض آدمیوں نے روایت کی ہے تو اس کا باطل ہونا بھی کئی طرح سے ظاہر ہے۔ اِن امور میں جو شخص فکر وغور کرے گا اُسے یہ بات روز روشن کی طرح ظاہر ہو جائے گی کہ جس مسئلہ میں امامیہ جمہور سے الگ ہو کے کسی خاص راہ کی طرف جاتے ہیں اُس وقت انجام کار انکے پاس کوئی حجت نہیں رہتی۔ نہ عقلی نہ سمعی نہ نص نہ اجماع بلکہ اُن کا اصل مدعا ایک جھوٹی نقل کے دعوے پر مبنی ہوتا ہے۔ جس کے غلط ہونے کو ہر شخص معلوم کر سکتا ہے یا کسی ایسی نص کی دلالت کا دعوے یا ایسا قیاس ہوتا ہے جس

سے یہ معلوم ہو جائے کہ اصل میں ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے یہ تمام اہل بدعت مثلاً خوارج اور معتزلہ جنکا تحقیقات کے وقت کوئی مرجع کسی حجت صحیحہ کی طرف نہیں ہوتا نہ عقلیہ کی طرف نہ سمعیہ کی طرف بلکہ اُن کی حجتیں محض ان کے شبہات ہوتے ہیں تو بھی یہ ماننا پڑے گا کہ ان کی یہ حجتیں شیعوں کی عقلی اور سمعی حجتوں سے کہیں زیادہ قوی ہوتی ہیں سمعی تو اس لئے کہ وہ قصداً جان بوجھ کر جھوٹ نہیں بولتے۔ عقلی اسلیئے کہ نصوص صحیحہ میں اُن کے شبہے شیعوں کے شبہوں سے بدرجہا قوی ہوتے ہیں اسکے علاوہ یہ تمام اہل بدعت حدیث اور آثار سے خوب ماہر ہوتے ہیں۔ مگر اُن کے مقابلہ میں ہمارے دوست شیعہ نور علی نور ہیں۔ واللہ باللہ ثم باللہ ہم سچ کہتے ہیں کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کے حالات سے واقف ہمیں کوئی شیعی عالم نظر نہیں آیا۔ خود ان کی کتابیں اس کی شاہد موجود ہیں۔ جہاں تک مجھے تحقیق ہوا ہے اور میں نے شیعی مذہب کی کتابیں دیکھی ہیں بس میرا ہی دل جانتا ہے۔ کتاب شہادت کے اخیر کے حصہ میں چند مشہور معروف کتابوں کا خلاصہ کرونگا جس کے پڑھنے سے پڑھنے والے کو یہ معلوم ہوگا کہ بوستان خیال کی ہم کوئی جلد پڑھ رہے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اجماع کی دو صورتیں اور شیعی علماء کی حجتیں: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ اجماع کی دو صورتیں ہیں یعنی یا تو اُس میں کل اُمت کا قول معتبر ہوگا اور یا بعض کا کل کا تو نہ ہونا صاف ظاہر ہے کیونکہ ساری اُمت کا اجتماع ہی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ سارے اہل مدینہ کا ہی اجتماع نہیں ہو سکتا اور اگر اُس میں بعض کا قول ہونا معتبر ہے تو عثمان کے قتل کرنے پر اکثر کا اجماع ہو گیا تھا۔ لہٰذا اس اجماع کے ماننے پر وہ بھی جائز اور شریعت کے موافق ہونا چاہئے۔ انتہٰی۔

جواب: یہ بھی عجب تماشہ ہے کہ جس حجت کو شیعی علماء ابوبکر کے لیئے کمزور قرار دیتے ہیں اپنی ضرورت کے لئے موقع پر اُسی حجت کو خوب مضبوط کر کے دکھاتے ہیں۔ خود اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ساری امت تو ایک طرف رہی اہل مدینہ کا بھی کسی ایک بات پر اجماع ہونا محال ہے۔ پھر وہ کس منہ سے کہتے ہیں۔ کہ ابوبکر کی امامت پر چونکہ ساری اُمت کا اجماع نہیں ہوا تھا۔ لہٰذا وہ قابل قبول نہیں ہے۔ ہم نے تو خود اپنے گزشتہ صفحات میں لکھا کہ ہمیشہ کثرت رائے پر کل امور کا فیصلہ ہوا

کرتا ہے اور اُسی کو اجماع قوم یا امت قرار دیا جاتا ہے اِسکے علاوہ سب سے زیادہ اہل شوکت کا ایک بات کو مان لینا عوام کے مل کے ماننے سے بدرجہا قوی ہے۔ کیونکہ ان ہی اہل شوکت کے ہاتھ میں جہانداری کی باگ ہوتی ہے اور یہی کل امور ملکی فوجی اور مالی کا انصرام کرتے ہیں. پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ اہلِ شوکت کے اجماع کو کیوں امت کا اجماع نہ کہا جائے اور کیوں یہ تسلیم نہ کرلیا جائے کہ جس بات کی اہل شوکت نے تائید کی ہے۔ اُسکی موئید یقیناً ساری امت ہے۔ اب بحث کا دوسرا پہلو امامت پر اجماع ہونے سے اگر وہ اجماع مقصود ہے جس کے ذریعہ سے امامت منعقد ہوجائے تو اس میں فقط اہل شوکت کی موافقت کا اعتبار ہے اس طرح پر کہ اِن کے سبب سے امامت کے مقاصد جاری ہونے لگیں یہاں تک کہ جب اہل شوکت کے افراد کی تعداد کم ہو اور باقی اُن کے موافق ہوں تو محض اُن کم تعداد کے بیعت ہوجانے سے امامت حاصل ہوجائے گی. کل مسلمانوں کا ٹھیک قول یہی ہے اور یہی مذہب امام احمد وغیرہ ائمہ مجتہدین کا ہے. ہاں اہل کلام یعنی متکلمین اہل اجماع کی علیحدہ علیحدہ ایک تعداد مقرر کردی ہے مگر یہ اُن کی محض لغویت اور بیہودگی ہے. دوسری صورت دیکھو اگر اِس اجماع کے ہونے سے استحقاق اور اولوہیت پر اجماع ہونا مراد ہے خواہ اکثر کا ہو یا جمہور کا ہو تو یہ بیشک معتبر ہے. الحمد اللہ کہ ابوبکر کی خلافت پر یہ تینوں اجماع حاصل ہیں۔ اب رہا عثمان کا معاملہ اُسے ہم بالتفصیل گزشتہ صفحات میں لکھ چکے ہیں. ہر شخص جانتا ہے کہ عثمان کے شہید کرنے پر فقط ایک چھوٹی سی جماعت کا اتفاق ہوا تھا وہ بھی مصر کے چند باغیوں کی ایک جماعت تھی جو ساری امت کا ایک لاکھواں حصہ بھی نہ تھی. اس پر بھی اجماع اجماع کہے جانا کتنا بڑا تماشہ ہے۔ دیکھو علی کا لشکر جس نے خود علی سے مقابلہ کیا قاتلوں میں سے نہ تھے بلکہ عثمان کا قاتل علی کے لشکر کی ایک چھوٹی سی جماعت تھی اور یہ وہی جماعت تھی جسے ہم مصری باغی کہتے ہیں۔

اجماع کے دلیل نہ ہونے کی دوسری شیعی وجہ: پھر شیعی علماء فرماتے ہیں کہ اُمت میں ہر ایک سے غلطی اور خطا ہونی جائز ہے لہٰذا اجماع کے وقت جھوٹ بولنے سے اُن کی حفاظت کرنے والا کون ہے اور اجماع پر اعتماد کر لینے کی کیا ضرورت ہے۔

جواب: یہ ہر شخص جانتا ہے کہ جب اجماع ایسی صفات سے ہو جائے کہ جو صفات احد میں یعنی ہر فرد واحد میں نہ ہوں تو پھر اجماع کے حکم کو مثل ایک حکم کے کر دینا جائز نہیں ہے کیونکہ خبر دینے والوں میں سے ہر واحد سے غلطی ہونی اور جھوٹ ہونا تو ممکن ہے لیکن جب ایک ہی خبر اتنے آدمی دیں کہ وہ تواتر کی حد کو پہنچ جائے تو پھر اُن پر غلطی اور جھوٹ کا احتمال نہیں ہو سکتا مثلاً ایک لقمہ سے شکم سیری نہیں ہوتی اور ایک گھونٹ سے پیاس نہیں بجھتی اور شراب کی ایک پیالی سے چنداں نشہ نہیں ہوتا لیکن جب ان کی تعداد زیادہ ہو جائے گی تو لقمے شکم سیر کر دیں گے. گھونٹ پیاس بجھا دیں گے. اور شراب کی پیالیاں نشہ کر دیں گی. علیٰ ہذا القیاس ایک ایک آدمی جنگ نہیں کر سکتا اور جب بہت سے ہو جاتے ہیں تو اُنکا ایک لشکر بن کے اُن میں جنگ کی قوت ہو جاتی ہے. غرض یہ ہے کہ کثرت. قوت اور علم وغیرہ کے زیادہ ہونے میں ضرور اثر کرتی ہے. اِسی واسطے حساب میں ایک یا دو آدمیوں سے تو غلطی ہو جاتی ہے لیکن جب بہت سے ہوتے ہیں تو پھر ویسی غلطی نہیں ہوتی جو ایک یا دو کے ہونے میں ہوتی تھی. اِسی لئے حضور انور ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے۔

ہم بالاضطرار اور یقیناً جانتے ہیں کہ دو آدمیوں کا علم یعنی ایک چیز کو دو آدمیوں کا جاننا اُن ہی میں آدمی کے جاننے سے بیشک زیادہ ہے اور دو آدمیوں کی قوت ایک آدمی کی قوت سے بیشک زیادہ ہوتی ہے.

جیسا کہ اُردو میں یہ مشہور مقولہ ہے کہ دو چون کے بھی بُرے ہوتے ہیں. اِس سے یہ نتیجہ باآسانی نکل آیا کہ اکیلے پن کی حالت میں غلطی ہونے سے کثرت کی حالت میں ایسی غلطی ہونا ہرگز لازم نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے. اِنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى. (بقرہ:۲۸۲)

یعنی اگر ایک بھول جائے گی تو ایک دوسری کو یاد دلا دیگی۔ دیکھو روزمرہ کا مشاہدہ ایک آدمی سے تو پہلی تاریخ کے چاند کے دیکھنے میں غلطی ہو جاتی ہے بعض وقت اُس کا خیال بندھ جاتا ہے اور اُسے ایک روشن لکیر سی افق پر معلوم ہونے لگتی ہے لیکن بہت سے آدمیوں سے ایسی غلطی کا ہونا امکان سے باہر ہے اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ جب بہت سے مسلمان جمع ہوں تو اُن سے فواحش اور ظلم کے اسباب بہ نسبت اُن کے کم ہوں گے جن کی تعداد کم ہو کیونکہ اجتماع کی حالت میں شریعتِ اسلام کی

مخالفت پر سب جمع نہ ہوں گے۔ جیسا کہ ایک یا دو کر لیتے ہیں۔ کثرت پر ضرور ایک دوسرے سے شرمائے گا کیونکہ اجتماع اور تمدن بغیر منصفانہ قانون کے ممکن ہی نہیں لہٰذا یہ کیونکر ہو سکتا تھا کہ سب اہل مدینہ عام طور پر ظلم کرنے پر متفق ہو جائیں اگر ایسا ہو تو اُن کی زندگی کسی طرح زندگی نہیں ہو سکتی. دیکھو جب کوئی حاکم کسی رعیت پر ظلم کرتا ہے تو ضرور ایسا ہوتا ہے کہ اس کے ظلم کرتے وقت اُس مظلوم کے ساتھی اُس پر ظلم نہیں کرتے اور یہ بات بھی صاف ظاہر ہے کہ مجموعہ کا حکم افرد کے حکم کے خلاف ہوتا ہے. چاہے وہ مجموعہ اعیان کا ہو یا اعراض کا منجملہ بے انتہا مثالوں کے محسوسات میں ایک مثال یہ ہے کہ اگر ایک تیر ہو تو وہ توڑنے سے ٹوٹ جاتا ہے اور اگر بہت سے ہو جائیں تو نہیں ٹوٹتے. تیر تو تیر ایک دھاگے کو دیکھو کہ زیادہ تعداد ہونے پر ایک پہلوان بھی اُن دھاگوں کو نہیں توڑ سکتا یہ باتیں ایسی معمولی ہیں کہ ہر شخص خواہ وہ کچھ بھی پڑھا لکھا نہ ہو۔ انھیں اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔ اِس کے علاوہ اگر اجماع کی یہی کیفیت ہے کہ اس میں غلطی اور خطا ہونے کا اطمینان نہیں ہو سکتا تو پھر علی کا معصوم ہونا کسی طرح بھی ثابت نہ ہوگا۔ کیونکہ شیعی عالم اِسے اجماع سے مانتے ہیں اور خود یہ بیان کر رہے ہیں اجماع ہونا کسی طرح بھی ممکن نہیں ہے اور جب اجماع میں غلطی اور خطا ہو سکتی ہے تو پھر یہ کیوں نہیں ہو سکتا کہ امت میں اُن کے سوا اور کوئی بھی معصوم ہو اور اب یہ یقین نہ رہا کہ معصوم وہی ہیں. یہ بات اس سے ثابت ہو گئی کہ شیعوں نے جو اجماع میں قدح کی ہے خود ہے اپنی بنیاد کو کھود ڈالا ہے۔ پھر بھی معصوم کی امامت پر بھروسہ کئے ہوئے ہیں. امام معصوم ہونا ادھر باطل ہو رہا ہے۔ اُدھر اس باطل ہونے سے شیعی مذہب ہیولہ سے بھی گر رہا ہے۔ اور اگر شیعی علماء اجماع کو تسلیم کرتے ہیں تو یہ بھی ان کے مذہب میں سخت انتشار پیدا کرنے والی بات ہوگی۔ لہٰذا ان دونوں صورتوں میں شیعی علماء کی حجتوں کا ابطلان ہو گیا۔

کیا علی کی امامت نص سے ثابت ہے: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ ایک نص کا ثبوت جو امیر المومنین علی کی امامت پر دال ہے ہم بیان کر چکے ہیں. اب اگر اس کے خلاف پر صحابہ نے اجماع کر لیا تو وہ اجماع خطا ہوا. کیونکہ وہ اجماع جو نص کے خلاف ہو اہل سنت والجماعت کے نزدیک یقیناً غلط اور خطا ہوتا ہے۔ فقط

پہلا جواب: ہم ان دلائل کا باطل ہونا پہلے اچھی طرح ثابت کر چکے ہیں جو اس پر دال ہیں کہ خلفاء ثلاثہ علی سے امامت میں مقدم تھے۔

دوسرا جواب: تمام نصوص اسی پر دلالت کرتی ہیں کہ خلفاء ثلاثہ امامت میں علی سے مقدم تھے۔

تیسرا جواب: مشہور اجماع قطعی حجت ہوتا ہے نہ کہ کسی خاص کر اس حالت میں جبکہ بہت سی نصوص بھی اس کے موافق ہوں پس اگر ایک ایسی خبر کا وارد ہونا مان لیا جائے کہ جو اجماع کے خلاف ہے تو باطل اور غلط ہوگی یا اس وجہ سے حضور انور ﷺ نے ایسا نہیں فرمایا اس وجہ سے کہ اس میں کسی قسم کی دلالت نہیں ہے۔

چوتھا جواب: مشہور نص اور اجماع میں تعارض ہونا ممتنع ہے۔ کیونکہ یہ دونوں قطعی حجت ہیں اور قطعیات میں تعارض ہونا جائز نہیں ہے۔ اس لیے کہ ان کے مدلولوں کا ہونا واجب یعنی ضروری ہوتا ہے۔ اگر ان میں کہیں تعارض ہو جائے تو نقیضین کا اجماع لازم آئے گا۔ اور اگر کوئی شخص ایسے اجماع کا دعویٰ کرے جو نص کے مخالف ہو تو دو باتوں میں سے ایک ضرور لازم آئے گی۔ وہ یہ کہ یا تو وہ اجماع ہی باطل ہوگا یا اجماع صحیح اور نص باطل وغلط ہوگی اور جس نص کے خلاف پر امت کا اجماع ہو گیا ہو تو اسکی تاریخ بھی ضرور معلوم ہوگی۔ اب رہی یہ صورت کہ امت میں ایک نص مشہور ہو اور اس کے خلاف پر اجماع ہو جائے یہ کبھی نہیں ہوسکتا۔ معلوم اجماع اور مشہور نص ابوبکر کی خلافت پر اور ان کے ہوتے اور کسی کی بیعت کے بطلان پر دلالت کرتے ہیں۔ مگر شیعی علماء کی نص، جس پر ہم یہاں بحث کر رہے اس کے جھوٹ ہونے کو ہم بلا اضطرار جانتے ہیں اور اس کے باطل ہونے کی بے شمار دلیلیں ہیں۔

ابوبکر وعمر کا اقتدا: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت آنحضرت علی سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا تھا۔ "اقتدوا باللذین من بعد ابی بکر و عمر" یعنی میرے بعد ان دونوں کا اقتدا کرنا یعنی ابوبکر وعمر کا یہ روایت ٹھیک نہیں ہے۔ اول تو اس میں قیامت کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ کیونکہ فقہا کے اقتداء کرنے سے انکا امام ہونا لازم نہیں آتا۔ دوسرے ابوبکر وعمر کا بہت احکام میں اختلاف ہے ایک کا قول کچھ ہے اور دوسرے کا کچھ ہے اس لیے دونوں مقتدا ہو ہی نہیں

سکتے۔ تیسرے یہ حدیث جو سنی ہی روایت کرتے ہیں۔ اسکے معارض ہے جیسا کہ وہ کہتے ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم. یعنی میرے صحابی مثل ستاروں کے ہیں اُن میں جس کا تم اقتدا کرو گے ہدایت پرآ جاؤ گے باوجود یہ کہ اس پر سب سنیوں کا اجماع ہے کہ یہ سب صحابہ امام نہ تھے اس پر بھی سب کے اقتدا کرنے کا حکم ہوا ہے. فقط.

پہلا جواب: باتفاق تمام محدثین کے یہ حدیث اُس نص سے زیادہ قوی ہے جسے شیعی علماء علی امامت کے بارے میں روایت کرتے ہیں کیونکہ یہ بات محدثین کی تمام کتابوں میں مشہور ہے ابوداؤد نے اپنی سنن میں امام احمد نے اپنی مسند میں اور ترمذی نے اپنے جامع میں اُسے روایت کیا ہے لیکن علی کے منصوص ہونے کی نص محدثین نے اپنی کتابوں میں سے کسی ایک کتاب میں بھی نقل نہیں کی۔ اسکے باطل ہونے پر تمام محدثین کا اتفاق اور اجماع ہے۔ ابو محمد حزم نے یہاں تک کہا ہے کہ شیعوں کے اس مدعا کی نص ہمیں کہیں نہیں ملی سوائے ایک بالکل واہی تباہی روایت کے جس سے وہ منقول ہوئی وہ بھی مجہول ہے اور جو نقل کرتا ہے وہ بھی مجہول ہے جسکی کنیت ابوالحمراء ہے ہمیں تو یہ بھی پتہ نہیں لگا کہ مخلوق میں اس کنیت کا کوئی ہے یا نہیں۔ باقی شیعی علماء کا یہ کہنا کہ .بالذین من بعدی من بعدی. میں ان کے امام ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے محض جھوٹ ہے. کیونکہ سمجھنے والے کے لیے ان ہی الفاظ میں دلیل موجود ہے. حضور انور نے یہ صاف بیان کر دیا ہے میرے بعد میں یہ دونوں ہیں اور ان ہی کی اقتدا کرنے کا حکم دیا ہے۔ پس اگر آپ کے بعد ہونے میں یہ دونوں ظالم ہوتے تو آپ اُن کی اقتدا کرنے کا کبھی حکم نہ دیتے کیونکہ ظالم کے اقتدا کرنے کا آپ کبھی حکم نہ دیتے تھے. وجہ یہ کہ ظالم اس لائق نہیں ہوتا کہ اُس کی اقتدا کی جائے۔ اس کی دلیل خود قرآن مجید میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے. لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ. اس سے معلوم ہوا کہ ظالم امام بننے کے قابل نہیں ہوتا اور امام بنانا ہی اقتدا کرنا ہے۔ پس جب حضور انور نے اپنے بعد کے صحابی کی اقتدا کرنے کا حکم دے دیا اور اقتدا کرنا ہی امام بنانا ہے باوجود یہ کہ پہلے حضور یہ بھی بیان فرما چکے ہیں کہ یہ دنوں میرے بعد ہوں گے اس سے معلوم ہو گیا کہ آپ کے بعد یہی دونوں امام ہیں اور یہی اصلی مدعا اور مطلوب ہے۔ باقی شیعی

علماء کا یہ کہنا کہ ان دونوں کا بہت سے مسائل میں اختلاف ہے۔ بالکل غلط ہے شیخین کا اختلاف چھان بین کرنے کے بعد بھی ہمیں معلوم نہیں ہوا۔ وہاں کسی معمولی سی بات میں اگر کوئی اختلاف ہو تو وہ گنتی میں نہیں ہے نہ اسکا کوئی اثر پڑ سکتا ہے اس میں بھی ان میں سے ایک سے دو روایتیں منقول ہیں جیسا میت کا بھائی ہوتے ہوئے دادا کو ترکہ ملنے کا مسئلہ کہ اس میں عمر سے دو روایتیں ہیں ایک ابو بکر کے قول کے موافق ہے اور دوسری خلاف ہے اس مال فی کی تقسیم پر ان دونوں کا اختلاف ہوا تھا وہ یہ کہ آیا سب لوگوں کو مساوی دیا جائے کم زیادہ اس میں کسی کو بھی ذرا شک نہیں ہے کہ مساوی دینا جائز ہے جیسا کہ حضور انور نے غنائم کو تقسیم کرتے تھے۔ یعنی غازیوں اور فی کے مستحقین کو برابر دیتے تھے۔ اختلاف فقط اس میں ہے کہ کم زیادہ دینا جائز بھی ہے یا نہیں۔ اس میں فقہا کے دو قول ہیں وہی امام احمد سے دو روایتیں ہیں۔ غرض صحیح یہ ہے کہ کسی مصلحت کی وجہ سے ایسا کرنا بیشک جائز ہے کیونکہ غنائم اور فی کی تقسیم میں بعض اوقات حضور انور ایسا کرتے تھے لہٰذا جو کچھ دونوں خلفاء نے کیا اُنکے جائز ہونے میں کسی کو کلام نہیں ہے۔ باوجود یہ کہ عمر سے یہ بھی روایت ہے کہ انہوں نے اپنی اخیر عمر میں برابری دینا اختیار کر لیا تھا۔ اور ایک مرتبہ یہ فرمایا تھا کہ اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو تقسیم میں سب کو ایک ہی درواز ہے سے نکال دونگا۔ اس عثمان سے کم و بیش دینا مروی ہے اور علی سے برابر دینا مروی ہے پھر اس اختلاف کی ان دونوں کے ساتھ خصوصیت کیسی۔ یہ بات ایک نا سمجھ بھی سمجھ سکتا ہے کہ ایسی باتوں کا اختلاف اپنی اپنی مصلحت بینی پر ہوا کرتا ہے۔ اس سے کوئی نقصان نہ شریعت اسلامی پر پڑ سکتا ہے اور نہ قرآن مجید کی تعلیم اور نفس اسلام پر یہ اختلاف قدرتی ہے اور ضرور ہونا چاہیے اس سے معاشر مسلمین کے تمدن کو ترقی اور انتظامات میں استواری پیدا ہوتی ہے۔ ایک خلیفہ کی رائے میں کسی شخص کو عہدہ دینا واجب ہے دوسرے کی رائے میں نہیں ہے اور ہر خلیفہ نے اپنی اپنی مصلحت سے نئے عہدہ دار بنا لیے یا گھوڑوں کا ایک مقام پر اصطبل ہے۔ ایک خلیفہ تو یہی مناسب معلوم ہوا کہ یہ اصطبل بہت موضوع مقام پر ہے۔ اس نے وہیں رہنے دیا۔ لیکن دوسرے خلیفہ نے اس کا مقام تبدیل کر دیا۔ تو ایسا اختلاف ناجائز کیوں قرار دیا جاتا ہے۔ امت مرحومہ ان دونوں مختلف باتوں کی اقتدا کرنے میں کیا نقصان اٹھا سکتی ہے۔ ہاں دین کے اُصول کے بارے میں اگر کچھ اختلاف ہو تو بیشک امت کے حق

میں نقصان رساں ہے۔ مثلاً قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے یا رسول اللہ امین کے برحق نبی ہونے میں ابوبکر و عمر کا اختلاف ہوتا تو ہم کہہ سکتے تھے کہ رسول اللہ کس طرح دونوں کے اقتدا کا حکم دے گئے جبکہ ان کے اختلاف دینی نے اُمت مرحومہ کو پارہ پارہ کر دیا. اب رہے انتظامی اُمور اُن میں دو امیر المومنین کا اختلاف ہونا سبب رحمت اور امت مرحومہ کی ترقی کا باعث ہے۔ شیعی علماء خالد کی معزولی و بحالی رونا روئیں گے کہ ابوبکر نے خالد کو سپاہ سالار بنایا تھا اور عمر نے اُسے معزول کر دیا ہم کہتے ہیں ایک خالد کیا آپ ابوبکر کے کل مقررہ کئے ہوئے اعمال کو نکال دیتے تو بھی کوئی برائی نہ تھی. خالد ہی کو لو دونوں نے اپنے اپنے نزدیک مصلحت سمجھ کے عزل و نصب کیا تھا۔ بشرطیکہ خالد کا معزول ہونا تسلیم کر لیا جائے حالانکہ ہم اپنی ذاتی تحقیق کی بناء پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ خالد معزول نہیں کیا گیا تھا بلکہ اُسے بجائے سپاہ سالاری کے مُلکی گورنر بنا دیا گیا۔ کیونکہ ملک پر ملک فتح ہوتے جاتے تھے اور اُن کا کوئی منتظم نہ تھا یہ مصلحت کے خلاف تھا اور ایک طرح سے محال تھا کہ ایک ہی شخص سالار لشکر بھی ہو اور وہی ملکی انتظام بھی ساتھ ساتھ کرے اور میدان جنگ میں بھی ہر وقت حاضر رہے۔ چونکہ یہاں خالد کی بابت کوئی بحث نہیں ہے۔ اِس لیے ہم اُسے طول دینا نہیں چاہتے اور اپنا اصلی مطلب بیان کرتے ہیں۔ سنئے! وہ احکام جو شریع کلیہ ہیں اُن میں ان دونوں کا اختلاف کیا تو نادر الوجود ہے یعنی کہیں کہیں شاذ و نادر اور یا سرے ہی سے مفقود ہے۔ اور یا اس میں ان دونوں میں سے ایک کے دو قول ہوتے ہیں۔ حضور انور ﷺ فرما چکے ہیں کہ میرے صحابیؓ مثل ستاروں کے ہیں تم جس کا اقتدا کرو گے ہدایت پر آ جاؤ گے. یہ حدیث ضعیف ہے. محدثین نے اِسکے ضعیف ہونے کی شہادت دی ہے. بزاز کا قول ہے کہ یہ حدیث رسول اللہ سے ثابت نہیں ہے اور نہ یہ حدیث کی معتمد اور معتبر کتابوں میں نقل ہوئی ہے۔ اسکے علاوہ اس حدیث میں بعدی کا لفظ نہیں ہے۔ اور حجت اصل میں اسی لفظ سے ہے۔ دوسرے یہ کہ اس میں اُن کے اقتدا کرنے کا حکم نہیں ہے۔ اور اس میں انکے اقتدا کرنے کا صریح حکم ہے۔ ہم تو شیعی علماء کی اِس دلیری کی داد دیتے ہیں ہیں کہ اپنا مقصد و مدعا ثابت کرنے کیلئے سینوں کی وہ حدیثیں بھی لے لیتے ہیں جو ضعیف و مردود ہوتی ہیں۔ مگر اپنے مدعا کے خلاف صحیح سے صحیح حدیث کو بھی آنکھ بھر کے نہیں دیکھتے. اور جب اِس علانیہ دلیری سے بھی مطلب حل نہیں ہوتا تو فوراً اُس

ضعیف حدیث کی بھی کتر بیونت کر ڈالتے ہیں کچھ نکال لیتے ہیں اور کچھ بڑھا دیتے ہیں بیچارے بے پڑھے لکھوں یا معمولی پڑھے ہوؤں کی خرابی ہے کہیں راز کا پتہ نہیں لگا سکتے اور بہت جلد چکمے میں آجاتے ہیں. یہ ستاروں والی حدیث موجودہ پڑھے لکھے مسلمانوں کی کتابوں میں میں نے دیکھی اور زبان سے سنی ہے اور وہ اُسے صحیح سمجھ رہے ہیں اور ساتھ ہی لفظِ بعدی بھی اُن کی کتابوں میں درج ہے. علم اِس زمانہ میں جیسا ہے سب ہی جانتے ہیں. دو کتابیں پڑھیں اور عربی سمجھ میں آنے لگی اور ہوئے کسی قدر ذہین بس علامہ بن بیٹھے. اِن ہی پر شیعی علماء وغیرہ کا افسوں بہت جلد کارگر ہو جاتا ہے. کیونکہ نیم ملا خطرہ ایمان کی مثل بالکل صحیح ہے. اِس زمانہ میں مجھے ایسے سنی مولوی کے وعظ سننے کا بہت کم اتفاق ہوا ہے جو اپنے وعظ میں اپنی کتابوں کی روایتیں بیان کرتا ہو. فی صدی دو مشکل سے اُسکی معتبر کتابوں کی ہوتی ہیں باقی اٹھانوے شیعی روایتیں ہوتی ہیں۔

ابوبکر اور قرآن مجید: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ سُنی ابوبکر کے امام ہونے کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں کئی آیتیں اُن کی فضیلت ظاہر کرنے کے لیے شاہد ہیں اور اللہ تعالی نے اُن کی بزرگی تسلیم کی ہے اور آیتیں نازل فرمائی ہیں. مثلاً "وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى" اور "قُلْ لِلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ إِلَى قَوْمٍ أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ" یعنی پیچھے رہے ہوئے اعراب سے تم کہہ دو کہ عنقریب تم ایک سخت جنگجو قوم کی (جنگ کی) طرف بلائے جاؤ گے۔ اس کی نسبت سُنی کہتے ہیں کہ اِس بلانے والے سے مراد ابوبکر ہیں کہ وہ جنگ بدر کے دن قریش رسول ﷺ کے ہمدم و دمساز تھے اور اپنے نبی ﷺ پر اُنہوں نے بہت کچھ خرچ کیا تھا اور رسول اللہ نے اپنی وفات کے قریب اُنہیں اپنی جگہ امام بنایا تھا اس پر شیعی علماء گوہر افشانی کرتے ہیں کہ نماز کے اندر ابوبکر کے ساتھ رہنے میں کوئی فضیلت نہیں ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ نے انہیں اسی اندیشہ سے اپنے ساتھ لے لیا ہو کہ کہیں. یہ ہمارا راز نہ افشا کر دے. دوسرے یہ کہ آیت فضیلت پر دلالت نہیں کرتی بلکہ اس سے تو اور برائی نکلتی ہے کیونکہ اللہ تعالی فرماتا ہے کہ "لَا تَحْزَنْ" سو یہ ابوبکر کے خوف زدہ ہونے اور بے صبر ہونے اور اللہ پر پورا پورا یقین نہ ہونے اور نبی ﷺ کا ساتھ نہ دینے اور اللہ کے قضا و قدر پر

راضی نہ رہنے کی بہت بڑی دلیل ہے۔ (پھر شیعی علماء فرماتے ہیں) دوسرے یہ کہ اگر وہ رنج کرنا طاعت تھا تو اس سے آنحضرت ﷺ کا منع فرمانا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ بھلا یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ آپ طاعت سے منع فرماتے اور اگر وہ معصیت تھا جیسا کہ رسول اللہ کے منع فرمانے سے معلوم پایا جاتا ہے تو جسے فضیلت کہتے ہیں وہ رذیلت ہوئی۔ اسکے علاوہ غور کرنے کی بات ہے کہ قرآن مجید میں جہاں کہاں رسول اللہ پر سکینہ نازل کرنے کا ذکر ہوا ہے وہیں مومنین کو بھی اللہ نے آپ کے ساتھ شامل کر دیا ہے سوائے اس ایک موقع کے۔ لہٰذا اس میں بھی ان کی کوئی فضیلت نہیں رہی۔

پھر شیعی علماء یہ فرماتے ہیں کہ اب رہی آیۃ۔ وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى اس سے ابوالدحداح مراد ہے کیونکہ اس نے اپنے ہمسایہ کا ایک باغ خریدا تھا اور وہ باغ ایسا تھا کہ اسکے عوض میں اُسکے مالک کو رسول اللہ بہشت میں ایک باغ دیتے تھے یہ سن کے اس نے صاف انکار کر دیا جب ابوالدحداح نے یہ قصہ سنا تو اس نے اپنے باغ کے عوض مالک باغ سے باغ کو خرید کے ہبہ کر دیا اس پر رسول اللہ نے بہشت میں اُسکے عوض اُسے ایک باغ دیا۔ (پھر شیعی علماء یوں سوتی پڑتے ہیں) کہ اسی طرح آیت "قُلْ لِلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ" کے یہ معنی نہیں ہیں جو سنی سمجھ بیٹھے ہیں بلکہ سَتُدْعَوْنَ سے یہ مراد کہ تمہیں ایک قوم کے مقابلہ کے لیئے بلائیں گے نہ کہ ابوبکر بلائے گا۔ کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ نے وہ لوگ مراد لیے ہیں جو جنگ حدیبیہ میں جانے سے رہ گئے تھے۔ اور انہوں نے یہ خواہش کی تھی کہ ہم خیبر پر چڑھائی کریں تو اللہ تعالیٰ نے قُلْ لَنْ تَتَّبِعُونَا فرما کے انہیں منع کر دیا۔ کیونکہ خیبر کی غنیمت تو ان ہی کا حصہ تھا۔ جو جنگ حدیبیہ میں حاضر تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا "قُلْ لِلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ" مطلب یہ ہے کہ اب عنقریب ہی ہم تمہیں بڑی جنگجو اور زور آور قوم سے جنگ کے لیے بلائینگے چنانچہ اسکے بعد رسول اللہ نے انہیں بہت سے غزووں میں بلایا یعنی غزوہ موتہ، حنین، تبوک وغیرہ میں۔ پس بلانے والے رسول اللہ تھے نہ کہ ابوبکر۔ (پھر شیعی علماء یہ فرماتے ہیں) اس کے علاوہ ہو سکتا ہے کہ یہ بلانے والے امیر المومنین علی ہوں۔ کیونکہ انہوں نے بڑے بڑے جنگجوؤں اور بہادر آدمیوں سے جنگ کی ہے۔ اب رہا یہ کہ جنگ بدر کے دن قریش میں

ابوبکر رسول اللہ کے انیس تھے تو اس میں بھی کوئی فضیلت نہیں ہے۔ کیونکہ رسول اللہ تو اللہ ہی سے ایسا انس رکھتے تھے کہ آپ کو کسی انس کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن چونکہ رسول اللہ دیکھ چکے تھے کہ لڑائی کے موقع پر ابوبکر کی کارروائی اور زیادہ بے باری کی باعث ہوتی ہے۔ اس لیے کہ بہت سے غزووں میں ابوبکر بھاگ نکلے تھے اس وجہ سے آپ نے انہیں اپنے ساتھ لے لیا تھا اور بس غور کرو کہ جو جنگ سے بیٹھ رہے وہ افضل ہوگا یا جو اللہ کی راہ میں اپنی جان پر کھیلے وہ افضل ہوگا۔ دیکھو فضیلت تو یہ ہے کہ رسول اللہ کے بستر پر لیٹ کے علی اپنی جان پر کھیل گئے تھے اور کسی قسم کی ذرا پس و پیش نہ کی تھی۔ (پھر شیعی علماء کا قول ہے) کہ رسول اللہ پر ابوبکر کا خرچ کرنا یہ بھی جھوٹ ہے کیونکہ ابوبکر کچھ مالدار آدمی نہ تھے۔ اس لیے کہ اُن کے باپ تو ایک فقیر شخص تھے۔ صرف ایک آدھ سیر دانوں کیلئے عبداللہ بن جدعان کے لنگر خانہ پر یہ آواز لگایا کرتے تھے۔ روزمرہ انہیں وہاں سے روٹی ملا کرتی تھی۔ پس اگر ابوبکر کچھ دولتمند ہوتے تو اپنے باپ کا خرچ ضرور اٹھاتے۔ زمانہ جاہلیت میں خود ابوبکر میاں جی تھے۔ بچوں کو پڑھاتے تھے اور مسلمان ہو کے کپڑے سینے لگے تھے۔ یعنی درزی کا پیشہ اختیار کر لیا تھا۔ لوگوں نے انہیں منع بھی کیا تھا اس پر انہوں نے کہا کہ مجھے اپنے کھانے کے خرچ کی بہت ضرورت ہے۔ اس پر لوگوں نے بیت المال سے تین درہم روزانہ اُن کے مقرر کر دیے۔ (پھر شیعی علماء یوں فرماتے ہیں) کہ رسول اللہ ہجرت سے پہلے خدیجۃ الکبریٰ کے مال کی وجہ سے بڑے دولت مند تھے۔ اُس وقت نہ آپ کو کہیں جنگ کرنے کی حاجت تھی نہ کسی لشکر کی تیاری کا فکر تھا۔ ہاں ہجرت کے بعد رسول اللہ کی بیشک یہ حالت نہیں رہی تھی۔ کیونکہ ادھر تو خدیجہ کا مال قبضہ سے نکل گیا اور اُدھر دشمنوں سے مقابلے ہونے لگے اسی طرح ہجرت کے بعد ابوبکرؓ کے پاس بھی کچھ نہ رہا تھا یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ اگر یہ خرچ کرتے تو انکے حق میں کوئی آیۃ نازل ہوئی واجب تھی۔ جیسا کہ علی کے حق میں ھل اتی نازل ہوئی مگر جب ان کے حق میں کوئی آیۃ نازل نہیں ہوئی تو یہ اس روایت کے جھوٹے ہونے کی صریح دلیل ہے جس میں ابوبکر کے خرچ کرنے کا ذکر ہے۔ (پھر شیعی علماء فرماتے ہیں) باقی ابوبکر کو نماز پڑھانے کے لیے امام بنانا یہ بھی لوگوں کی نافہمی ہے اسکی اصلیت یہ ہے کہ جب بلال نے اذان دی تو

رسول اللہ ﷺ بے ہوش تھے عائشہؓ نے خود ہی بلال سے کہہ دیا کہ ابوبکرؓ کو امام بنا دو۔ اُنہوں نے بنا دیا جب رسول اللہ ﷺ کو ہوش آیا تو آپ نے اللہ اکبر کی آواز سنی. دریافت کیا کہ نماز کون پڑھا رہا ہے. حاضرین نے کہا ابوبکرؓ. آپ ﷺ نے فرمایا مجھے لے چلو چنانچہ آپ علی اور عباس کے کندھوں پر سہارا لیے ہوئے تشریف لائے اور ابوبکرؓ کو قبلہ کی طرف سے ہٹا کے نماز سے علیحدہ کر دیا اور خود نماز پڑھانے لگے. پس آپ نے دیکھ لیا سنیوں کی دلیلوں کا یہ حال ہے. عاقل انصاف کی نظر سے دیکھے اور حق کی پیروی کرنے کا قصد کرے اور خواہش کی پیروی چھوڑ دے. باپ دادا کی تقلید کو بلائے طاق رکھ دے کیونکہ اِس سے اللہ جل جلالہ نے منع فرمایا ہے. دیکھو مستحق کو اُسکا حق پہنچانے اور اُسے حقدار تسلیم کرنے میں تم غافل نہ رہو اور نہ اُسے اُس کے حق سے روکو۔

جواب: شیعی علماء کی قابلیت منطق استدلال اور واقفیت عامہ کا نچوڑ رتھا۔ جو آپ نے ملاحظہ فرمایا. اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگا کے اُنہوں نے ابوبکرؓ کی فضیلت کو باطل کرنا چاہا ہے. یہاں اُن کی پوری قوت صرف ہوگئی ہے. ترکش میں سے کل تیر نکل چکے ہیں. اب اِس سے زیادہ گنجائش نہیں ہے اب ہم اِسکا جواب دیتے ہیں اور دکھاتے ہیں کہ جتنی باتیں شیعی علماء نے پیدا کی ہیں وہ خود انکی ساختہ و پرداختہ ہیں۔ نفسِ معاملہ سے اُنہیں کچھ بحث نہیں خود ہی باتیں یا واقعات تصنیف کئے اور خود ہی اُن پر اعتراض کر دیتے ہیں۔ مسلمانوں کے کسی فرقہ نے بھی ایسی باتیں نقل نہیں کی ہیں. اُن کے کانوں میں بھی ایسی آوازیں نہیں آئیں. یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ ایک یا کئی اشخاص پھونک مار کے اللہ کے نور کو بجھا دیں شیخین کے فضائل کو ساری دنیا مان گئی ہے اور اُن کی بزرگی ہر عاقل کے نزدیک سب کی بزرگی سے زیادہ ظاہر دباہر ہے۔ لیکن ہمارے دوست شیعی علماء حقائق کو پلٹنا اور بدلنا چاہتے ہیں مگر یہ کب ممکن ہے. حق کی تکذیب لوگ کرتے ہیں مگر اوندھے منہ گر پڑتے ہیں اور اخیر میں حق، حق ہی رہتا ہے۔

فضیلت غار: شیعی علماء کا یہ کہنا کہ غار میں ابوبکر کا ساتھ ہونا کچھ فضیلت پر دلالت نہیں کرتا محض غلط اور بالکل غلط ہے. اِسکی شہادت تو اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں اس طرح دیتا ہے۔ "اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا" یعنی اے ابوبکر تم رنج نہ کرو۔ کیونکہ اللہ تو ہمارے ہی ساتھ ہے۔ گویا رسول اللہ

نے یہ بیان فرمایا کہ اللہ میرے ساتھ ہے اور میرے ساتھی کے ساتھ ہے۔ جیسا اللہ نے موسیٰ اور ہارون کے لیے فرمایا۔ اِنَّنِیْ مَعَکُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰی. یعنی میں تم دونوں کے ساتھ ساتھ ہوں، سنتوں کا بھی اور دیکھوں کا بھی۔ صحیحین میں انس سے مروی ہے اور وہ ابوبکر سے روایت کرتے ہیں جب ہم غار میں تھے تو میں نے مشرکین کے قدموں کو اپنے سروں پر پا کے رسول اللہ سے عرض کیا یارسول اللہ اگر کوئی اُن میں سے اپنے پیروں کی طرف دیکھنے لگے تو اُسے ہم فوراً نظر آجائیں گے۔ آپ نے فرمایا اے ابوبکر تمہارا کدھر خیال ہے۔ تمہیں معلوم نہیں کہ دو کے ساتھ تیسرا اللہ بھی ہے۔ یہ حدیث ایسی ہے کہ اسکے صحیح ہونے۔ اسکے مقبول عام ہونے اور اس کی تصدیق کرنے پر تمام علمائے حدیث کا اتفاق ہے اور اس میں ایک بڑا وصف یہ ہے کہ اس حدیث میں کبھی دو آدمیوں نے بھی اختلاف نہیں کیا۔ لہٰذا یہ ایسی حدیث ہوئی جسکے معنی پر قرآن شریف دلالت کرتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ "اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا" خوب غور کرکے پڑھو کہ قرآن شریف میں معیت کی دو قسمیں ہیں ایک عامہ دوسری خاصہ عامہ یہ ہے۔ "وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ." اسی طرح "وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ." تو یہ معیت عام ہوئی ہر دو، سرگوشی کرنے والوں پر عائد ہوتی ہے۔ اسی طرح کلی تمام خلقت کو شامل ہے۔ جب اللہ نے معیت میں یہ بیان کر دیا کہ تین کا چوتھا اور پانچ کا چھٹا میں ہوتا ہوں۔ اس لئے نبی نے اپنے صدیق سے کہا کہ دو کا تم کیا خیال کر رہے ہو ان میں تیسرا اللہ ہے کیونکہ جب وہ دو کے ساتھ ہوا تو دو کا تیسرا اللہ ہوگا جیسا کہ قرآن شریف کی یہ آیت اس حدیث کے صحیح معنی پر دال ہے۔ اور اگرچہ یہ معیت خاصہ ہے اور وہ عامہ ہے۔ لیکن اس آیۃ میں بھی معیت خاصہ ہی سمجھنی چاہیے۔ جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ہارون سے فرمایا تھا۔ " قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِیْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى" تو یہ اُن ہی دونوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ فرعون اور اس کی قوم کا اس سے کچھ تعلق نہیں ہے حاصل یہ ہوا کہ اللہ تعالےٰ موسیٰ اور ہارون کے ساتھ تھا۔ فرعون کے ساتھ نہ تھا اسی طرح جب رسول اللہ نے ابوبکر سے یہ فرمایا تھا کہ تم رنج نہ کرو اللہ تمہارے ساتھ ہے تو اس سے مراد یہ تھی کہ ہمارے ہی ساتھ ہے ان مشرکین کے ساتھ نہیں ہے جو ہمارے دشمن ہیں اور ہمیں تلاش کرتے پھرتے ہیں، جیسا کہ وہ مشرک جو اس غار پر کھڑے تھے کہ اگر ان میں سے

کوئی اپنے قدموں کو دیکھتا تو اپنے قدموں کے نیچے یعنی غار کے اندر کا حال سارا معلوم ہو جاتا ایسے ہی یہ آیت ہے۔ "إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَّالَّذِينَ هُمْ مُّحْسِنُونَ" (النحل:۱۲۸) یہ بھی ان ہی کے ساتھ مخصوص ہے بے صبر اس میں شامل نہیں ہیں ابوبکر کی فضیلتیں جو رسول اللہ کے ساتھ غار میں ہونے کی قرآن مجید سے ظاہر ہوتی ہیں منجملہ اُن کے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی بابت اپنے رسول کی ایسی حالت میں مدد کرنے کو بیان کیا ہے کہ اُس وقت عام طور پر لوگوں کے قدم ڈگمگا جایا کرتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ" (توبہ:۴۰) یعنی اُنہوں نے ایسی حالت میں نکالا تھا کہ ہمارے نبی کے ساتھ کوئی نہ تھا سوائے ایک آدمی (ابوبکر) کے پس اللہ نے اپنے رسول کی مدد کی پھر فرمایا "إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا" یہ آیت اس امر کی دلیل ہے کہ پیغمبر کا وہ ساتھی جو انتہا درجہ کا مہربان محبت رکھنے والا اور ساتھ دینے والا تھا اُسے رنج ہوا کیونکہ انسان کو خوف کی حالت میں اُس شخص کا رنج ہوتا ہے جس سے اُسے محبت ہو دشمن کے ہلاک ہونے کا اگر کوئی سبب منعقد ہو جائے تو اُس پر رنج نہیں ہوتا۔ پس اگر ابوبکر کو حضور انور سے بغض ہوتا جیسا کہ مفتری کہتے ہیں۔ تو رنج کا پھر کام ہی کیا تھا۔ اور نہ حضور انور رنج کرنے سے اُنہیں منع کرتے بلکہ یہ دل ہی دل میں باغ باغ ہوتے اور خوشیاں کرتے اور مارے خوشی کے پھولے نہ سماتے۔ اس کے علاوہ اگر مفتری یہ کہے کہ ابوبکر نے اپنی ظاہر صورت رنج کی ایسی بنائی تھی کہ رسول اللہ کو دھوکا ہو گیا اور اصلی راز نہیں معلوم ہوا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کیسا ہی کم عقل سے کم عقل شخص ہو۔ ایسی حالت میں جبکہ اُسکے کل ہم وطنوں نے اُسے نکال دیا ہو اور اُسکی جان کے دشمن بن گئے ہوں اور وہ ایک ایسے مشتبہ شخص کو ایسے نازک حالت میں اپنے لیے منتخب کرے۔ رسول اللہ جیسے اولوالعزم پیغمبر کی طرف یہ العیاذ باللہ تو ہین کرنی ہے۔ وہ اولوالعزم پیغمبر جو عقل، علم اور تجربہ میں سب سے زیادہ کامل ہو، پھر شیعی علماء کا یہ فرمانا کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر کو اس اندیشہ سے ساتھ لے لیا ہو کہ یہ ہمارا راز نہ کھول دے یعنی ہمارے جانے کی اہل مکہ کو خبر نہ کر دے۔ اس کے بطلان اور غلط ہونے کی اتنی صورتیں ہیں جو شمار میں مشکل آ سکتی ہیں۔ مثلاً قرآن سے یہ یقیناً معلوم ہو چکا ہے کہ ابوبکر کو حضور انور سے محبت تھی لہٰذا شیعی علماء کا یہ کہنا کہ ابوبکر رسول اللہ سے عداوت رکھتے تھے باطل ہو گیا دوسرے تواتر معنوی سے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ حضور انور ﷺ سے

محبت کرنے اور آپ پر ایمان لانے میں ابوبکر ساری مخلوق سے زیادہ خصوصیت تھی اور وہ تواتر ایسا ہے کہ اُس سے اور لوگوں کی بعض صفتوں کا تواتر لگا نہیں کھاتا۔ یعنی علی کے موالات کی باتیں جو معنوی تواتر سے ثابت ہیں اِس کے آگے کچھ حقیقت نہیں رکھتیں۔ اور تو اور آپ کو یہ سُن کے تعجب ہوگا کہ بعض شیعہ ایسے بھی ہیں جو سرے سے اِس بات سے انکار کرتے ہیں کہ ابوبکر غار میں رسول اللہ کے ساتھ تھے۔ بعض نے رسول اللہ ﷺ کے پاس شیخین کے دفن ہونے کا بھی انکار کیا ہے۔ اِنکی مثال باطل ان لوگوں کی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حسنین علی کے نہیں بلکہ سلمان فارسی کے بیٹے تھے۔ (لاحولہ ولا قوۃ) پھر وہ لوگ بھی موجود ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ علی اور معاویہ دو فرضی نام ہیں اِن ناموں کے اشخاص جنھوں نے کوئی حکموت کی یا آپس میں لڑے دنیا ہی میں پیدا نہیں ہوئے۔ اب پھر نئے سرے سے ابوبکر کے غار میں ساتھ ہونے پر نظر کرو اور واقعات کو دیکھو کہ وہ خود اِن ناپاک افترا پردازیوں کی تردید کرتے ہیں۔ جس اونٹ پر حضور انور ﷺ نے بیٹھ کے ہجرت کی وہ اونٹ ابوبکر کا تھا۔ آپ نے جب ہی اُسے خریدا تھا۔ غار میں ایک دو یا زیادہ ابوبکر کے بچے کھانا دینے چھپ چھپا کے آیا کرتے تھے۔ حضور انور ﷺ نے ہجرت کرتے وقت صرف ابوبکر کا انتخاب کیا اگر ابوبکر حضور انور کو گرفتار کرانا چاہتے تو جب مشرک سروں پر آ کھڑے ہوئے تھے تو کیا ایک اشارہ نہ کرسکتے تھے۔ نہ حضور انور ﷺ نے اُن کی مشکیں کس رکھی تھیں اور نہ اُنکا منہ بھینچ رکھا تھا نہ ابوبکر کو یہ خوف تھا کہ ہوں کی اور نبی نے گردن اُڑا دی۔ غضب خدا کا ایسے فدائی رسول کی نسبت ایسی دل آزار باتیں بنائی گئی ہیں کہ دوسری قوموں کے محقق اور مصنف افسوس کرتے ہیں۔ ایک ناسمجھ سے ناسمجھ شخص بھی یہ باتیں نہیں سمجھ سکتا نہ ان پر دھیان کرسکتا ہے۔ اندھیر تو دیکھیے! کہ تاریکی کو نور اور نور کو تاریکی بنا دینا اور پھر اس پر فخر کرنا یہ دعوے اسلام ہے۔ بعض شیعی شعراء نے صدیق اکبر کی مذمت میں قصیدوں پر قصیدے لکھ ڈالے۔ اِن قصائد کی جو داد آسمان کی طرف سے دی جائے گی۔ مگر دنیا میں بھی پوری داد مل گئی۔ اور دیکھنے والوں نے ایسے شاعروں کو مجانین کی فہرست میں لکھ دیا۔ مجملہ صدہا بے سروپا اشعار کے ایک شعر یہ ہے۔ جس سے قائل کی سخت بدحواسی معلوم ہوتی ہے۔

بس کن حدیثِ غار کہ عاراست نزد عقل   آن حزن و بے قراری شیخ معمرم

تماشۂ جنون تو دیکھیے! کہ حقیقی عشق سے عار کی گئی ہے حقیقی عشق کا یہ حزن و بے قراری ایک

اعلیٰ درجہ کا نمونہ اور ثبوت ہے۔ایک عاشق زار اپنے محبوب کی خدمت میں حاضر ہے۔اُسکے محبوب کو اُسکے دشمن قتل کرنے کے لیے تلاش کرتے پھرتے ہیں۔یہاں تک کہ دشمن بالکل قریب آ گئے اور اتنے قریب کہ اگر وہ اپنے قدموں کی طرف دیکھیں تو اُنہیں اُس عاشق جانباز کا محبوب نظر آ جائے۔اب تم بلارورعایت بے بس عاشق کی حالت پر خیال کرو کہ اُسکے دل کی کیا کیفیت ہوگی۔یقیناً یہ سُن کے ہر شخص شہادت دے گا کہ مارے خوف کے وہ کانپ رہا ہوگا۔اُسکے تن بدن میں لرزہ ہوگا اُسکے چہرہ پر ہوائیاں اُڑتی نظر آئیں گی اور وہ کبھی اپنے محبوت کی مظلومیت پر نظر کرے گا کبھی اپنی بے بسی پر اور پھر اپنی نظریں نیچے کرلے گا اور اِسی حالت میں اُس کے منہ سے بے ساختہ نکل جائے گا۔ہائے ہم تو یہاں دو ہی ہیں۔یعنی دشمنوں کی تعداد تو اتنی ہے اور ہم دو ہی ہیں۔اِس پاک اور مقدس اضطراب سے ایک روحانی تموج روحانی سمندر میں اُٹھتا ہے۔اور اس تموج کی موجیں بلند ہوتے ہوتے آسمان تک پہنچ جاتی ہیں۔اور پھر غیرت حق کو حرکت ہوتی ہے اور آسمان سے یہ آواز اٹھنے لگتی ہے اے عاشق صادق تو اِس بات سے کیوں غم کھاتا ہے۔میں بھی تیرے ساتھ ہوں تو گویا تو بجائے دو کے تین سمجھ۔یہ تیسرا وہ ہے جو صحاب جبروت وقوت ہے اور جس طرح اِسکے ایک لفظ کُن کے کہنے سے تمام کائنات پیدا ہوگئی اِسی طرح ایک دوسرا لفظ کہنے سے وہ فنا ہوسکتی ہے تو جس کی طاقت کی یہ کیفیت ہو اُسکا ساتھ ہونا کس قدر ڈھارس بندھوا سکتا ہے۔اور اُسکے یہ دو برگزیدہ بندے کیسے اولوالعزم بن سکتے ہیں۔اِس اطمینان دینے پر بھی اگر صدیق اکبر اسی طرح پریشان رہتے تو اس خیال کرنے کی شاید گنجائش نکل آتی کہ آپ کو جب اللہ پر بھروسہ نہ ہوا تو آپ کا ایمان اپنے معبود کیسے استوار ہوسکتا ہے۔مگر یہاں اِسکا وہم بھی نہیں ہے۔آپ آسمانی تسکین پاتے ہی اپنے محبوب کو ساتھ لیکے درانہ غار کے باہر نکل کھڑے ہوئے اور بحفاظت مدینہ پہنچ گئے۔کیا کہوں کہ کس قدر خیالی ناپاک رو میں حضور انور رسول اللہ ﷺ کے یار غار اور فاروق اعظم کی اطہر واقدس شان میں گستاخی کی گئی ایسی گستاخی جسکی حد انتہائے شقاوت قلبی اور شیطانی شرارت پر ختم ہوتی ہے۔یعنی بعض غالی یہ کہتے ہیں کہ شیخین کی قبریں جو رسول اللہ ﷺ کے قریب بنی ہوئی ہیں یہ محض اس لئے ہیں کہ رسول اللہ اپنی آنکھوں کے سامنے اُن پر عذاب ہوتا ہوا دیکھیں اور یوں ہی قیامت تک دیکھتے اور دل ٹھنڈا کرتے رہیں۔(لاحول ولا قوۃ) کتنے غضب کا

مقام ہے خود رسول اللہ ﷺ پر کیسا بیا کانہ حملہ ہے کہ آپ کی سفا کی خونخواری اور انتقام کی آگ ایسی بھڑکی کہ کسی طرح بجھنے میں نہیں آتی نہ ایک دن نہ دو دن اور نہ کئی صدی ایسا سنگ دل تو دنیا میں اور کوئی نہ ہوگا۔ آپ خیال فرمایئے کہ محض صحابہ کی دشمنی میں ان لوگوں کو نہ حضور انور رسول اللہ کو گالیاں دینے میں باک ہوتا ہے۔ اور نہ خاندان نبوت یا اہل بیت کو۔ میں کہتا ہوں کہ اگر شمل علی کے ابو بکر و عمر یا عثمان کی قبر غائب ملہ ہو جاتی تو پھر دیکھئے شیعی اصحاب کیسی باتیں چھانٹتے اور کیا کیا چہ میگوئیاں کرتے کہ ظالم کا بیج ہی مار دیا اور اس کی ناپاکی سے زمین کو پاک کر دیا اور غیرت حق اسکی مقتضی ہوئی کہ نہ صرف اُسے فنا کا برقع اوڑھایا جائے بلکہ اس کی قبر تک برباد کر دی جائے۔ مگر ہم حضرت علیؓ کی شان میں ایسی گستاخی نہیں کر سکتے۔ شیعی اصحاب کو اختیار کہ خواہ کچھ ہی کسی صحابی کی نسبت کہا کریں ہمیں اس سے کیا مطلب ہر شخص اپنی باتوں کا آپ جواب دہ ہے انسان کے ہر فعل سے اُسکے اخلاق اور شرافت کا نقشہ کھنچ جاتا ہے اور یہی کافی ہے۔ صحابہ کو حضور انور رسول اللہ سے جو کچھ عشق تھا وہ سب جانتے ہیں اور اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ صحابہ کے سرتاج ابو بکر کا سب سے زیادہ حضور انور ﷺ سے محبت رکھنا اور آپ کی ہر طرح سے حمایت لینا ایسا تھا جیسے مسلمان، کفار، فجار اور برابر سب جانتے تھے۔ بلکہ زندیقوں کا بھی ایک فرقہ ایسا ہوا ہے جس کے پیرو یہ کہتے ہیں کہ دین اسلام پر باطن میں حضور انور ﷺ اور ابو بکر سب سے اول ہیں۔ اور پھر عمر لیکن عمران دونوں کے بھید سے واقف نہیں ہیں۔ اسکی تو بالکل یہ مثال ہے کہ آفتاب کو آدمی سے لگا کے جانور تک سب دیکھتے اور اپنی اپنی زبان میں اُسکی شہادت دیتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر کوئی یہ کہنے لگے کہ علی در پردہ حضور انور ﷺ کے جانی دشمن تھے۔ خلفائے ثلاثہ کی حکومت میں وہ آپ کے دین کو خراب اور برباد کرنے سے مجبور رہے اور ان کا کچھ قابو نہ چلا اور جب یہ اکابر جہاں سے رخصت ہو گئے اور صرف علیؓ ہی علی رہ گئے تو ان کا چھپا ہوا زہر ا بھر آیا اور اب انہوں نے دین خدا کی بربادی پر مستعدی سے کمر کس لی۔ مسلمانوں کو تلوار کے گھاٹ اُتار دیا۔ اور باہم مسلمانوں کو اس قدر کٹوایا کہ ان کے پاک خون سے زمین لال ہو گئی وہ چاہتے تھے کہ اسی حیلہ سے کل مسلمانوں کو نیست و نابود کر دوں۔ بڑا بوڑھا بچہ کو یکساں ایک دوسرے کے مقابلہ میں کٹوا دوں۔ لیکن یہ خدا کو منظور نہ ہوا اور وہ مجبور ہو گئے انہوں نے اپنی طرف سے اسلام کے برباد کرنے میں کوئی کسر نہ

اٹھا رکھی۔ مگر چونکہ اللہ تعالےٰ نے اپنے پاک کلام میں اس دین کی حفاظت کا وعدہ کر چکا تھا۔ آخر اُس نے علی کے خونخوار پنجوں سے اپنے دین اور بے گناہ مسلمانوں کو بچا لیا علی کو مسلمانوں، زاہدوں اور اتقیا نے اپنا پیشوا نہیں مانا بلکہ زندیقوں، منافقوں اور پیغمبر خدا سے سخت عداوت رکھنے والوں نے آپ کو اپنا مرتاج بنالیا۔ مثلاً قرامطہ، اسماعیلیہ اور نصیریہ ہیں جنہیں علی کی طرف نسبت دی گئی ہے۔ اور یہی لوگ علی اپنا ہادی اپنا رہنما اور اپنا امام مانتے ہیں۔ غرض اسلام کا جو دشمن تم دیکھو گے وہ اپنے اس مقصود پر علی کی موالات ظاہر کر کے ایسی اعانت حاصل کرے گا کہ ابوبکر عمر کے موالات ظاہر کرنے پر اُسے ایسی اعانات ملنی ممکن ہی نہ تھی خلاصہ یہ ہے کہ علی کو حضور انور ﷺ سے محبت ہونے کا دعوے کرنے میں جو شبہ ہے یہ ابوبکرؓ کو عداوت ہونے کا دعویٰ کرنے کے شبہ سے بدرجہا زیادہ ہے۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ یہ دونوں شبہے باطل اور فاسد ہیں۔ جنکا فساد بالاضطرار معلوم ہے لیکن وہ حجتیں جو ابوبکر کی بابت اس دعوے کے بطلان پر دال ہیں اُن حجتوں سے کہیں زیادہ بڑھ کے ہیں جو علی کے حق میں اُنکے بطلان پر دال ہیں۔ پس جب علی کے موالات کے ثبوت پر حجت صحیح ہے اور انکی عداوت کا ثابت ہونا غلط ہے تو اسی طرح ابوبکر کے موالات کی حجت پر بدرجہا اولیٰ صحیح ہے اور انکی عداوت کی حجت بدرجہا اولیٰ یقیناً باطل ہے۔ شیعی علماء کا یہ فرمانا کہ حضور انور رسول اللہ نے ابوبکر کو اس اندیشہ سے ساتھ لے لیا تھا کہ وہ آپ کا جانا نہ ظاہر کردیں۔ یہ باتیں ایسے شخص کی ہیں جو نفس واقعہ سے محض نابلد ہے کیونکہ حضور انور کا مکہ معظمہ سے چلنا تو ظاہر تھا جس شب کو آپ وہاں سے چلے ہیں اُس کی صبح ہی کو اہل مکہ کو معلوم ہو گیا تھا کہ آپ نے مکہ چھوڑ دیا ہے۔ اسی خبر پر انہوں نے کل راستوں کے ناکوں پر آدمی دوڑا دیئے۔ اور شہر میں یہ ڈھنڈورا پٹوا دیا کہ جو کوئی محمد وابوبکر کو پکڑ کے لائے گا ہم اُسے علیحدہ علیحدہ دو آدمیوں کی خون بہا دیں گے۔ تو اب ابوبکر سے اندیشہ کرنے کی کونسی صورت رہی ؟ انکے علاوہ مشرکین کا یہ وعدہ کرنا کہ جو شخص ابوبکر کو لا دیگا ہم اُسے ایک خون بہا دیں گے اس امر کی پختہ دلیل ہے کہ انہیں اس بات کا پورا یقین تھا کہ ابوبکر محمد کے مخلص ناطقہ ہیں اور انہیں محمد سے کامل محبت ہے اور یہ ہار کھلا ہوا دشمن ہے۔ اگر در پردہ ابوبکر ملے ہوئے ہوتے تو انکی گرفتاری پر قریش ایک خون بہا دینے کا وعدہ نہ کرتے۔ پھر اور ملاحظہ کیجئے کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ رات کو روانہ ہوئے تھے۔ آپ کے روانہ ہونے کی نیت

اور روانگی کے وقت سے کوئی بھی واقف نہ تھا اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ نہیں اور وں کو نہ معلوم ہوا ابوبکر کو ضرور معلوم ہو گیا تھا تو اسکا جواب یہ ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ چاہتے تو ایسے وقت روانہ ہو سکتے تھے کہ ابوبکر کو اُس کی مطلق خبر نہ ہوتی. کیونکہ آپ کی روانگی کی اور کسی کو مطلق خبر نہیں ہوئی محض اس وجہ سے کہ آپ نے اسکا اظہار نہیں چاہا تھا. رسول اللہ ﷺ کچھ نہیں معمولی معمولی آدمی ایسے ایسے کام کر بیٹھتے ہیں کہ اُن کی کسی کو خبر نہیں ہوتی تو پھر رسول اللہ جیسا مدبر اور روشن ضمیر اس بات کو چھپانا چاہتا اور وہ نہ چھپتی ہے۔ "ایں خیال است ومحال وجنوں" ان سب باتوں کے علاوہ وہ یہ بات غور طلب جیسا کہ صحیحین میں آیا ہے کہ خود ابوبکر نے حضور انور رسول اللہ سے ہجرت کی رخصت مانگی تھی لیکن حضور ﷺ نے اجازت نہیں دی یہاں تک کہ آپ نے اپنے آقائے نامدار کے ساتھ ہجرت کی اور حضور نے تنہائی میں اُنہیں اپنے ارادہ ہجرت کی خبر کر دی. امام بخاری نے عائشہ صدیقہ سے روایت کی ہے وہ فرماتی ہیں مجھے اپنے والدین کی کسی بات کی کچھ خبر نہ تھی. ہاں اتنا میں دیکھتی تھی کہ دونوں بڑی ہی راز داری برتتے ہیں اور ان دنوں کوئی دن ایسا نہیں گزرتا تھا کہ رسول اللہ ہمارے ہاں نہ آتے ہوں. ایک بار نہیں بلکہ صبح شام دونوں وقت رسول اللہ تشریف فرماتے ہوتے تھے. جب مکہ میں مسلمانوں کو بہت تکلیف ہونے لگی اور پانی سر سے گزر گیا تو اخیر ابوبکر مکہ کو چھوڑ کے حبش روانہ ہو گئے۔ جب آپ برک غماد میں پہنچے تو وہاں انہیں ابن الدغنہ ملا۔ اُس نے تعجب سے دریافت کیا ہا ئیں ابوبکر تم کہاں جاتے ہو. ابوبکر نے کہا میری قوم نے مجھے وطن سے نکال دیا میں نے یہ ارادہ کر لیا کہ سیاحی کرتا پھروں اور اپنے خدائے احد کی عبادت میں زندگی گزار دوں. ابن الدغنہ نے کہا نہیں ابوبکر ایسا نہیں ہو سکتا بھلا تم جیسا شخص اپنا گھر چھوڑا کرتا ہے۔ کیونکہ تم مفلس اور نادار کی مدد کرتے ہو۔ صلہ رحمی کرتے ہو. دوسروں کا بوجھ اُٹھاتے ہو. مہمان نوازی کرتے ہو نوائب حق پر اعانت کرتے ہو. اب تم سے ذمہ کرتا ہوں کہ تمہیں کوئی کچھ نہ کہے گا تم اپنے ہی شہر میں اپنے اللہ کی عبادت کیا کرنا. اخیر صدیق اکبر واپس مکہ چلے آئے. ابن الدغنہ بھی اُن کے ہمراہ تھا۔ مکہ میں داخل ہو کے اشراف قریش سے کہتا پھرا کہ ابوبکرؓ جیسے شخص کو تم مکہ سے نکالتے ہو. ان جیسے آدمی نہیں نکالے جا سکتے. کیا تم ایسے شخص کو نکالتے ہو جو ہر ایک کے ساتھ صلہ رحمی سے پیش آتا ہے دوسروں کا بوجھ اپنے ذمہ لیتا ہے مہمان نوازی کرتا ہے نوائب

حق پر اعانت کرتا ہے۔ ابن الدغنہ کے اِس کہنے سے قریش مؤثر ہوئے اور ابن الدغنہ کی ذمہ داری پر ابوبکر کو امن دے دیا گیا مگر یہ کہہ دیا ابوبکرؓ کو سمجھا دو کہ وہ اپنے ہی گھر میں اپنے اللہ کی عبادت کیا کریں نماز وغیرہ جو چاہیں پڑھیں لیکن ہمیں نہ اپنی عبادت دکھائیں نہ نماز کے الفاظ ہمارے کان میں ڈالیں زیادہ آواز بلند نہ کریں کہ ہماری عورتیں اور بچے سنیں اور خراب ہو جائیں۔ بس پھر ہمیں ابوبکر سے کوئی تعارض نہیں ہے۔ وہ جانیں اور اُن کا کام۔ ابن الدغنہ نے یہ ساری باتیں ابوبکر کہ دیں ابوبکر نے اِن ہدایات پر عمل کرنے کا وعدہ کر لیا اور اب وہ اپنے ہی گھر میں پاک پروردگار کی عبادت کیا کرتے اور اپنے گھر کے سوا کہیں جا کے قرآن شریف آواز سے پڑھتے اور نہ نماز، ہاں ابوبکرؓ نے یہ ضرور کیا کہ اپنے مکان کے صحن میں ایک مسجد بنالی قرآن شریف اور نماز وغیرہ وہیں پڑھا کرتے۔ مشرکین کی عورتیں اور بچے اوپر چڑھ چڑھ کے انہیں دیکھتے تھے اور چپ چاپ خاموشی سے سنا کرتے۔ ابوبکر کا پڑھنا اُنہیں بہت مرغوب ہوا۔ کیونکہ ابوبکر بہت رقیق القلب تھے۔ قرآن مجید پڑھتے پڑھتے زار زار روتے تھے کہ ہچکی بندھ جاتی تھی۔ آنسو جاری ہو جاتے تھے اور بڑی دیر تک نہ تھمتے تھے۔ اشراف قریش یہ کیفیت دیکھ کے گھبرا گئے۔ اُنہوں نے ابن الدغنہ کے پاس آدمی بھیجا وہ سنتے ہی لپک کے آیا۔ سب قریشوں نے اُس سے شکایت کی کہ یہ یہ سانگ ہو رہا ہے۔ تجھے یاد ہوگا کہ ابوبکر کے بارے میں ہمارا تمہارا کیا معاہدہ ہوا تھا۔ ہم نے ابوبکر کو محض اس شرط پر رہنے دیا تھا۔ کہ وہ خاموشی سے اپنے گھر ہی گھر میں عبادت کر لیا کریں مگر وہ اس سے تجاوز کر رہے ہیں۔ اُنہوں نے اپنے صحن مکان میں مسجد بنالی ہے اور بہت بلند آواز سے قرآن پڑھتے ہیں۔ اِس صورت سے ہمیں اپنی عورتوں اور بچوں کے خراب ہو جانے کا بہت اندیشہ ہے۔ لہٰذا تم ابوبکرؓ کے پاس جاؤ اگر وہ اِس بات کو منظور کریں کہ اپنے گھر ہی گھر میں عبادت کیا کریں تو خیر اور جو اس پر راضی نہ ہوں اور قرآن مجید آواز ہی سے پڑھنے پر اصرار کریں تو تم فوراً اپنی اِس پناہ کو واپس لے لو جو تم نے ہم میں اور اُن میں درمیان پڑ کے دلوائی تھی اور صاف کہہ دینا کہ میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں کیونکہ تمہاری وعدہ شکنی ہمیں ناگوار گزرتی ہے۔ یاد رکھنا ابوبکرؓ اگر با آواز بلند قرآن مجید پڑھے گا تو ہم اُسے یہاں کبھی نہ رہنے دیں گے۔ ابن الدغنہ نے قریشوں کے اس کہنے کو سنا اس پر غور کیا اور خوب سمجھا کر ابوبکرؓ کے پاس آیا اور کہا کہ ابوبکر تم جانتے ہو

کہ میں نے تمہاری ذمہ داری کر رکھی ہے۔ اگر اسی وعدہ کے مطابق رہنا چاہو تو کچھ بات نہیں ہے میری ذمہ داری ویسی ہی قائم ہے اور اگر نہیں مانتے تو میری ذمہ داری مجھے واپس دے دو۔ پھر تم جانو اور قریش وجہ یہ ہے کہ میں اپنی بابت خلقت کو یہ سنوانا پسند نہیں کرتا کہ میں نے ایک آدمی کی ذمہ داری کر کے پھر عہد شکنی کر دی ہے۔ یہ سنتے ہی فوراً ابوبکر نے جواب دیا بہت خوب میں تمہارے امان دلوانے اور تمہاری ذمہ داری کو تمہیں واپس دیتا ہوں اور آج سے میں اپنے کو اللہ امان میں سمجھتا ہوں. اُسی کی امان میرے لیے بس ہے. یہ سُن کے ابن الدغنہ چلا گیا اور کچھ ہوں ہاں نہیں کی. ابھی تک حضور انور ﷺ مکہ ہی میں تھے آپ نے ایک دن اپنے جان نثار صحابہ سے کہا کہ مجھے تمہاری ہجرت کا شہر دکھا دیا گیا ہے۔ مگر ابھی تک مجھے ہجرت کرنے کا حکم نہیں ہوا ہے اُس شہر میں باغات بکثرت ہیں دو پہاڑیوں کے بیچ میں واقع ہوا ہے اور اُن کا نام حرتان ہے. یہ سُن کے صحابہ مطمئن ہوئے. صحابہ کو ہجرت کرنے کی عام اجازت تھی جس کا دل چاہا وہ مدینہ ہجرت کر کے چلا گیا. یعنی وہ لوگ جو حبشہ ہجرت کر کے گئے تھے اُن میں سے بھی کئی مدینہ چلے آئے. اخیر اسی طرح جب ابوبکر نے ارادہ کیا کہ مدینہ چلو تو حضور انور ﷺ نے ارشاد کیا کہ ابھی تم نہ جاؤ امید ہے کہ مجھے بھی عنقریب ہجرت کا حکم ہو اور میں تمہارے ساتھ موعود شہر میں چلوں۔ یہ سنتے ہی ابوبکر مارے خوشی کے پھولے نہ سمائے اور عرض کیا یارسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کیا حضور انور کو بھی اسکی امید ہے۔ فرمایا ہاں۔ ابوبکر کو اطمینان ہو گیا اور صرف حضور انور ﷺ کی وجہ سے رک گئے اور کہا تو بس اپنے آقا ہی کے ساتھ چلیں گے۔ اُس وقت ابوبکر کے پاس دو اونٹ تھے۔ اُنہیں چارہ خوب کھلایا گیا اور خوب اُن کی چار مہینے تک غور و پرداخت کی گئی۔ ایک دن دوپہر کے وقت یکا یک ابوبکر سے ایک شخص نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ آ رہے ہیں اور ایک چادر اوڑھے ہوئے ہیں۔ اتنے میں رسول اللہ آ پہنچے اور اندر آنے کی اجازت چاہی فوراً اجازت دے دی گئی. آپ اندر تشریف لائے اور فرمایا کہ لو اب میں تم سے جدا ہوتا ہوں. ابوبکر نے عرض کیا یارسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کیا آپ کے متعلقین بھی ساتھ جائیں گے۔ ارشاد ہوا نہیں پھر عرض کیا اور یہ خادم، حکم ہوا ہاں اس پر ابوبکر نے عرض کیا کہ میرے ان دو اونٹوں میں سے جو بہت توانا اور تیز رفتار ہیں حضور ایک اونٹ پسند فرما لیں ارشاد ہوا اچھا

لوں گا مگر اُسکی قیمت ادا کر دوں گا۔ عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ میں نے اور میری والدہ نے اُن اونٹوں کو خوب کھلایا، پلایا اور دونوں کے لیے توشہ دانوں میں کھانا رکھا. اور اسماء نے ایک نطاق کاٹا اور اُس سے اُن توشہ دانوں کا منہ باندھ دیا اِسی وجہ سے اسماء کا نام ذات النطاقین پڑ گیا تھا۔ اور پھر دونوں یعنی ابوبکر اور رسول اللہ مکہ سے روانہ ہو گئے. اور ملاحظہ فرمایئے بچہ بھی اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ اگر معاذ اللہ ابوبکر کو اپنے نبی سے عداوت ہوتی تو جس وقت آپ غار میں تھے اور مشرکین نے گھیر لیا تھا کیا ابوبکر کا ایک خفیف سا اشارہ اُنہیں آگاہ کرنے کے لیے کافی نہ تھا؟ اسکے علاوہ تین روز تک ابوبکرؓ و محمد تنہا اُس غار میں نہیں رہے بلکہ ابوبکر کا لڑکا عبداللہ ادھر اُدھر کی کل خبریں لا کے ساری باتیں موقع دیکھ کے کہہ جاتا تھا۔ یہ کونسی مشکل بات تھی کہ ابوبکر اپنے لڑکے کی زبانی قریشوں سے کہلا بھیجتے کہ ہم یہاں موجود ہیں. یہ باتیں ہر شخص اچھی طرح سمجھ سکتا ہے. اِس پر کتنا غضب ہے کہ مرغے کی ایک ہی ٹانگ کیے جانا اور اپنی ہفوات کو برابر اسی طرح سراہنا یہ جنون نہیں تو اور کیا ہے؟ کوئی اندھا بھی اِس بات کو تسلیم نہیں کر سکتا ہے کہ ابوبکرؓ کو اپنے ہادی سے عداوت تھی۔ (لاحول ولا قوۃ) اِس قسم کی بیہودہ باتیں ایک دیوانہ شخص بھی مشکل سے بنا سکتا ہے۔ میں کیا کہوں گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل۔ ہمارے بعض غالی تو یہاں تک بڑھے اور اپنے خیال کو اُنہوں نے اِس تاریک وادی میں یہاں تک جنبش دی کہ بس کچھ کہا نہیں جاتا۔ وہ فرماتے ہیں کہ جس وقت مشرکین غار پر آ گئے تو ابوبکر چپکے چپکے اپنی اُنگلیوں سے برابر اشارہ کر رہے تھے کہ یہ نبی موجود ہیں۔ اُنہیں گرفتار کر لو کہ اُسی وقت ایک سانپ نے ابوبکر کی اُنگلی کو چنک لیا اُس وقت ایسی تکلیف ہوئی کہ ابوبکر نے اُدھر سے اپنی اُنگلی ہٹائی اور درد سے ایسے بے تاب ہو گئے کہ پھر اشارہ نہ کر سکے۔ اس پر رسول اللہ نے یہ فرمایا کہ اُنگلی ہی پر خیر گزری اگر تم ہاتھ سے اشارہ کرتے تو اشارہ ہاتھ سے ہاتھ دھو بیٹھتے۔ اِس سفید جھوٹ کی کوئی انتہاء نہیں استغفر اللہ۔ کیا بے باکی سے جھوٹ بولا گیا ہے۔ بس سوا اسکے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ کہ جھوٹوں پر خدا کی لعنت ہے بعض غالی اور بھی آگے بڑھ گئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اُنگلی نہیں بلکہ ابوبکر نے اپنا پیر غار کے باہر نکالا تھا تا کہ مفرک دیکھ کے آ کو دیں اور رسول اللہ ﷺ کو گرفتار کر لیں. سانپ نے اُس پیر کو چنک لیا۔

''ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا'' ایک غالی ہاتھ کی اُنگلی بیان کرتا ہے اور دوسرا پیر یہ ساری باتیں ایسی

ہیں کہ بچہ بھی ہنس دے بیسوں کتابیں یورپ کی مختلف زبانوں میں حضور انور ﷺ کے حالات میں لکھی جا چکی ہیں اور اپنی اپنی جگہ مصنفوں نے خوب تحقیق کر کے اور مسلمانوں کی کتابوں کو پڑھ کے وہ کتابیں ترتیب دی ہیں صدہا قسم کی نکتہ چینیاں ہیں جو انہوں نے اپنی دانست میں کی ہیں مگر یہ سب ہی ابوبکر کو حضور انور ﷺ کا سچا فدائی تسلیم کرتے ہیں اور اُس میں جہاں تک میری واقفیت ہے کسی نے بھی حرف گیری نہیں کی. ایسی کھلی ہوئی باتوں سے انکار وہی شخص کر سکتا ہے جو یقینی طور پر نہ صرف ابوبکر کا بلکہ خود حضور انور رسول اللہ ﷺ اور دین خدا کا جانی دشمن ہو اور اس بات کی کوشش میں ہو کہ کسی طرح دین خدا کو بدنام اور برباد کر دوں مگر اللہ تعالی کے نور کی شمع پھونک مارے نہیں بجھ سکتی پر نہیں بجھ سکتی.

پھر شیعی علماء فرماتے ہیں کہ سنی جس آیت سے ابوبکرؓ کی فضیلت کا اظہار کرتے ہیں. اس سے تو اور اُن کی بُرائی نکلتی ہے. کیونکہ اللہ تعالے فرماتے ہے. "لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا" اس سے ابوبکر کی بزدلی، بے صبری، اللہ کے قضا و قدر پر عدم یقینی اور نارضامندی معلوم ہوتی ہے۔ فقط۔

حقیقت میں تعصب انسان کو اندھا کر دیتا ہے. اللہ تعالے کے کلام پاک کا علانیہ مضحکہ اُڑایا گیا ہے. خیال تو فرمایئے جو شخص بزدل اور بے صبر ہوگا اور اللہ کے قضا و قدر پر اُسے یقین نہ ہوگا یعنی کافر مطلق ہوگا اُسے اللہ تسکین روح کس طرح دے سکتا ہے. مہربان آقا تسکین تو اُسی ملازم کو دے گا. جو انتہاء درجہ وفادار اور جان نثار ہوگا. اگر وہ کسی ایسی بات سے غم کرے جس سے اُس کے آقا کی مرضی فوت ہوتی ہو اور اُس کا یہ غم انتہائے عشق پر ختم ہوتا ہو تو کیا یکلخت آقا کی محبت کی نظریں اُس پر نہ اُٹھنے لگیں گی اور کیا آقا اُسے ہر طرح تسکین نہ دیگا۔ ایک نادان سے نادان بھی اِس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ اپنے دشمن کو کوئی تسکین نہیں دیتا بلکہ تسکین دلاسہ دوست ہی کو دیا جاتا ہے۔ لہٰذا اِسکے خلاف یہ کہنا کہ لا تحزن سے ابوبکر کی بُرائی نکلتی ہے کلام خدا کا اور مضحکہ اُڑانا ہے. دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ خیال یا شیعی علماء کا یہ قول اِن کے پہلے قول کے منافی ہے۔ جس میں اُنہوں نے کہا ہے کہ رسول اللہ نے محض اندیشہ کی وجہ سے ابوبکر کو ساتھ لے لیا تھا۔ کہ یہ ہماری کسی کو خبر نہ دے اُسکے منافی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب ابوبکر حضور انور کے دشمن تھے اور در پردہ اُن لوگوں سے ملے ہوئے تھے جو آپ کو تلاش کرنے آئے تھے تو اُن کے آ جانے پر ابوبکر کو خوش ہونا چاہیے تھا نہ کہ غمگین ہوتا۔ ''ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا''

ایک طرف یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ دشمنوں سے ملے ہوئے تھے۔ دوسری طرف یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے دوستوں یعنی مشرک قریشوں کے سر پر آ جانے سے غمگین ہوئے اور ایسے سچے دل سے غمگین ہوئے کہ غیرتِ حق کو حرکت ہوئی اور خود اللہ تعالیٰ ابوبکر سے ہم کلام ہوا اور نہایت زوردار محبت سے فرمایا غم نہ کرو ''میں تمہارے ساتھ ہوں'' شیعی علماء کا استدلال بس کیا کہوں کچھ کہہ نہیں سکتا قربان جایئے اس سخت دشمنی اور عداوت کے کہ اپنی بھی خبر نہ رکھی کہ اس ہفوات پر لوگ ہمیں کیا کہیں گے اور ہماری علانیہ عداوت اور اللہ تعالےٰ کے مضحکہ اڑھانے پر ہمیں کس مرتبہ کی داد دیں گے ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ ابوبکر کے لیے یہ ایک معمولی بات تھی کہ جب مخالف سر پر ہی آ گئے تھے تو معمولی اشارہ کافی تھا آسانی سے دشمن قابو پا سکتا تھا۔ اِسکے علاوہ ابوبکر کا بیٹا عبداللہ اور آپ کا غلام عامر ابن فہیرہ مکہ سے خبریں لاتے اور اُنٹوں کی حفاظت کرتے۔ غرض خلاصہ یہ ہے کہ اس معاملہ میں شیعی علماء کا کلام کرنا خود اُن ہی کے قول کو باطل کرتا ہے۔ کبھی تو اُن کے قول کا فتوٰی ابوبکر کے نفاق پر ہوتا ہے اور کبھی انتہائے اسلام پر۔ اصل بات یہ ہے کہ جس امر کو انسان حق سمجھتا ہے مگر کسی دنیاوی لالچ یا شیطانی دشمنی کی وجہ سے اسکے خلاف اظہار کرتا ہے تو اُسکے منہ سے ایسی ہی بہکی باتیں نکلتیں ہیں اور اُس میں وہ مجبور ہے۔ ایک یہ بات بھی زیادہ غور کے قابل ہے کہ مہاجرین میں کوئی منافق نہ تھا نفاق تو فقط انصار کے بعض قبیلوں میں تھا۔ اسکی وجہ ظاہر ہے کہ جس نے اپنا وطن۔ اپنا گھر، اپنی جائیداد اور اپنے بال بچے چھوڑے وہ کسی لالچ کی وجہ سے نہیں چھوڑے بلکہ اللہ تعالیٰ کی مرضی حاصل کرنے اور اس کے نبی کی نصرت کے لئے چھوڑے وہ کیسے منافق بن سکتا ہے۔ اس کے علاوہ محض اپنی مرضی سے ہجرت کی پھر اس میں نفاق کی بو بھی کیسے آ سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہجرت کرنے والوں کی تعریف اللہ تعالےٰ نے اپنے کلام میں اس طرح فرمائی ہے۔

''لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ'' (الحشر:۸) یعنی ان مہاجر فقیروں کے لیے جو اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے نکال دیئے گئے ہیں وہ اللہ کا فضل اور اُسکی رضامندی کے طلب گار ہیں اور اللہ کے دین اور اُسکے رسول کی مدد کرتے ہیں۔ یہی لوگ سچے (ایماندار) ہیں۔ پھر ارشاد کرتا ہے۔ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ

لَقَدِیْرُ o اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ" (الحج:۳۹، ۴۰) غرض اس سے فیصلہ ہو گیا کہ کل مہاجرین پکے ایماندار اور اللہ ورسول اللہ کی رضامندی حاصل کرنے والے ہیں۔ دوسری بات یہ جتائی رہ گئی کہ ابوبکر ان کل مہاجرین سے افضل ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالی ان سے غم کے وقت ہم کلام ہوا۔ اور انہیں تسکین دی اس سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ حضور انور نے اپنے ساتھ چلنے کے لیے جو انتخاب کیا تھا وہ کسی اندیشہ کی وجہ سے نہ تھا بلکہ محض اس سبب سے تھا کہ ابوبکر کے مرتبہ کا اور کوئی دوسرا شخص نہیں ہے جو اس خدمت کے انجام دینے کے قابل ہو۔ یاد رکھو اس سے زیادہ اہم اور نازک سفر حضور انور کو آئندہ کوئی پیش نہیں آیا۔ پس ایسے سفر میں محض اپنی نصرت اور اطمینان قلب کے لیے حضور انور ﷺ کا انتخاب ابوبکر کی فضیلت کھلم کھلا دیگر عامہ مسلمین اور اُن سے پہلے کل صحابہ پر ثابت کرتا ہے۔ اس سفر کی اہمیت اور اُس کا مہتم بالشان ہونا اس سے پایا جاتا ہے کہ اُسے تاریخ اور سنہ کا مبداء قرار دیا گیا کیونکہ تاریخ اور سنہ تو ایسے ہی امر سے لیا جاتا ہے جو عام لوگوں میں مشہور اور سب کو معلوم ہوا۔ ایسے نامور سفر میں حضور انور کے ہم رکاب وہی شخص ہو سکتا ہے۔ جس پر حضور کو کامل بھروسہ اور اطمینان ہو نہ وہ شخص جو صرف آپ کی صحبت میں مخصوص ہو۔ بس یہ صدیق کے فضائل ہیں۔ اور اوروں سے اُنہیں امتیاز دینے کے لیے کافی ہیں۔ یہ وہ فضائل ہیں جن میں کوئی اُنکا ہمسر نہیں اور یہ اس بات کی پختہ دلیل ہے کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کے نزدیک آپ کے سب صحابہ سے صدیق اکبر ہی افضل تھے۔ اِس بحث کا دوسرا پہلو ملاحظہ کیجئے۔ شیعی علماء فرماتے ہیں کہ لاتحزن والی آیت ابوبکر میں نقص ہونے کی دلیل ہے اِسکا جواب اول تو یہ ہے کہ نقص کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو ایمان کے منافی ہے اور ایک وہ ہے۔ جس کے معنی کمی کے ہیں کہ اکمل سے کم ہوں۔ اب اگر شیعی علماء نے پہلے معنی مراد لیے ہیں تو بالکل غلط اور باطل ہیں کیونکہ اسی طرح اللہ تعالی نے اپنے نبی کے حق میں بھی فرمایا ہے۔ "وَلَا تَحْزَنْ عَلَیْهِمْ وَلَا تَکُ فِیْ ضَیْقٍ مِّمَّا یَمْکُرُوْنَ" (النحل:۱۲۷) یعنی اور تم اُن پر رنج نہ کرو اور جو فریب یہ کرتے ہیں اس سے تنگ دل نہ ہو پھر اسی طرح عام مسلمانوں کے حق میں یہ فرمایا "وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ" یعنی اور اگر تم مسلمان ہو تو جہاد سے ہمت نہ ہارو اور نہ رنج کرو تم ہی غالب ہو۔ پھر دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔ "وَلَقَدْ اٰتَیْنٰکَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ

وَالْقُرْآنَ الْعَظِيْم. لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَابِهٖ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ" یعنی اور بے شک ہم نے تمہیں سبع مثانی اور قرآن عظیم عنایت کیا ہے تم تعجب سے اپنی دونوں آنکھیں اِس مال و دولت کی طرف ہرگز نہ کھولو جس کے ساتھ ہم نے اِن کی جماعتوں کو بہرہ مند کیا ہے اور نہ تم اُن پر رنج کرو۔ اِس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ جس طرح صدیق اکبر سے ہم کلام ہو کے اللہ تعالیٰ نے غم سے تسکین فرمائی. اسی طرح اپنے نبی محمد عربی رسول اللہ کی تسکین کی اور مختلف موقعوں پر اسی طرح وہ پاک مومنین کی تسکین کرتا رہا. اللہ تعالیٰ کا یہ ایک راز ہے جو شخص کچھ بھی اپنے معبود حقیقی سے اپنا تعلق رکھتا ہے. وہ اِس راز کی کماحقہ حقیقت پہنچانتا ہے. اس حالت میں کہ جب عبد اپنے معبود میں محو ہو کہ اُس میں مل جائے تو محبوب اپنے اِس عزیز عبد کے قدم قدم پر نظر رکھتا ہے اور اُس کی خفیف سی پریشانی میں اُس سے ہم کلام ہو کے دل جوئی فرماتا ہے کیا غضب کی بات ہے کہ ایک ذات سے اللہ تعالیٰ ہم کلام ہو رہا ہے۔ اور اُس غم سے جو لازمۂ عشق حقیقی تھا تسکین فرما رہا ہے۔ مگر عقل سے بے بہرہ یا تعصب سے اندھا اعلانیہ اس کہنے میں باک نہیں کرتے۔ کہ وہ پاک نفس اور اُس سے اللہ تعالیٰ کا ہم کلام ہونے پر معترض ہونا خود اپنے میں نقص رکھتا ہے. اب رہا نقص کی دو قسمیں جو ہم نے اوپر بیان کی ہیں. ان میں سے ایک بھی صدیق اکبر کی ذات سے چسپاں نہیں ہوئی. صدیق کی راست بازی اور کلام صداقت کا اس سے زیادہ ثبوت نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالے اُن پر اپنی رحمت کا دروازہ کھولے. اُن سے ہم کلام ہو اور اُنہیں تسکین دے۔ اس کے آگے تمام جہان کی نکتہ چینیاں تمام دل آزار اعتراضات تمام بے بنیاد خروہ گیریاں منہ کے بل گر پڑتی ہیں اور کسی کو حرف زدن کا یارا نہیں رہتا. یہ فطرت کا وہ مشاہدہ ہے جس کے لیے دلیل کی ضرور نہیں. جس طرح روشنی سے بغیر دیکھے ہم آفتاب کے طلوع کا پتہ لگا لیتے ہیں اسی طرح صدیق اکبرؓ کے اس عظیم الشان مرتبہ سے جو اللہ تعالے کی طرف سے آپ کو عطا ہوا آپ کی غیر معمولی صداقت کا ہمیں کھوج مل جاتا ہے اور اُس وقت کائنات کے ذرے ذرے سے صدا بلند ہو جاتی ہے۔ ''بعد از نبی بزرگ توئی قصہ مختصر''

اس بات کو یاد رکھئے واقعات اور مشاہدات کا اس سے ثبوت ملتا ہے کہ نازک سے نازک موقعوں اور اندیشہ ناک حالتوں میں کل صحابہؓ سے صدیق اکبرؓ یقیناً صبر کرنے میں افضل اور اکمل

رہتے تھے. سب سے پہلے جب حضور انور ﷺ نے اپنے معراج کی خبر دی تو اُدھر مشرکوں نے قہقہہ اُڑایا جس سے بعض مؤمنین سر در گریباں ہو گئے۔ مگر یہ صدیقؓ ہی تھے جس نے سب سے آگے بڑھ کر کہا لبیک یا رسول اللہ بے شک آپ سچے ہیں آپ کو یقیناً معراج ہوئی اور آپ نے کل انبیاء سے آسمان میں باتیں کیں کون ہے؟ جو اِسکے خلاف شہادت دے سکتا ہے۔ مکے کا ذرہ ذرہ ابھی تک اِس کی گواہی کی صداقت کر رہا ہے اور خود لفظ صدیق معراج کی ساری تعریف اور اُس کی کل کیفیت اپنے میں رکھتا ہے۔ جن لوگوں نے حضور انور رسول اللہ کی پاک زندگی اور بعد کے احوال میں غور کیا ہے وہ اس بات کو جانتے ہیں کہ حضور انور کے اشاروں پر چلنے والا اور حضور انور ﷺ کی ایذا رسانی سے کوسوں دور رہنے والا اگر کوئی ہے تو وہ ابوبکر ہے اس میں شک نہیں کہ کل صحابہ کی زندگی کا مقصد اعظم یہی تھا کہ حضور انور ﷺ کی دل آزاری سے کوسوں دور رہیں اور آپ کے اشاروں پر چلیں مگر ان باتوں میں سب سے زیادہ افضل اور سب سے زیادہ اکمل ابوبکر ہیں کیا کوئی اِس سے انکار کر سکتا ہے کہ ابوجہل کی بیٹی سے نسبت ٹھہرا کے خود خاتون محشر کی زندگی میں حضرت علی نے اتنا بڑا صدمہ حضور انور کو دیا تھا۔ حضرت فاطمہؓ خاتونِ محشر کا خاتم النبیین اپنے باپ کے پاس غمزدہ آ کے کہنا کہ دیکھئے علیؓ میرا شوہر آپ کا داماد میری موجودگی میں ابوجہل دشمنِ اسلام کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ اور اُس وقت حضور انور کا غضبناک ہو کے مسجد میں چلا آنا اور مسلمانوں کو جمع کر کے خطبہ پڑھنا اور صاف طور پر یہ فرمانا کہ بنی عبد مناف میں جو میرا داماد ہے اُس نے ہمیشہ اپنے قول کا ایفا کیا ہے مگر علیؓ نے باوجود اپنے عہد کے یہ کارروائی کی ہے کہ وہ ابوجہل دشمنِ اسلام کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ اگر درحقیقت اُس کی مرضی ہے اور وہ اس پر تُلا ہوا ہے۔ تو وہ فوراً میری بیٹی فاطمہ کو طلاق دے دے۔ کیونکہ خاتم النبیین کی بیٹی ایک کافر کی بیٹی کے ساتھ نہیں رہ سکتی آؤ اور دیکھو اتر اور دکھن کے رہنے والو وہ جو مادر زاد اندھے ہیں اور سنیں وہ جو پیٹ کے بہرے ہیں کہ آیا صدیق اکبر اور علی ابن ابی طالب میں کوئی بھی نسبت ہو سکتی ہے مخالف اپنا گھٹنوں تک زور لگا دیں گے تب بھی وہ ایسا کوئی خفیف سا موقعہ بھی جس سے ابوبکر کی طرف سے حضور انور ﷺ کی خفیف سی بھی دل آزاری ہو ثابت نہ کر سکیں گے. شیعی علماء کی کتابیں چھپی ہوئی نہیں ہیں اور نہ مثل آریوں کے دیدوں کے ناپید ہیں ہزاروں لاکھوں چھپتی ہیں اور اشاعت

پا جاتی ہیں دنیا کے مذاہب میں سے کسی مذہبی عالم یا کسی آزاد خیال مصنف نے آیا تھوڑی دیر کے لیے بھی اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ ابوبکرؓ محمد عربی رسول اللہ کے دشمن تھے. اس سے معلوم ہوگیا کہ صداقت نے تمام دنیا پر قبضہ کر لیا ہے. اور کذب، بہتان، افترا اور ناروا نکتہ چینیوں کا بالخصوص ان معاملات میں کھوج تک مارا گیا ہے دیکھو جب حضور انور ﷺ کی وفات ہوئی تو آپ کی وفات ان سب مصیبتوں سے کہیں بڑھ کر تھی جس سے ایمان میں زلزلہ آجاتا ہے یہی وجہ تھی کہ بعض عرب مرتد ہوگئے اور فاروق اعظم جو اپنے یقین اور ایمان میں ابوبکر کے بعد سب صحابہؓ سے پختہ تھے. ایسے مضطرب ہوئے کہ اُن کی زبان سے بے ساختہ یہ نکل گیا جو کوئی کہے گا کہ محمد ﷺ فوت ہوگئے ہیں میں اُس کی گردن اُڑا دوں گا۔ اس پر بھی ابوبکرؓ کی ثابت قدمی دیکھنے کے قابل ہے۔ صدیقؓ نے اس مصیبتِ عظمیٰ کا مقابلہ نہایت صبر اور استقلال سے کیا اور علی الاعلان اس جم غفیر میں جو حضور انور ﷺ کی وفات سے افسردہ ہو رہا تھا یہ کہا تم میں سے جو شخص محمد کی عبادت کرتا ہو تو وہ کان کھول کر سن لے کہ محمد ﷺ تو مر چکے اور جو اللہ کی عبادت کرتا ہے وہ اِس بات کو سمجھ لے کہ اللہ بے شک زندہ اور توانا ہے وہ کبھی نہیں مرے گا۔ پھر آپ نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی۔ **وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ. اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا.** (آل عمران:۱۴۴)

ہم اپنے سلسلہ بیان میں غالباً پہلے بھی اِس سے لکھ چکے ہیں کہ جب حضور انور کا وصال باری تعالےٰ ہوا تو ابوبکر سنخ میں تھے فاروق اعظم نے کھڑے ہو کے سب کے سامنے یہ کہا قسم ہے خدا کی رسولِ خدا مرے نہیں ہیں. جو لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ رسول اللہ کی وفات ہوگئی تو اب اللہ آپ کو اُٹھائے گا اور آپ کہنے والوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالیں گے کہ اتنے میں ابوبکر بھی آگئے. وہ اس جماعت کثیرہ کو چیرتے ہوئے سیدھے حضور انور ﷺ کے حجرے میں داخل ہوئے. آپ کے مقدس چہرے پر چادر پڑی ہوئی تھی. صدیق اکبر نے اُس چادر کو آہستگی میں منور چہرے سے سرکایا اور تاباں پیشانی پر بوسہ دیکر یہ کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کہ آپ زندگی اور موت دونوں حالتوں میں اچھے ہیں قسم ہے اُس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ اللہ آپ کو دو

موتوں کا ذائقہ کبھی نہ چکھائے گا. اِسکے بعد آپ نے حضور انور ﷺ کا منور چہرہ اُسی چادر سے ڈھانک دیا اور حجرے کے باہر آئے اور فاروق کی طرف خطاب کر کے کہا اے قسم کھانے والے ذرا صبر کرو. صدیق کے اتنا کہتے ہی فاروق بیٹھ گئے صدیق نے پہلے تو اللہ کی حمد وثنا بیان کی پھر یہ کہا کہ یاد رکھو جو شخص محمد ﷺ کی پرستش کرتا تھا تو محمد کی تو اب بے شک وفات ہوگئی اور جو اللہ جل شانہ کی پرستش کرتا تھا تو اللہ بے شک زندہ ہے وہ کبھی نہیں مرے گا اور پھر مذکورہ آیت پڑھی. صدیق اکبر کی یہ گفتگو سنتے ہی سب آدمی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے (یہ حدیث صحیح بخاری نے روایت کی ہے) پھر صحیح بخاری نے انس سے روایت کیا ہے کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کی وفات کے دوسرے روز فاروق اعظمؓ نے مسجد نبوی میں آ کے اور منبر پر بیٹھ کر یہ خطبہ پڑھا (انس کہتے ہیں کہ وہ خطبہ میں نے خود اپنے کانوں سے سنا) اُس وقت ابوبکر صدیق خاموش بیٹھے ہوئے تھے فاروق نے یہ کہا کہ واقعی میرا یہ خیال تھا کہ رسول اللہ بھی ایک عرصہ تک حیات رہیں گے. یہاں تک کہ جب ہم سب مر جائیں گے اس وقت حضور انور ﷺ کی وفات ہوگی پس اگر حضور انور کی وفات ہوگئی ہے تو اللہ تعالے نے تمہارے سامنے ایک نور قائم کر دیا ہے جس کے ذریعہ سے تم ہدایت پر آ سکتے ہو اور اُسی کے ذریعہ سے اللہ نے حضور کو بھی ہدایت دی تھی. (یعنی قرآن مجید) اُس کے علاوہ حضرت ابوبکر صدیق حضور انور کے غار کے ساتھی ہیں اور یہ مسلمانوں کے ہر کام میں سب اولی ہیں لہٰذا تم اُٹھو اور اُن کے ہاتھ پر بیعت کر لو. چنانچہ یہ سنتے ہی سب اُٹھ کھڑے ہوئے اور سب نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی ان کے علاوہ کثیر تعداد بنی ساعدہ کے سقیفہ میں سے آپ سے بیعت ہو چکے تھے اور باقی بیعت اب اِس عام منبر پر ہوئی۔

اِس کے علاوہ وہ جنگ بدر کا قصہ قریش میں اور ساتھ ہی جنگ حدیبیہ اُن کی طمانیت اور پختہ دلی میں ایسا مشہور ہے کہ اُن کی وجہ سے بھی آپ کو سب صحابہ پر فوقیت ہے۔ پھر یہ کہ کیونکہ ممکن ہو سکتا ہے. کہ آپ کو گھبراہٹ اور بے صبری کی طرف نسبت دی جائے. یہ تو یہ مرتدین سے جنگ کرنے کے لیے یک لخت تیار ہو جانا اور زکوۃ ادا نہ کرنے والا سے لڑائی پر آمادہ ہو جانا اور باوجود اُسامہ کے لشکر کو اہتمام کے ساتھ روانہ کر دینے کے مسلمانوں کو ثابت قدم رکھنا اِس بات کو ثابت کرتا ہے کہ اطمینان اور یقین صدیق سب صحابہ سے بڑھے ہوئے تھے. کہتے ہیں کسی شخص نے صدیق سے کہا تھا کہ

درحقیقت جو حوادث آپ پر بڑے ہیں اگر وہ کسی پہاڑ پر پڑتے تو ریزہ ریزہ ہو جاتا اور اگر کسی دریا پر پڑتے تو وہ بالکل خشک ہو جاتا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آپ پر اُن کا کچھ اثر نہیں ہوا. آپ نے فرمایا کہ غار کی شب کے بعد سے میرے دل میں کبھی کسی بات کا خوف نہیں آیا. غار کا ذکر ہے کہ جب نبی ﷺ نے مجھے رنج کرتے ہوئے دیکھا تو یہ فرمایا. اے ابوبکر کچھ فکر نہ کرو. کیونکہ ہمارے اِس کام کو پورا کرنے کا خود اللہ کفیل اور ذمہ دار ہو چکا ہے۔

دوسرا جواب: جو شخص ابوبکر کے یقین اور صبر کو کسی صحابی سے تشبیہ دے خواہ عمر سے خواہ عثمان سے خواہ علی سے تو یہ اُسکی جہالت کی دلیل ہے۔ کوئی مسلمان اس امر میں کہ ابوبکرؓ عمر وعثمان وعلی سے افضل ہیں کبھی نزاع نہ کریگا۔ یہ بات ایسی ظاہر و باہر ہے کہ اُسکے لیے چنداں دلیل کی بھی ضرورت نہیں ہے. مگر شیعی علماء کا یہ دعوے جو اُنہوں نے کیا تھا کہ ان صفات میں خلفاء ثلاثہ سے حضرت علی اکمل تھے بالکل بہتان جھوٹ اور اتہام ہے. کیونکہ جو شخص عمر اور عثمان کے احوال میں غور وتدبر کرے تو اُسے ضرور معلوم ہو جائے کہ صبر کرنے، ثابت قدم رہنے اور مصیبتوں کے وقت کم بلکہ بہت کم گھبرانے میں علی سے یہ دونوں بے شک اکمل ہیں جسکی صریح دلیل یہ ہے کہ جب عثمان غنی پر مصری باغیوں نے حملہ کیا اور مدینہ میں فوج نہ ہونے کی وجہ سے وہ ایسے چیرہ دست ہوئے کہ آپ کو تخت سے اُتار دیا اور اسی پر قناعت نہ کی بلکہ آپ کے قتل کی تدبیریں کرتے رہے یہاں تک کہ آپ کو قتل بھی کر دیا لیکن شیر دل عثمان نے اپنے آدمیوں کو منع کر دیا تھا کہ خبردار باغیوں کے مقابلہ میں تلوار نہ اُٹھانا۔ اِسکا مفصل ذکر ہم اپنے گزشتہ صفحوں میں کر چکے ہیں۔ کیا یہ مصائب پر اعلی درجہ صبر کرنا نہیں ہے۔ کیا اِس سے اسلام کی سچی محبت نہیں پائی جاتی کہ مسلمانوں میں خونریزی ہونے سے اپنا قتل ہونا بہتر جانا اور اپنی گردن دے دی۔ کیا غیر معمولی استقلال کا یہ زندہ نمونہ نہیں ہے؟

اب آپ انصاف سے غور کریں کہ عثمان کے صبر اور تحمل کے مقابلہ میں علی کا صبر وتحمل کیا اور کہاں تک تھا۔ مقابلہ کرنے کے بعد علی کے صبر وتحمل کا درجہ ایک صفر سے زیادہ نہیں ہوتا علی کا بے صبری سے اپنے لشکر کو کوسنا اور لشکر کا علی سے بے دل ہونا یہ باتیں مثل مشاہدات کے ہیں اور ان ہی میں علی کے صبر وتحمل کا راز چھپا ہوا ہے. اِسکے علاوہ وہ صحابہ ثلاثہ نے ان لوگوں سے مقابلہ کیا جو مسلمان نہ تھے

اور علی نے اِن لوگوں سے جنگ کی جو مسلمان تھے. پھر یہ بات بھی زیادہ توجہ کرنے کے قابل ہے کہ خلفاء ثلاثہ کے لشکروں کی تعداد اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں بہت تھوڑی تھی۔ یعنی فیصدی دس کی نسبت بہ مشکل ہوسکتی ہے۔ لیکن علی کے لشکر کی تعداد مخالفوق کے لشکر سے کہیں زحیادہ تھی اس پر بھی سابق الذکر فتح پر فتح پاتے ہرے مگر آخر الذکر کو سواء شکستوں کے کچھ حاصل نہیں ہوا. پھر جنگ کی نوعیت بھی دوسری تھی. ابوبکر وعمر عثمان نے مخالفین سے اسلام کے خاطر جنگ کی کہ اسلام اُس زمانہ کے نصرانیوں اور زرتشنیوں سے محفوظ اور اُس کے وقار میں کچھ فرق نہ آئے مگر نے اپنی ذاتی غرض یعنی بادشاہت حاصل کرنے کے لیے جنگ کی۔ لہٰذا جنگ کا جو خوف کہ کہیں اسلام مغلوب نہ ہوجائے. خلفاء ثلاثہ کو فطرتاً تھا وہ علی کو ہرگز نہ تھا۔ وہ اصل میں امیر معاویہ کے ساتھ ایک بازی کھیل رہے تھے جانتے تھے کہ اگر میدان لے لیا تو خودمختار بادشاہ بن جائیں گے اور جو میدان ہاتھ سے نکل گیا تو بھی پلاؤ کی رکابی کہیں نہیں جاتی. امیر معاویہ جیسا ایک فیاض حکمران بیش قرار مشاہرہ کردے گا بس آرام سے زندگی گزر جائے گی۔ چنانچہ حسن بن علی کی اخیر یہی کیفیت ہوئی کہ اُنہوں نے اپنی زندگی کے آخری دن امیر معاویہ کا پنشنر بن کے گزاری۔

پھر شیعی علماء کی یہ گوہر افشانی کہ قرآن مجید کی آیت ابوبکر کی کم ہمتی، بے صبری اللہ پر بھروسہ نہ رکھنے، اللہ کے قضا وقدر اور اپنے نبی کے ساتھ رہنے سے خوش نہ ہونے پر دلالت کرتی ہے محض غلط اور بالکل جھوٹ ہے آیت میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جو اس پر دلالت کرتی ہو۔ دیکھئے اِس کی دو وجہ ہیں ایک یہ کہ کسی چیز سے منع کرنا اُسکے وقوع پر دلالت نہیں کیا کرتا کہ یہ چیز ممنوع ہے آئندہ اسکا وقوع نہ ہو مثلاً اللہ تعالے فرماتا ہے۔ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ. (الاحزاب:۱) یعنی اے نبی اللہ سے ڈرو اور کافرین ومنافقین کی تابعداری نہ کرو تو یہ آیت اس پر دلالت نہیں کرتی کہ آپ اُن کی تابعداری کیا کرتے تھے. اسی طرح دوسری آیت یہ ہے وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ. یعنی اللہ کے ساتھ دوسرا معبود نہ پکارو۔ اِس سے یہ نہیں نکلتا کہ حضور انور دوسرا معبود پکارتے تھے کیونکہ حضور انور کی ذاتِ اقدس شرک کی آلودگی سے ہمیشہ پاک رہی آپ شرک سے بیشک معصوم تھے اس پر سب کا اتفاق ہے۔ پس نتیجہ یہ نکلا کہ لَا تَحْزَنْ فرمانا اس پر دلالت

نہیں کرتا صدیق غم کرنے لگے تھے لیکن عقل باور کرسکتی ہے کہ شاید رنج ہو تو اس سے منع ہی نہیں کیا بلکہ دلاسہ دے دیا کہ رنج کا وہم وگمان بھی دل میں نہ آئے. دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ ابوبکر بیشک رنجیدہ ہوئے تھے تو اس کے تسلیم کر لینے میں چارہ نہیں ہونے کا آپ کا یہ رنجیدہ ہونا صرف حضور انور رسول اللہ ﷺ کے لیے تھا کہ کہیں حضور انور پر کچھ آنچ نہ آ جائے اور اسلام کا خاتمہ ہو جائے. اِس کی مفصل بحث ابھی گزشتہ صفحات میں ہو چکی ہے۔ صدیق کی تو یہ مرضی تھی کہ اپنے آقا پر جان قربان کر دوں اِسی لیے ہجرت کے سفر میں کبھی حضور انور کے آگے آگے چلتے تھے اور کبھی پیچھے پیچھے اس پر حضور انور نے دریافت کیا ابوبکر اس طرح کیوں چلتے ہو. عرض کا یا نبی اللہ جب گھاتیوں کا خیال ہوتا ہے تو میں آگے ہو جاتا ہوں اور جب دوڑ آنے کا اندیشہ ہوتا ہے تو پیچھے ہو جاتا ہوں۔ یہ روایت امام احمد نے کتاب مناقب الصحابہ میں نقل کی ہے. اِس سے صاف طور پر معلوم ہو گیا کہ ابوبکر حضور انور ﷺ کو اپنے مال اور اپنی جان سے زیادہ چاہتے تھے اور آپ اُس بارے میں سب مسلمانوں سے بڑھے ہوئے تھے. اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ. یعنی نبی مسلمانوں میں اُن کی جانوں سے اولیٰ ہیں۔ صحیحین میں اُنس سے مروی ہے وہ حضور انور سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا تھا۔ **لا یومن احد کم حتی اکون احب الیہ من ولدہ ووالدہ والناس اجمعین** . یعنی تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا. جب تک کہ میں اُس کے نزدیک اُس کے بیٹے اور باپ اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں. غور کرو اور سمجھو کہ ابوبکر کا حضور انور پر رنج کرنا اِس امر کی صریح دلیل ہے کہ اُنہیں آپ سے انتہاء درجہ محبت تھی. وہ آپ کے اعلیٰ درجہ کے فدائی. آپ کی حفاظت کرنے والے اور آپ کو قسم قسم کی تکلیفوں سے بچانے والے تھے. اور یہ اعلےٰ درجہ کے ایمان کی نشانی ہے اور اگر باوجود اسکے بھی اس رنج کرنے سے ابوبکر میں کوئی بُرائی پیدا ہو گئی تھی۔ تو اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوا کہ ان صفات کے ساتھ متصف ہونے کا رنج نہ ہونے پر حکم ہے کیونکہ محض رنج کرنے میں کوئی فائدہ نہیں اور یہ اس پر دلالت نہیں کرتا کہ یہ ایسا گناہ ہے کہ اس پر کسی انسان کی بُرائی کی جائے. کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر رنج کرنا ہر انسان کے لیے اپنی اولاد پر رنج کرنے سے بھی زیادہ بڑھ کے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر مسلمان کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ اپنی اولاد سے

زیادہ رسول اللہ سے محبت کرے. یعقوب کا قصہ تم نے پڑھا ہے کہ اُنہیں اپنے بیٹے یوسف پر رنج ہوا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالے فرماتا ہے۔ وَقَالَ يَآ سَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضاً اَوْتَكُوْنَ مِنَ الْهَالِكِيْنَ قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ. (یوسف:۸۶) یعنی اور کہنے لگے اے افسوس یوسف پر، اسکی آنکھیں روتے روتے سفید ہوگئی تھیں۔ پس وہ غم سے بھرا ہوا تھا. (اُس کے بیٹے) کہنے لگے اللہ کی قسم تو ہمیشہ یوسف کو یاد کیا کرے گا یہاں تک کہ تو بیمار ہو جائے یا ہلاک. یعقوب نے کہا میں تو اپنے رنج و بیقراری کی شکایت صرف اللہ سے کرتا ہوں اور میں اللہ کی طرف سے وہ بات جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے. مطلب اس سے یہ ہے کہ یہ یعقوب نبی کریم ہیں جنہوں نے بیٹے پر اس قدر رنج کیا. تعجب ہے کہ ایسے شدید رنج کرنے میں اُن کی برائی کیوں نہ کی گئی.

اور ابوبکرؓ کی بُرائی کیوں کی جاتی ہے کہ جب اُنہوں نے اِس اندیشہ کی وجہ سے رنج کیا کہ کہیں کوئی قریشی مشرک حضور انور کو قتل نہ کردے حالانکہ دنیا و آخرت کی سعادت کا دارومدار اسی پر ہے. ادھر تو شیعی علماء ابوبکر کے حزن و ملال پر یہ اعتراض کر رہے ہیں کہ اُنہیں نہ خدا پر بھروسہ تھا او نہ قضا و قدر پر ایمان۔ ادھر آدم سے لیکر آخر الزماں نبی تک سب کے رونے، زاری کرنے اور ماتم کرنے کا نعرہ بلند کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سب ماتم کرتے اور روتے پیٹتے رہے. یہ بھی کہتے ہیں کہ فاطمۃ الزہرا اپنے والد کے غم میں اس قدر روئیں اور اُنہوں نے اتنا رجن کیا کہ وہ چند مہینے سے زیادہ زندہ نہ رہ سکیں اس پر بھی زہرا کی اِس رنج و غم اور اللہ تعالی کی مرضی کے خلاف نالہ و بکار کو کوئی برائی تصور نہیں کرتے باوجود یہ کہ رنج کرنا محض خدا کے ایک فعل پر تھا اور اُسکی مرضی کے مقابلہ کرنے اور اُس پر صبر نہ کرنے کی وجہ سے تھا اور ساتھ ہی اُس واقعہ پر تھا جو گزر چکا تھا اور واپس آنے والا نہ تھا۔ حالانکہ ابوبکر کا رنج خود حضور انور ﷺ کی زندگی میں آپ کے قتل ہوجانے کے ڈر سے تھا اور یہ ایسا رنج ہے جس سے آئندہ بہتری ہونے کی امید ہوتی ہے اور یہی وجہ تھی کہ جب حضور انور ﷺ کی وفات ہوگئی ہے. تو صدیق کو اتنا رنج نہ ہوا تھا کیونکہ اس موقع پر رنج کرنا محض بے سود اور وقت کا ضائع کرنا تھا. جسے کامل انسان اچھی طرح سمجھ سکتا ہے. خلاصہ یہ کہ صدیق کا رنج فاطمہ کے رنج سے بلاشک اکمل تھا پس اگر صدیق کے رنج

کرنے پر اُنہیں بُرا کہا جائے تو فاطمہ کو ویسے ہی بدرجہ اولی کہا جائے گا. ورنہ حضور انور ﷺ کی وفات کے بعد جن لوگوں نے آپ پر رنج کیا اُن کا رنج کرنا اُس رنج سے جو صدیق نے آپ کی جان کی حفاظت کے لیے آپ کی زندگی میں کیا تھا سچی محبت اور بے ریا عشق سے مملو تھا۔ یا چاہے سوائے تعریف کے انکی بُرائی نہیں ہو سکتی۔ بلکہ یہ رنج کرنا ان کی فضیلت میں داخل ہے۔ اب اگر شیعی اصحاب یہ کہیں کہ صدیق کا رنج کرنا اپنی جان کے لیے تھا نہ رسول اللہ کے واسطے تو یہ آپ ہی لوگوں کے قول کے قول کے مناقض ہے. تم کہتے ہو کہ ابوبکر رسول اللہ کا دشمن تھا اور رسول اللہ نے ابوبکر کو اپنے ہمراہ اس لیے لے لیا تھا کہ کہیں دشمنوں پر ہمارے جانے کا راز نہ کھول دے اگر ابوبکر حضور انور کے دشمن اور کفار سے ملے ہوئے تھے تو پھر اپنی جان کا رنج انہیں کیوں ہوا۔

تیسرا جواب: جو برتاؤ ابوبکر کا اپنے نبی کے ساتھ حضور انور ﷺ کے وصال تک تواتر سے ثابت ہو چکا ہے اُس سے بھی یہ باطل اور غلط ثابت ہوتا ہے. اب دوسرا پہلو لو اگر یہ مان لیا جائے کہ ابوبکر کو اپنا بھی رنج تھا اور نبی کا بھی تو کیا اس پر وہ بُرا کہے جانے کے مستحق ہو جائیں گے. بلکہ اگر یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ اُنہیں اِسی خوف کی وجہ سے غم ہوا تھا کہ کہیں میرا دشمن مجھے قتل نہ کر دے تو اس سے بھی حضور انور ﷺ کی ایک محبت پائی جاتی ہے کہ آپ حضور انور ﷺ کی پوری خدمت کرنا چاہتے تھے اور آپ جانتے تھے کہ ایسی نازک حالت میں حضور کا تنہا رہ جانا حضور کی کتنی پریشانی کا باعث ہوگا. اس انتہائے عشق پر ابوبکرؓ کی تعریف کی جائے یا بُرائی، بُرائی بھی اتنی کہ اُسکا درجہ سب و شتم تک پہنچا دیا جائے۔

چوتھا جواب: اگر یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ یہ گناہ تھا ابوبکر سے اس پر صبر نہ ہو سکا یعنی وہ رنج سے باز نہ آئے اور اس گناہ سے پہلو نہ بچا سکے بلکہ جب حضور انور ﷺ نے منع فرمایا اُس وقت رُکے. اِسکا جواب قرآن مجید میں موجود ہے جہاں اللہ تعالے نے بہت سے امور میں اپنے نبیوں کو منع کیا ہے اور منع کرنے کے بعد ہو اُن سے رُک گئے ہیں اور منع کرنے سے پہلے جو کچھ وہ کر چکے تھے اُس پر یعنی اُسکے کرنے پر اُنہیں بُرا نہیں کہا گیا. اسکے علاوہ جو آہ و زاری نالہ و بکا یا رونا پیٹنا فدک کی میراث نہ ملنے پر شیعی علماء نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے اس سے صاف طور پر یہ پایا جاتا ہے کہ یہ سارا غم والم محض

دنیا کے مال پر تھا۔ جسکی نسبت اللہ تعالے منع فرماتا ہے وہ آیت یہ ہے۔ لِكَيْلَا تَاسَوْا عَلٰى مَافَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰكُمْ ۔(الحدید:۲۳) یعنی تاکہ تم اُس پر افسوس نہ کرو جو تم سے جاتا رہے نہ اُس چیز سے اتراؤ جو تمہیں اللہ دے۔ اِس آیت میں اللہ کی طرف سے یہ ہدایت موجود ہے کہ اگر کوئی تمہاری چیز جاتی رہے تو اُس پر افسوس نہ کرو اور اگر کوئی نعمت تمہیں حاصل ہو جائے تو اُس پر اترانا یا غرور کرنا محض لغو اور بے سود ہے مگر جب ہم فدک کے معاملے میں حضرت علی اور فاطمہ کی حالت جو شیعی علماء نے اپنی کتابوں میں نقل کی ہے دیکھتے ہیں تعجب ہوتا ہے کہ کیا اُنہوں نے قرآن مجید کی یہ آیت نہیں دیکھی تھی کہ فدک کے نکل جانے پر انہوں نے یہ افسوس کیا اور افسوس بھی وہ جسکی حد ماتم پر جا کے ختم ہوتی ہے۔ اِسکے علاوہ دنیا پر رنج کرنے سے دین پر رنج کرنا بہتر ہے اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ ابوبکر کو رنج ہوا تھا تو وہ رنج اُن کا دین کی وجہ سے تھا ایسا نہ ہو کہ حضور انور ﷺ کی ذاتِ اقدس پر کوئی زد آئے اور اسلام کا خاتمہ ہو جائے اور اگر یہ بھی تسلیم نہ کریں اور یہ کہیں کہ نہیں انہیں صرف اپنی جان کا رنج تھا کہ کہیں جان نہ جاتی رہے تو بھی جو شخص اپنے قتل ہونے کا رنج کرے وہ اِس رنج سے بدرجہا بہتر ہے جو اپنے مال کے ضائع ہونے کا کرے پہلا شخص اِس دوسرے شخص سے بدرجہ اولیٰ معذور سمجھا جائے گا۔ یہ عجیب تماشے کی بات ہے کہ ہمارے شیعی علماء اپنے خیال میں جس شخص کے محامد و مناقب بیان کرتے ہیں وہ محامد و مناقب غور کرنے کے بعد اُسکے بدتر عیوب ثابت ہوتے ہیں اور جن امور کی وہ برائی کرتے ہیں اور اپنے مخالف پر اُن اُمور سے حملہ کرتے ہیں درحقیقت اِس کے لیے محامد و مناقب بن جاتے ہیں. کسی نے کیا اچھا کہا ہے.

ببیں کرامت بتخانہ مرا اے شیخ — کہ چوں خراب شود خانہ خدا گردد

باقی شیعی علماء کا یہ کہنا کہ یہ آیت ابوبکر کی بے صبری پر دلالت کرتی ہے محض غلط اور بالکل غلط ہے کیونکہ جس صبر کا حکم ہے اور جسکو مامور بہ کہا جاتا ہے اِسے نہ ہونے کی اِس آیت میں کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ مصیبتوں پر صبر کرنے کا حکم قرآن وحدیث سے ثابت ہے اور باوجود اس ثابت ہونے کے کسی بات پر دل ہی دل میں رنج کرنا اِسکے منافی نہیں ہے. جیسا کہ حضور انور کا ارشاد ہے اِن اللہ لا یوا خذ علی دمع الاعین ولا حزن القلب ولکن یواخذ علی ھذا اویرحم یعنی آنکھوں

سے آنسو بہانے اور دل ہی دل میں رنج کرنے پر اللہ تعالیٰ مواخذہ نہیں کرتا بلکہ وہ زبان (سے بیانات وغیرہ کر کے رونے) پر مواخذہ کرتا ہے یا رحم فرما دیتا ہے۔ اسی طرح شیعی علماء کا یہ کہنا کہ یہ آیت ابوبکر کے اللہ پر یقین نہ ہونے کی دلیل ہے محض بہتان ہے کیونکہ انبیاء نے بہتیرے رنج کئے ہیں لیکن اُن رنجوں سے یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس رنج سے انبیاء کو اللہ پر یقین نہیں تھا جیسا اللہ نے یعقوب کے حال کا ذکر کیا وہ آیت اس بات کی ہرگز دلیل نہیں ہوسکتی کہ اُنہیں اللہ پر یقین نہیں تھا۔ نہ اِس یقین کرنے پر وہ دلالت کرتی ہے اور نہ کوئی اُسے اُسکی دلیل کہتا ہے۔ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ جب حضورانور رسول اللہ ﷺ کے صاحبزادے ابراہیم فوت ہوئے تو آپ نے یہ فرمایا تھا۔ **تدمع العین ویحزن القلب ولانقول الا مایرضی الرب وانابک یا ابراھیم لمحزون** یعنی اے ابراہیم ہم تیری وجہ سے بہت ہی رنجیدہ ہیں آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں اور دل غم کرتا ہے۔ لیکن ہم سوائے اِسکے کچھ نہیں کہتے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو رنج کرنے سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے **وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ** ۔ اسی طرح شیعی علماء کا یہ کہنا کہ یہ ابوبکر کی بزدلی اور قضا وقدر پر نارضامندی کو دلیل ہے، نا قابل تسلیم ہے اور جسکا غلط ہونا بدیہی ہے اور جس کی نظیریں پہلے گزر چکی ہیں۔ پھر شیعی علماء کی یہ گوہر افشانی کہ اگر رنج کرنا اطاعت تھا تو پیغمبر خدا اِس سے کیوں منع کرتے کیونکہ نبی اطاعت سے نہیں منع کرتے بلکہ اور اسکی ترغیب دیا کرتے ہیں۔ (پھر بقول شیعی علماء) اگر وہ معصیت تھا تو جسے تم فضیلت کہتے ہو وہ رذیلت ہوئی۔ فقط۔

پہلا جواب: یہ دعویٰ تو کوئی نہیں کرتا کہ محض رنج کرنا ہی فضیلت ہے۔ فضیلت تو وہ ہے کہ ابوبکر نے حضورانور ﷺ کے ساتھ اپنا وطن چھوڑ دیا اور آپ کی بابرکت صحبت کو سب باتوں پر فضیلت دی اور ہر طرح سے کمال صحبت حاصل کیا حالانکہ قرآن مجید اس پر دلالت نہیں کرتا کہ اُنہیں کسی قسم کا رنج لاحق ہوا تھا۔

دوسرا جواب: یہی الفاظ جن سے ابوبکر نے خطاب کیا ہے بعینہٖ ذیل کی آیت میں بھی ملیں گے جن سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے خطاب کیا وہ آیت یہ ہے **وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ** پھر فرماتا ہے **وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ** بلکہ اس آیت کا

بھی جس میں اللہ نے موسیٰ سے خطاب کیا تھا یہی مطلب ہے. خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَىٰ. اس اخیر آیت میں بھی یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر موسیٰ کا یہ خوف طاعت تھا تو اللہ نے اس طاعت سے کیوں منع کیا اور اگر معصیت تھا تو موسیٰ نے رذیل کام کیا اِسکا جواب بھی یہی ہے کہ یہاں اللہ نے اُنہیں اطمینان رکھنے اور ثابت قدم رہنے کا حکم دیا ہے. کیونکہ قاعدہ ہے کہ جب کبھی کوئی باعث امن نہیں ہوتا تو وہاں انسان کے دل میں بے اختیار خوف پیدا ہوجاتا ہے اور جس وقت وہاں کوئی باعثِ امن ہوجاتا ہے تو وہ خوف جاتا رہتا ہے. پس موسیٰ سے اللہ کا یہ فرمانا کہ تم خوف نہ کرو ہم اس لاٹھی کو پہلے ہی جیسی کردیں گے ایک ایسی خبر کا امر ہے جو ان کے اِس خوف کو زائل کرتی ہے. اسی طرح حضور انور کا اپنے صدیق سے یہ فرمانا لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا ایک رنج سے منع کرتا ہے جو اسکے باعث زوال یعنی إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا کے ساتھ مقرون ہے اسی مضمون کی اِسکے علاوہ اور بھی بہت سی آیتیں ہیں.

تیسرا جواب: حضور انور ﷺ کے اس ارشاد کرنے میں کہ رنج نہ کرو، کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جو اس رنج کے موجود ہونے پر دلالت کرے جیسا پہلے بیان ہوچکا ہے کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جب کسی چیز کا مقتضی یعنی سبب موجود ہو تو اِس سے اس لئے منع کردیتے ہیں تاکہ وہ چیز وجود میں نہ آئے اور اس صورت میں اِس رنج کا معصیت ہونا ہمیں کچھ مضر نہ ہوگا۔ اگرچہ وہ وجود میں بھی آجائے کیونکہ منع کرنا کبھی تسلی طبع اور اطمینان قلب کے لیے بھی ہوتا ہے. یہی وجہ ہے کہ کبھی آدمی کو محبت میں افراط کرنے سے منع کیا کرتے ہیں اگرچہ محبت بے اختیاری امر ہے. علیٰ ہذا القیاس بے ہوش ہونے، گر پڑنے اور بے صبری کرنے سے بھی منع کیا جاتا ہے حالانکہ یہ سب بے اختیاری امور ہیں. ان سے منع کرنا اس لیے نہیں ہوتا کہ ان میں معصیت ہے نہ ان کا سبب ممنوع ہوتا ہے. اب اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ تمہاری اس تقریر سے یہ لازم آتا ہے کہ صدیق کو ایسی چیز سے منع کیا ہو جسکا ترک کرنا ممکن نہ تھا اس کا جواب یہ ہے کہ اِس سے یہ مراد ہے کہ انہیں ایسی چیزیں کا حکم دیا گیا تھا جو رنج کی ضد اور اُسکی منافی تھی اور وہ اُسے حاصل کرسکتے تھے. یہ انسانی فطرت ہے کہ انسان ایک دفعہ رنج و خوف میں آکے ڈھیلا سا ہوجاتا ہے مگر جب اس رنج و خوف کا مقابلہ کرتا ہے اور اُسکے اثر کے خلاف مستعدی

دکھاتا ہے تو اُسکا دل بھی ٹھکانے آجاتا اور بدن میں بھی قوت عود کر آتی ہے۔ اس صورت میں صدیق کو اس رنج سے منع کرنا گویا ایسی چیز کا حکم ہے جو اس رنج کو زائل کردے اگرچہ وہ معصیت نہ ہو جیسا کہ انسان کو اپنے دشمن کے دفع کرنے اور نجاست دور کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ صدیق کے رنج کا سبب فقط طاعت ہی تھی۔ اور وہ اطاعت رسول کی محبت اور آپ کی خیر خواہی تھی۔

چوتھا جواب: اگر بفرض محال یہ مان بھی لیا جائے کہ وہ رنج معصیت تھا تو صدیق نے اُسے حضور انور ﷺ کے منع فرمانے سے پہلے کیا تھا۔ اور جب حضور نے انہیں منع فرما دیا تو پھر اُنہیں رنج نہیں رہا۔ یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ جو کام اُسکے حرام ہونے سے پہلے کرلیا جائے تو اُس میں کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ مثلاً شراب کی ممانعت ہونے سے پہلے لوگ برابر شراب پیتے تھے مگر جب منع کر دیا گیا تو وہ رُک گئے اور توبہ کرلی۔

ابو بکر بن حزم نے لکھا ہے کہ ابو بکر کا رنج چونکہ رسول اللہ کے فرمانے سے پہلے تھا اس لیے وہ اللہ تعالیٰ کی انتہاء درجہ رضا مندی کا سبب تھا کیونکہ انہیں محض اسی وجہ سے رنج ہوا تھا کہ آپ حضور انور پر دل و جان سے فریفتہ تھے اور یہی وجہ تھی کہ اللہ ان کے ساتھ تھا ورنہ اللہ تعالیٰ نافرمانوں کے ساتھ کبھی نہیں ہوتا بلکہ اُن کے اور خلاف ہوتا ہے اور جب حضور انور نے اِس رنج کرنے سے منع کر دیا تو پھر صدیق کو اِسکا رنج اور فکر مطلق نہیں رہا۔ اگر صدیق کے رنج کو ہم کوئی عیب یا برائی خیال کریں گے تو پھر موسیٰ اور سرور کائنات کو بھی اِس عیب سے مملو پائیں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے پہلے ہی ارشاد کر دیا تھا۔ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِأَخِيكَ یعنی عنقریب ہم تمہارا بازو تمہارے بھائی سے مضبوط کر دیں گے اور تم دونوں کو غلبہ دیں گے اور وہ لوگ بہ سبب میری نشانیوں کے تم دونوں تک نہ پہنچ سکیں گے تم اور تمہارے پیرو غالب رہیں گے پھر ارشاد ہوا ہے۔ فَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةً مُوسَىٰ قُلْنَا لَا تَخَفْ إِنَّكَ أَنْتَ الْأَعْلَىٰ۔ (طہ:۲۷،۲۸) یعنی پھر موسیٰ نے اپنے دل میں خوف پایا ہم نے کہا ڈرو نہیں بیشک تم ہی غالب رہو گے۔ دیکھو یہ موسیٰ رسول اور کلیم اللہ ہیں جنہیں اللہ نے پہلے ہی یہ خبر کر دی تھی کہ فرعون اور اس کا لشکر ان تک نہ پہنچ سکے گا۔ اور غالب تم ہی رہو گے۔ مگر ان

کے دل میں اس کے بعد بھی خوف پیدا ہو گیا۔ موسیٰ کے اس خوف کرنے کی وجہ فقط یہی تھی کہ وہ اس وعدہ کو بھول گئے تھے جو ان سے پہلے ہو چکا تھا۔ مگر صدیق کا رنج حضور انور کے منع کرنے سے پہلے تھا۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

اب خود حضور انور ﷺ کو لو۔ آپ کو بھی رنج کرنے سے اللہ تعالیٰ نے کئی جگہ منع فرمایا۔ پس حضور کے رنج کرنے پر شیعی علماء کو وہی اعتراض کرنا چاہیے جو اُنہوں نے صدیق پر کئے ہیں۔ ہاں یہ ہم جانتے ہیں اور اس پر ہمارا ایمان ہے کہ حضور انور ﷺ کا کفار کی باتوں اور کفر کی حالت پر رنج کرنا اللہ تعالیٰ کے منع کرنے سے پہلے تھا۔ اسی طرح حضور ﷺ کے منع کرنے کے بعد صدیق نے مطلق رنج نہیں کیا۔ پھر یہ اُن کی بُرائی میں کیونکر شامل ہو سکتا ہے۔ حالانکہ ممکن یہ بھی ہے کہ صدیق کو رنج اُس روز بھی نہ ہوا ہو لیکن حضور انور نے اِس لئے منع کر دیا کہ انھیں رنج ہوا ہی نہیں۔ جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے۔ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا یعنی ان کفار میں سے تم کسی گنہگار یا کافر کی اطاعت نہ کرو حالانکہ حضور انور ﷺ تو ایسا پہلے ہی سے نہ کرتے تھے۔ باقی شیعی علماء کا یہ فرمانا کہ قرآن مجید میں جہاں کہیں رسول اللہ پر سکینہ نازل کرنے کا ذکر ہوا ہے تو آپ کے ساتھ اللہ مومنین کو بھی شامل اور شریک کر دیا ہے۔ سوائے اس ایک موقع کے اور اس سے بڑھ کے اور کوئی نقص نہیں ہے۔

پہلا جواب: اس اعتراض سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کئی جگہ اِس کا ذکر کیا ہے حالانکہ یہ بات نہیں ہے بلکہ سوائے ایک حنین کے قصہ کے اور کہیں اِس کا ذکر نہیں ہے چنانچہ فرمایا ہے۔ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ۔ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا۔ (توبہ: ۲۵،۲۶) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے پشت پھیر کے بھاگ جانے کے بعد رسول پر اور مسلمانوں پر سکینہ نازل کرنے کا ذکر کیا ہے اور اُس وقت رسول ان کے ساتھ نہ تھے۔

دوسرا جواب: آیت فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ ہے اس کی ضمیر میں علماء کا اختلاف ہے

بعض یہ کہتے ہیں کہ علیہ کی ضمیر حضور انور ﷺ کی طرف پھرتی ہے کیونکہ زیادہ قریب ان ہی کا ذکر ہے دوسرے یہ کہ اِن پر سکینہ نازل ہونے کی اُنھیں زیادہ ضرورت تھی جیسا کہ اللہ نے ان مسلمانوں پر نازل کی تھی جنھوں نے درخت کے نیچے بیعت کی تھی اور حضورِ انور کو اُس کی ایسی ضرورت نہ تھی کیونکہ آپ کو اُس وقت پورا پورا اطمینان تھا بخلاف حنین کے دن کی سکینہ کے. اس لئے کہ اُس وقت آپ کو بھی اس کی ضرورت ہوگئی تھی اس وجہ سے کہ لوگ بھاگ گئے تھے اور دشمن آپ ﷺ کی طرف بڑھ رہا تھا اور آپ نے بھی اپنے گھوڑے کی باگیں مقابلہ کے لئے اُٹھادی تھیں. لہٰذا پہلے قول کے مطابق یہ ضمیر حضور انور ﷺ کی طرف عائد ہوگی. جیسا کہ آیت **وَاَیَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا** . میں بھی آپ ہی کی طرف عاید ہے.

تیسرا جواب: سیاقِ کلام بھی آپ ہی کے ذکر میں ہے اور آپ کے صاحب یعنی ساتھی کو ضمناً اور طبعاً ذکر ہے لیکن اِس صورت میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ جب حضورِ انور ﷺ نے اپنے ساتھی سے یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے اور حضور ﷺ ہی متبوع اور مطاع تھے اور ابو بکر تابع و مطیع تھے اور یہی آپ کے ساتھی تھے۔ تو جب اس حالت میں متبوع کے لئے سکینہ اور تائید حاصل ہوئی تو یہی تابع ابو بکر کے لئے بھی ضرور ہوگی اور اُس کے ذکر کرنے کی یہاں ضرورت نہیں ہے کیونکہ ان کی ملازمت اور مصاحبت ہی اس درجہ کی تھی کہ جو تائید میں انکی مشارکت یقیناً ثابت کرتی تھی بخلاف اُن لوگوں کے جو جنگ حنین کے دن بھاگ گئے تھے اگر وہاں اتنا کہہ کر سکوت کر لیا جاتا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر سکینہ نازل کی تو اِس کلام میں اُن لوگوں پر سکینہ نازل ہونے کی کوئی دلیل نہ ہوتی اسلئے کہ وہ بھاگ جانے کی سے رسول سے علیحدہ ہوگئے تھے انھیں وہ صحبت حاصل نہ رہی تھی جو ابو بکر صدیق کو حاصل تھی اور جب انھیں اِس کامل صحبت کے ساتھ موصوف کر دیا تو بطریق فحوائے کلام یہ اس امر کی دلیل ہوگئی کہ نصرت اور تائید کے وقت یہ ہے بے شک اُن کے ساتھ تھے. اس لئے کہ جو شخص شدید خوف کی حالت میں ساتھ ہو وہ نصرت اور تائید کی حالت میں ضرور ہی ساتھ ہوگا لہٰذا اس کی ضرورت نہیں ہے کہ اس حالت میں اُن کے ساتھ ہونے کا ذکر کیا جائے کیونکہ یہ کلام اور حال دونوں اس پر

دال ہیں اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ وہ اس حالت میں حضور کے ساتھی تھے، تو اس سے بھی یہ معلوم ہو گیا کہ جو سکینہ اور تائید نازل ہو کر رسول اللہ کو حاصل ہوا وہی اور لوگوں کی بہ نسبت صدیق کو بھی بدرجہ اولیٰ حاصل ہوا اور یہ قرآن شریف کی بلاغت اور حسنِ بیان ہے جو خوض وفکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے اسی قسم کی ضمیر اللہ کے اِس قول میں موجود ہے جیسا کہ ارشاد ہوا وَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْہُ یعنی اللہ اور اس کا رسول اس کا زیادہ حق دار ہے کہ اُسے راضی کریں اس آیت میں یرضوہ کی ضمیر واحد ہے اس کی کچھ تعیین یہاں نہیں ہے کہ کس کو راضی کریں اب اگر یہ ضمیر اللہ کی طرف عائد ہو تو اللہ کو راضی کرنا رسول کو راضی کئے بغیر نہیں ہو سکتا اور اگر یہ رسول ﷺ کی طرف عائد ہو تو رسول کو بھی راضی کرنا اللہ کے راضی کئے بغیر نہیں ہو سکتا اور جب دونوں کا راضی کرنا دوسرے کے راضی کئے بغیر نہیں ہو سکتا اور دونوں کی رضامندی ایک چیز سے حاصل ہو سکتی ہے اور اوّل مقصود اللہ کو راضی کرنا ہے اور رسول ﷺ کا راضی کرنا تابع ہے۔ اسلئے یرضوہ میں ضمیر واحد کی لائی گئی اسی طرح ایک اور دوسری آیت ہے مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔ فَاَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلَیْہِ وَاَیَّدَہٗ میں ضمیر واحد لائی گئی ہے اِس لئے کہ اس سکینہ کا اِن میں سے ایک پر نازل ہونا دوسرے پر نازل ہونے کے مستلزم ہے کیونکہ یہ محال ہے کہ سکینہ صاحب پر نازل ہو اور مصحوب اُس سے محروم رہے، یا مصحوب پر نازل ہو اور صاحب پر نہ ہو، پس جب ایک پر نازل ہونا دوسرے پر نازل ہوئے بغیر نہیں ہو سکتا تھا تو ضمیر واحد کر دی گئی اور اُس کا مرجع رسول کو رکھا ہے کیونکہ مقصود وہی ہے اور آپ کے ساتھی آپ کے تابع ہیں۔

دیکھو اگر تثنیہ کی ضمیر لائی جاتی اور یہ کہا جاتا کہ اللہ نے اور دونوں پر سکینہ نازل کی اور دونوں ہی کی مدد کی تو اس سے یہ وہم ضرور ہوتا کہ ابوبکر نبوت میں شریک ہیں جو دونوں کو ایک درجے میں کر کے بیان کیا ہے کیونکہ اس طرح تثنیہ کے ساتھ موسیٰ اور ہارون کی بابت کہا گیا ہے چنانچہ فرمایا سَنَشُدُّ عَضُدَکَ بِاَخِیْکَ وَ نَجْعَلُ لَکُمَا سُلْطَانًا الایت فقط

(ابوبکر صدیق اور اُن کے حق میں قرآن مجید کی ایک آیت) شیعی علماء فرماتے ہیں کہ آیت سَیُجَنَّبُهَا الاتقی . ابوبکر کے حق میں نازل نہیں ہوئی۔

وہ ابوالدحداح ہے جس نے ایک شخص کا باغ اپنے ایک ہمسایہ کے لئے خریدا تھا اور اُس کے

خریدنے کی ہے وجہ تھی کہ اُس باغ کے عوض جنت میں ایک باغ دینے کا رسول اللہ ﷺ نے اُس سے وعدہ کیا تھا ابوالدحداح کو جب اس کی خبر ہوئی اُس اپنے ایک باغ کے بدلے اُس باغ کو خرید لیا اور حضور کی مرضی کے موافق ایک ہمسایہ کے لئے اُسے ہبہ کردیا تو رسول اللہ ﷺ نے اُسی وقت اُس کے عوض جنت میں اُس کے کئے ایک باغ کردیا۔

جواب: اس کی بحث مختصر طور پر گزشتہ صفحات میں آچکی ہے مگر اب ہم ذرا توضیح کے ساتھ اس پر بحث کرتے ہیں کیونکہ شیعی علماء اس اعتراض پر بہت بڑا فخر کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس کا جواب ہونا محال ہے۔ لہٰذا ہم چاہتے ہیں کہ جواب ذرا وضاحت سے دیں تا کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہوجائے۔ تمام مفسرین قرآن شریف کے معنی اور اسباب نزول جاننے والوں کا اسپر اتفاق ہے کہ اس آیت کی خصوصیت کسی صورت سے بھی ابوالدحداح کے ساتھ نہیں ہوسکتی اور نہ ابوبکر صدیق اس سے علیحدہ ہوسکتے ہیں اور اس پر بھی سب علماء کا اتفاق ہے کہ یہ سورت مکی ہے یعنی ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی تھی اور ابولدحداح کا قصہ ہجرت کے بعد مدینہ میں ہوا ہے کیونکہ یہ انصار میں سے ہے اور انصار حضور ﷺ کی صحبت سے مدینہ ہی میں فیضیاب ہوئے دوسرے یہ کہ باغ وغیرہ مدینے ہی میں تھے مکہ میں کوئی باغ نہ تھا لہٰذا یہ کسی طرح نہیں بن سکتا کہ یہ آیت ابولداح کے قصے کے بعد نازل ہوئی ہو۔ ہاں بعض علماء ایسے ہیں جنھوں نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت ابوالدحدا کے حق میں نازل ہوئی ہے اس سے اُن کی مراد یہ ہے کہ ابولدحداح بھی اِس آیت کے حکم میں داخل ہے اور اُس کا عموم اور حکم بھی شامل ہے کیونکہ اکثر صحابہ اور تابعین یہ کہا کرتے ہیں کہ آیت فلاں کے بارے میں نازل ہوئی ہے تو اِس سے مراد یہی ہوتی ہے کہ یہ آیت اس حکم پر دلالت کرتی ہے اور اُس کو شامل ہے اور اِس سے یہی حکم مراد ہے۔ بعض علماء کا یہ قول کہ کبھی کبھی ایک آیت دو دفعہ بھی نازل ہوجاتی ہے ایک دفعہ ایک سبب کے لئے اور دوسری دفعہ دوسرے سبب کے لئے۔ پس اس قول کے موافق ممکن ہے کہ ابوالدحداح کے قصہ میں یہ آیت دوبارہ نازل ہوئی ہو اور ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے ہجرت کرنے سے پہلے نازل ہوچکی ہو بہت سے علماء اِس کے قائل ہیں کہ یہ آیت ابوبکر کے حق میں نازل ہوئی ہے چنانچہ ابن جریر

نے اسناد کے ساتھ عبداللہ بن زبیر وغیرہ سے روایت نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ابوبکر ہی کے حق میں نازل ہوئی ہے. اسی طرح ابن ابی حاتم اور ثعلبی نے عبداللہ اور سعید بن میتب سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت ابوبکر کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ ہشام بن عروہ نے اپنے باپ سے روایت کی ہے وہ کہتے تھے. کہ ابوبکر نے ایسے سات آدمیوں کو آزاد کرایا ہے جن پر صرف اس جرم میں کہ وہ خدا کو ایک مانتے تھے ظلم توڑے جارہے تھے. ان کے نام یہ ہیں. بلالؓ. عامر بن فہیرؓہ. سندیہؓ اور اُس کی بیٹی. زنیرہ. اُم عمیسؓ اور بنی المؤملؓ لونڈی.

سفیان ثوری کہتے ہیں کہ زنیرہ رومیہ لونڈی تھی جو بنی عبدالدار کے قبضہ میں تھی. جب یہ مسلمان ہوئی تو اتفاق سے اندھی ہوگئی اس پر اُس کے آقا نے اُسے یہ طعنہ دیا تو نے مسلمان ہونے کا مزا چکھا لات و عزیٰ نے تجھے اندھا کر دیا، لونڈی نے کہا لات و عزیٰ کوئی چیز نہیں ہے. ان میں اِتنی طاقت نہیں کہ وہ کسی انسان میں اتنا تصرف کر سکیں کہ اُسے اندھا کر دیں. یہ سب خدا کے کام ہیں جسے چاہے اندھا کرے اور جسے چاہے بینا کرے. اندھی لونڈی اِس جواب دینے کے بعد خدا کی قدرت سے فوراً بینا ہو گئی. اس پر اُس کا آقا ناراض ہوا. اور اُس پر شدید ظلم توڑنے لگے جب بلال کو صدیق اکبر نے خریدا تو اس کے آقا نے اس سے یہ کہا ابوبکر اگر تم چالیس ہی درہم ہمیں دیتے تو ہم ضرور اسے بیچ ڈالتے. صدیق نے اس پر یہ کہا کہ تم اگر ہزار درہم مانگتے تو بھی میں خوشی سے دیدیتا اُس وقت صدیق اکبر کے حق میں مذکور آیت اخیر سورت تک نازل ہوئی۔ یہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ صدیق اکبر جب مسلمان ہوئے تھے۔ تو اُن کے پاس چالیس ہزار درہم تھے جو انھوں نے اِسی طرح راہِ خدا میں صرف کر دیئے اِس آیت کے ابوبکر کے حق میں نازل ہونے کی بہت سی دلیلیں ہیں منجملہ اُن کے ایک یہ ہے جیسا کہ اِس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ عنقریب اِس سے ایک بڑا پرہیز گار بچا دیا جائیگا. پھر دوسری جگہ یہ فرمایا کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیز گار ہو۔ لہٰذا ضرور ہے کہ جو اُمت میں سب سے زیادہ پرہیز گار ہو وہی اِس آیت کے حکم میں داخل ہو۔ اور وہی اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز ہو۔ اس بات کا آج تک کوئی قائل نہیں ہوا کہ ابوالدحداح سابقین اولین. مہاجرین یعنی ابوبکر. عمر. عثمان. علی. وغیرہ سے افضل ہے. بلکہ ساری امت خواہ وہ سنی ہو یا غیر سنی

اسپر متفق ہیں کہ یہ لوگ اور اُن کے مثال یعنی دوسرے مہاجرین بھی ابوالدحداح سے یقیناً افضل ہیں۔
اس کے علاوہ شیعی علماء تو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ آیت ابوالدداح کے حق میں نازل ہوئی ہے مگر جب
اس کے سبب نزول میں اختلاف ہوا تو اُس اختلاف سے دو مدعی ہو گئے ایک کہتا ہے کہ اس کے حق
میں نازل ہوئی دوسرا کہتا ہے کہ ابوبکر کے حق میں نازل ہوئی. ان دعووں میں وہی دعویٰ ٹھیک ہے جس
کی قرآن شریف گواہی دے حالانکہ اگر بالفرض یہ مان لیا جائے کہ اس آیت میں دونوں شامل ہیں تو
ابولدحداح کی بہ نسبت ابوبکر اس میں داخل ہونے کے زیادہ مستحق ہیں. جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں. صحیح
حدیث میں آیا ہے کہ حضور انور ﷺ نے فرمایا تھا کہ جس طرح مجھے ابوبکر کے مال نے نفع پہنچایا ہے ایسا
کسی کے مال نے نفع نہیں پہنچایا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ حضور انور نے ابوبکر کے مال کے نفع کے
مقابلہ میں ساری امت کے مال کی نفی کر دی۔ لہٰذا کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ ادنیٰ ادنیٰ درجے کے اُمور تو
اس آیت کے حکم میں داخل ہوں اور وہ مال جو حضور انور ﷺ کیلئے سب مالوں سے زیادہ فائدے مند ہو
وہ اُس میں داخل نہ ہو. دوسری دلیل یہ ہے کہ یقیناً جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہو گا وہی سب سے زیادہ
افضل ہوگا. اس میں دو قول مشہور ہیں ایک قول اہل سنت والجماعت کا ہے کہ ساری خلقت سے افضل
ابوبکر صدیق ہیں اور دوسرا قول شیعوں کا ہے کہ سب سے افضل علی ہیں. اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ
وہی بڑا پرہیز گار ہے جو اللہ کے نزدیک ساری خلقت سے بزرگ ہو وہ ان دونوں کے سوائے کوئی اور
ہو جائے اور ان میں ایک بھی ایسا نہ ہو جو بڑے پرہیز گاروں میں شمار ہو یہ ممکن نہیں جب یہ ثابت ہو گیا
کہ ان میں سے ایک کا اس میں داخل ہونا ضروری ہے تو واجب ہے کہ اِس آیت کے حکم میں ابوبکر ہی
داخل ہوں اور چند اسباب کی وجہ سے اُنھیں کا داخل ہونا علی کے داخل ہونے سے بدرجہ اولیٰ واجب
ہے. اول تو یہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ بڑا پرہیز گار وہ ہے جو پاک ہونے کے لئے اپنا مال دیتا ہے اور
صحاح وغیرہ میں متواتر حدیثوں سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اِس موقع پر ابوبکر ہی نے اپنا مال دیا تھا اور
یہ اس بارے میں تمام صحابہ سے مقدم ہیں اس کے ثبوت میں نصوص صحیحہ صریحہ اور متواترہ پہلے کئی دفعہ
مذکور ہو چکی ہیں جو اس امر پر صاف طور پر دال ہیں کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی رضامندی میں سب
سے زیادہ ابوبکر نے مال خرچ کیا بخلاف علی کے کہ انھیں حضور ﷺ نے اپنے روپے سے پرورش کیا اور

وہ عرصہ دراز تک یعنی جب تک سیدہ فاطمہؓ سے اُن کی شادی نہ ہوگئی فقیر ہی رہے. اس پر سنی اور شیعوں دونوں کا اتفاق ہے. حضور انور ﷺ نے ان کی ہمیشہ پرورش کی ان کے پاس کچھ بھی خرچ کرنے کو نہ تھا ہاں اگر ان کے پاس ہوتا تو بیشک یہ بھی خرچ ضرور کرتے مگر مفلسی کی وجہ سے خود حضور انور ﷺ کے دست نگر تھے نہ کہ آپ ﷺ کی خدمت روپے سے کر سکتے. دوسرا سبب یہ ہے کہ اِس آیت سے اگلی آیت یعنی مَالاَ اَحَدٍ عِنْدَ هٗ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزٰی . ابوبکر ہی کے حق میں ہے نہ کہ علی کے حق میں کیونکہ ابوبکر کے پاس حضور انور ﷺ کی طرف سے ایمان کی نعمت تھی یعنی یہ کہ حضور ﷺ کے ذریعہ سے اللہ نے اُنہیں ہدایت کر دی تھی تو یہ گویا ابوبکر پر حضور انور ﷺ کا احسان تھا لیکن یہ ایسا احسان ہے تھا کہ مخلوق سے اس کا بدلہ نہیں دیا جا سکتا بلکہ اُس میں رسول ﷺ کا اجر اللہ پر ہوتا ہے جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے.
قُلْ مآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ پھر فرمایا. **قُلْ مَاسَئَلْتُكُمْ مِنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ اِنْ اَجْرِیَ اِلاَّ عَلَى اللّٰهِ** . اب رہی وہ نعمت جس کا مخلوق کو بدلہ ملتا ہے وہ دنیاوی نعمت ہوتی ہے اور حضور انور ﷺ کی طرف سے ابوبکر کے پاس دنیاوی نعمت نہ تھی بلکہ دینی نعمت بخلاف علی کے کہ اُنھیں حضور انور ﷺ دنیاوی نعمت یعنی مال بھی دیتے تھے جس کا بدلہ ادا ہو سکتا تھا۔

تیسرا سبب یہ ہے کہ صدیق اور حضور انور ﷺ کے درمیان کوئی ایسا سبب نہ تھا جس کی وجہ سے وہ آپ سے محبت رکھتے تھے اور اپنا مال آپ ﷺ پر خرچ کرتے تھے سوائے ایمان کے انھوں نے حضور کی مدد اس طرح نہیں کی جس طرح ابوطالب نے کی تھی کیونکہ ابوطالب کو رسول اللہ سے قرابت داری کا تعلق تھا اور ابوبکر کا ہر کام محض لوجہ اللہ اور خالصۃً للہ تھا. چنانچہ اللہ تعالی فرماتا ہے. **اِلاَّ ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَ عْلٰى وَلَسَوْفَ يَرْضٰى** .

اسی طرح خدیجۃ الکبریٰ حضور انور ﷺ کی بیوی تھیں اور بیوی اپنا مال اپنے شوہر پر خرچ کر دیا کرتی ہے خواہ وہ کسی درجہ اور مرتبہ کا ہو۔ اگر حضرت علی کی بابت یہ مان بھی لیا جائے کہ اُنھوں نے حضور انور ﷺ پر کچھ مال خرچ کیا تھا تو یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے کیونکہ اُنھوں نے قرابت داری کی وجہ سے اپنے ایک قرابت دار پر خرچ کیا جیسا کہ سارا جہان کیا کرتا ہے. ابوطالب. خدیجۃ الکبریٰ اور حضرت علی کے خرچ کرنے کے اسباب ایسے ہیں کہ بعض اوقات وہ فعل انھیں کی طرف منسوب اور

مضاف کر دیا جاتا ہے بخلاف ابوبکر کے خرچ کرنے کے کیونکہ اُن کے لئے سوائے اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان لانے کے اور کوئی سبب نہ تھا. لہٰذا مذکور آیت کا مصداق بننے کے وہ سب متقیوں سے زیادہ حقدار ہیں. چوتھا سبب یہ ہے کہ جب اس آیت میں یہ مان لیا گیا کہ اس میں اور صحابہ بھی داخل ہیں اور اُس کے حکم میں اور لوگ بھی شامل ہیں تو بھی اس میں داخل ہونے کے ابوبکر ساری اُمت سے زیادہ حقدار ہیں کیونکہ اس امت کے اتقی یعنی پرہیزگار وہی ہیں. لہٰذا وہی سب سے افضل ہوئے اُس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ پاک نے اتقی کی بہت سی صفات ایسی بیان فرمائی ہیں کہ ان میں ابوبکر ساری امت سے اکمل ہیں اور وہ صفات یہ ہیں جو اِن آیتوں میں مذکور ہیں اَلَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَکّٰی وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰی اِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰی اب رہی ان صفات کی تحقیق .مال دینے کی بابت تو صحاح میں حضور انور ﷺ سے ثابت ہے کہ ابوبکر کا خرچ کرنا اور سب کے خرچ کرنے سے افضل ہے اور جو معاونت اُنھوں نے اپنی جان اور مال سے حضور انور ﷺ کی وہ سب کی معاونت سے اکمل ہے۔ باقی ایسی نعمت کا طلب کرنا جس کا بدلہ دیا جاتا ہو یعنی مال وغیرہ سو ابوبکر نے حضور انور ﷺ سے کبھی طلب نہیں کیا نہ کوئی دنیاوی حاجت چاہی بلکہ ابوبکر تو حضور انور ﷺ سے فقط علم کے خواستگار رہتے تھے۔ جیسا صحیحین میں ثابت ہے کہ اُنھوں نے حضور انور ﷺ سے یہ عرض کیا تھا کہ مجھے ایسی کوئی دعا یاد کرا دیجئے جو میں نماز میں پڑھا کروں تو حضور انور ﷺ نے یہ دعا یاد کرا دی تھی.

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا کَثِیْرًا وَّ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْلِیْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِکَ وَارْحَمْنِیْ اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ اسکے علاوہ ابوبکر کو خصوصیت کے ساتھ حضور ﷺ نے کبھی کچھ مال نہیں دیا بلکہ جب کبھی غنیمت کا مال آتا تھا تو مثل اور غازیوں کے ایک غازی یہ بھی شمار کر لئے جاتے تھے. جس قدر غازیوں میں ایک ایک کو ملتا تھا ایسا ہی ایک کے برابر انھیں بھی دیا جاتا تھا. ایک دفعہ ایسا ہوا کہ حضور انور نے ابوبکر کا سارا مال لے لیا تھا، باقی ان کے سوا اکثر انصار اور بنی ہاشم کو کبھی کبھی اوروں سے زیادہ دے دیتے تھے. حضور انور ﷺ نے ایک مرتبہ خمس میں سے بنی ہاشم اور بنی المطلب کو اتنا دیا تھا کہ اوروں کو اتنا نہیں دیا. عمر فاروق کو آپ ﷺ نے حاکم کیا تو اُن کی تنخواہ اُنھیں دیدی لیکن ابوبکر کو ایسے عہدے کی کبھی تنخواہ نہیں ملی کیونکہ صدیق اکبر ایسی نعمت سے بہت دور رہتے تھے

جسکا بدلہ کیا جا سکتا ہو اور ایسی نعمت میں سب سے زیادہ قریب رہتے تھے جس کا بدلہ نہ ہوتا ہو اور وہ ایمان کی نعمت ہے۔ باقی اللہ کی خشنودی اور رضا مندی چاہتے تھے۔ ابوبکر کا اخلاص ایسا ہے کہ اُس میں بھی یہ ساری اُمت سے اکمل ہیں اس سے خوب معلوم ہوگیا ہے کہ اِن مذکورہ صفات کی وجہ سے جو لوگ اِس کے تحت میں ہیں ان سب سے اکمل ابوبکر ہیں کیونکہ یہ ان صفات میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں جو اللہ نے اِن آیتوں میں مومنین کی بیان کی ہیں۔ لہٰذا وہی افضل الامت ہوئے۔ قُلْ لِلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شیعی علماء فرماتے ہیں اِس سے اللہ تعالٰی نے وہ آدمی مراد لئے ہیں جو جنگ حدیبیہ سے رہ گئے تھے اُنھوں نے خیبر کی غنیمت لینی چاہی تھی اُنھیں اللہ تعالٰی نے قُلْ لَنْ تَتَّبِعُوْنَا فرما کے اس غنیمت کے لینے سے منع فرمادیا کیونکہ خیبر کی غنیمت اللہ نے اُن ہی لوگوں کا حصہ ٹھہرایا تھا جو حدیبیہ کی جنگ میں شامل ہو چکے تھے۔ (پھر بقول شیعی علماء) اللہ تعالٰی فرماتا ہے قُلْ لِلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ۔ یعنی رسول تم پیچھے رہے ہوئے اعراب سے کہدو کہ عنقریب تم ایک سخت جنگجو قوم کی جنگ کی طرف بلائے جاؤ گے۔ چنانچہ ان اعراب کو رسول اللہ نے بہت سے غزوؤں کی طرف بلایا۔ مثلاً موتہ، حنین، تبوک وغیرہ لہٰذا اِس آیت میں بلانے والے سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے (بقول شیعی علماء) بلانے والے سے علی مراد ہوں۔ کیونکہ اُنھوں نے بھی ناکثین۔ قاسطین۔ اور مارقین سے بہت جنگ کی ہے اور پھر وہ لوگ مسلمان ہو کے آپ ﷺ کی اطاعت میں آگئے تھے اسکی دلیل یہ ہے بقول شیعی علماء رسول اللہ نے فرمایا تھا یا علی حربک حربی یعنی تم سے لڑنا، مجھ سے لڑنا ہے۔ اور رسول اللہ سے لڑنا کفر ہے۔

جواب: اس آیت سے ابوبکر کی خلافت اور اُن کی اطاعت واجب ہونے پر علماء کے ایک گروہ نے استدلال کیا ہے منجملہ ان کے امام شافعی، اشعری ابن حزم وغیرہ بھی ہیں اُنھوں نے اس طرح حجت کی ہے اللہ تعالٰی فرماتا ہے فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِىَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِىَ عَدُوًّا (توبہ:۸۳) یہ یعنی پس (اے نبی ﷺ) اگر اللہ تمھیں اِن میں سے کسی گروہ کی طرف لے جائے اور وہ تم سے (جہاد کے لئے) نکلنے کی اجازت

مانگیں تو کہہ دو تم میرے ساتھ ہرگز نہ نکلو اور میرے ساتھ ہو کے کسی دشمن سے نہ لڑو۔ فقط

کہتے ہیں یہاں اللہ نے یہ حکم دیا ہے کہ آپ اُن لوگوں سے یہ کہہ دیں۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ انھیں لڑائی کی طرف بلانے والے رسول اللہ نہیں ہیں۔ واجب ہے کہ وہ بلانے والے وہ لوگ ہوں جو حضور انور ﷺ کے بعد ہوئے ہیں اور وہ سوائے ابوبکر کے اور کوئی نہیں ہے۔ اِن کے بعد عمر ہیں اور پھر عثمان جنھوں نے لوگوں کو روم اور فارس سے لڑنے کے لئے بلایا۔ باقی شیعی علماء کا یہ فرمانا کہ بلانے والوں سے مراد علی ہو سکتے ہیں نہ کہ وہ خلفاء جو اُن سے پہلے تھے کیونکہ انھوں نے ناکثین۔ قاسطین اور مارقین یعنی اہلِ جمل۔ صفین۔ حروریہ اور خوارج سے بہت جنگ کی ہے اس کا جوب یہ ہے کہ یہ کئی وجہ سے یقیناً باطل اور غلط ہے۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ یہ اہل جمل وغیرہ اپنے ہم جنسوں سے زیادہ جنگ جو اور قوی ہرگز نہ تھے۔ بلکہ ہر شخص اِس بات کو جانتا ہے کہ جمل کے دن اگر بفرضِ محال جو لوگ حضرت علی سے لڑے ہیں وہ یقیناً اُن کے لشکر سے بہت ہی کم تھے آپ کا لشکر اُن سے کئی حصے زیادہ تھا۔ اِسی طرح خوارج سے بھی آپ کی فوجیں کئی گنا زیادہ تھیں علی ہذا القیاس اہل صفین سے بھی آپ کی فوجیں بہت زیادہ تھیں۔ لہٰذا ان کے وصف میں انھیں جنگ جو اور قوی کہنا ایسا نہیں ہو سکتا جسکے باعث انھیں اوروں سے امتیاز ہو جائے کیونکہ ان میں سچ مچ وصف ہی نہیں تھا اس کے علاوہ یہ بھی ہر شخص جانتا ہے کہ بنی حنیفہ جن سے ابوبکر کی جنگ ہوئی ہے۔ پھر روم اور فارس جن سے عمر اور عثمان لڑے ہیں وہ لوگ اِن خوارج وغیرہ سے بہت جنگ جو اور قوی تھے باوجود اِس کے علی کے ساتھیوں کی خوارج سے ایسی خونی جنگ نہیں ہوئی جیسی ابوبکر کے لشکر کی مسیلمہ کذاب کے ساتھیوں سے ہوئی۔ باقی فارس اور روم کے بارے میں کسی عاقل کو بھی اس میں شک نہیں ہے کہ جو جنگ ان سے ہوئی وہ مسلمانوں کی اس لڑائی سے بہت ہی سخت تھی جو اُن کی آپس میں ہوئی تھی۔ اگر چہ عرب کے کفار سے آغاز اسلام میں جنگ کرنا بیشک ایک بڑی چیز تسلیم کیا گیا ہے جس کی وجہ یہ تھی کہ اُس وقت مسلمان بہت کم تھے اور ابتدائے اسلام ہونے کی وجہ سے کمزور تھے۔ نہ اس وجہ سے کمزور تھے نہ اس وجہ سے کہ ان کا دشمن فارس اور روم سے زیادہ جنگ جو اور قوی تھا اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ بیشک اللہ نے بدر میں تمہاری مدد کی اور تم بے حقیقت تھے۔ یہ لوگ دعوتِ اسلام بھی کرتے اور ہم

جنس بھی تھے اِن میں ایک دوسرے کے مقابلہ میں ایسے جنگ جو اور قوی نہ تھے جیسے عرب کے مسلمانوں کے مقابلے میں فارس اور روم والے تھے یہ لوگ مسلمانوں کو اپنے خیال میں بہت کمزور اور مثل اپنی رعیت کے سمجھتے تھے۔ اُن کو انتہاء درجہ کی حقارت کی نظروں سے دیکھتے تھے اگر اللہ تعالیٰ ہی ان کمزور مسلمانوں کی ایسی مدد نہ کرتا جیسی اُس نے پہلے اپنے رسول اور مسلمانوں کی تھی تو اُن کفار کے مقابلے میں اُنکے کبھی قدم نہ جمتے اور نہ وہ ملک فتح کر سکتے کیونکہ وہ تعداد، قوت، فنونِ حرب اور ہتھیاروں میں اُن سے ہر طرح زیادہ تھے لیکن اِس ایمانی قوت کی وجہ سے جو اللہ نے خاص مسلمانوں ہی کو عطا کی ہے اُن کے دل اُن سے بھی زیادہ قوی رہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ علی نے اہل جمل اور خوارج سے لڑنے کے لیے بہت دور سے آدمیوں کو نہیں بلایا تھا جس کی وجہ سے اِس آیت کے مصداق ہو جائیں اور جب آپ بصرے پہنچے تو آپ کی نیت کسی سے بھی لڑنے کی نہ تھی جیسا کہ مشہور ہے (گرچہ ہم اِسکے قائل نہیں ہیں) آپ سے یہ جنگ بے اختیار ہو پڑی نہ آپ کو اسکا کچھ خیال تھا اور نہ طلحہ زبیر کو، اب رہے خوارج اُن کے لیے تو آپ کا تھوڑا ہی سا لشکر کافی تھا۔ اسی لیے آپ کو ضرورت نہیں پڑی کہ آپ حجازِ عرب میں سے لڑنے کیلئے کسی کو بلاتے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ اگر بفرضِ محال یہ مان بھی لیا جائے کہ علی کے ان اہل جمل وغیرہ سے جنگ کرنے میں علی کی اطاعت واجب تھی تو کسی طرح نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی اطاعت کا تو حکم دے جو مسلمانوں سے اُنہیں مطیع کرنے کے لیے جنگ کرے اور ایسے شخص کی اطاعت کا حکم نہ دے جو کفار سے محض اِس لیے جنگ کرے کہ وہ اللہ اور اُسکے دین پر غلبہ پائے یہ بات صاف ظاہر ہے جو شخص علیؓ کی اطاعت سے نکل گیا وہ اللہ پر اور اللہ کے رسول پر ایمان لانے سے اُس آدمی سے زیادہ دور نہیں ہے جس نے اللہ کے رسول اور قرآن مجید کی تکذیب کر دی ہو اور جو شریعت رسول لائے ہیں اُسکے کسی حکم کو تسلیم نہ کیا ہو، نہیں بلکہ یہ لوگ گناہ میں سب سے بڑھ کے ہیں اُنہیں اسلام کی طرف بلانا اور اُن کے انکار کرنے پر اُن سے لڑنا یقیناً افضل ہے یہ بھی اِس صورت میں ہے کہ جب ہم زبردستی اِس بات کو مان لیں کہ جو لوگ علی سے لڑے وہ کافر تھے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ وہ مرتد تھے کافر نہ تھے جیسا کہ شیعی علماء کا فتویٰ ہے تو پھر اس میں شک نہیں کہ جو شخص لوگوں کو اِس بات پر آمادہ کرے کہ وہ محمد ﷺ کو چھوڑ کے اور رسول پر ایمان لے آئیں

جیسا کہ مسیلمہ کذاب کے پیرو تھے تو وہ خود مرتد ہونے میں اِس سے بدرجہا بڑھ کے ہے جس نے رسول اللہ پر ایمان لا کے امام کی اطاعت کا اقرار نہ کیا. خلاصہ کلام یہ ہے کہ جو بُرائی اور خطا ان لوگوں کی بیان کی جائے جن سے علی لڑے ہیں اور اس سے بھی بڑھ کے خطا اور برائی اُن لوگوں میں بھی ضرور ہے جو خلفاء ثلاثہ سے لڑے ہیں تو اِس سے بڑھ کے فضیلت اور ثواب اُن لوگوں کا بیان کیا جائے جو علیؓ کے ساتھ ہو کے لڑے ہیں تو اِس سے بڑھ کے فضیلت اور ثواب اُن لوگوں میں بھی تسلیم کرنا پڑے گا جو خلفاء ثلاثہ کے ساتھ ہو کے لڑے ہیں مگر یہ یاد رکھئے کہ یہ بات اُس صورت میں ہے جب یہ فرض کرلیا جائے کہ جن سے علیؓ لڑے ہیں وہ کافر تھے مگر ہر شخص اِس بات کو جانتا ہے بلکہ بڑے بڑے شیعی علماء کا یہ قول نہیں ہے. ساتھ ہی اِس کے یہ بھی سمجھ لیجئے کہ یہ ساری بحث اُس وقت ہے جب یہ تسلیم کرلیا جائے کہ یہ جنگ جو علی نے کی شریعت کے موافق اور مامور بہ تھی لیکن یہ کیونکر ہوسکتا ہے نہ صرف علماء اسلام بلکہ خود صحابہ میں بھی اِس جنگ کے بارے میں ہمیشہ اختلاف رہا. آیا جنگ اِس قسم کی تھی باغیوں سے کی جاتی ہے جسکی شرط پائے جانے پر جنگ کرنی واجب ہو جاتی ہے یا ایسی نہیں تھی اِس وجہ سے کہ اِس میں ایسی کوئی شرط نہیں پائی گئی جو اُسکے جائز ہونے کی باعث ہوتی. وہ قول جس پر اکابر صحابہ اور اکابر تابعین ہیں یہ ہے کہ جمل اور صفین کی جنگ کسی طرح بھی مامور یعنی حکم خدا اور رسول کے موافق نہ تھی اور اُسکا ترک کردینا اِس میں مبتلا ہونے سے افضل تھا. جمہور محدثین اور جمہور ائمہ فقہاء کا بھی یہ قول ہے. اِس میں امام ابوحنیفہ کا مذہب جو قدوری نے نقل کیا ہے یہ ہے کہ باغیوں سے جنگ کرنا جائز نہیں ہے ہاں اگر وہ جنگ کی ابتدا کریں تو جائز ہے مگر مشکل تو یہ ہے کہ اہل صفین نے علی سے جنگ کی ابتدا نہیں کی تھی اب بتایئے کہ اِس فتوٰی کے مطابق علی پر کیا رائے قائم ہوسکتی ہے؟ مدینہ، شام اور بصرہ کے بڑے بڑے مشہور فقہا کا یہ مذہب ہے. اور مشہور فقہائے حدیث مثلاً امام مالک، ایوب، اوزاعی اور امام احمد وغیرہ سب یہی کہتے ہیں یہ جنگ مامور بہ نہ تھی اور اِسکا نہ کرنے سے بے شک بہتر تھا. یہی قول جمہور ائمہ سنت کا ہے. اِس کے علاوہ احادیث صریحہ صحیحہ اِس پر دال ہیں.

اب رہی حروریہ، خوارج اور اہل نہروان کی جنگ تو یہ بے شک اِس سنت سے واجب تھی جو حضور انور ﷺ سے مستفیض ہے. اِس پر تمام صحابہ اور علماء اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے. صحیحین میں

اسامہ بن زید سے مروی ہے. وہ کہتے ہیں ایک دن مدینہ کے ایک ٹیلہ پر رسول اللہ ﷺ چڑھے کچھ صحابہ بھی ہمراہ تھے. رسول اللہ ﷺ نے اوپر چڑھ کر یہ دریافت فرمایا آیا تمہیں یہ نظر آتا ہے جو اس وقت مجھے نظر آرہا ہے. اُنہوں نے عرض کیا نہیں. آپ نے فرمایا میں تمہارے گھروں میں فتنوں کے مواقع اِس طرح ہوتے ہوئے دیکھ رہا ہوں جیسے بارش ہوا کرتی ہے.

سنن میں عبداللہ بن عمر بن عاص سے مروی ہے وہ کہتے ہیں رسول اللہ نے فرمایا تھا. عنقریب ایک ایسا فتنہ پھیلے گا جو سارے عرب کو تہ و بالا کردے گا. اسکے مقتول دوزخی ہوں گے. اِس میں بولنا تلوار کے کاٹنے سے بھی زیادہ سخت ہوگا. سنن میں ابو ہریرہ سے مروی ہے ایک دن رسول اللہ نے یہ فرمایا تھا عنقریب ایک اندھا بہرا گونگا فتنہ ہوگا یعنی نہ اِس میں کسی کا کچھ کہنا ٹھیک ہوگا، نہ سننا نہ دیکھنا. جو اُس میں شامل ہوگا وہ خود بھی اُس میں مبتلا ہو جائے گا. اُس میں زبان سے بولنا مثل تلوار کے کاٹنے کے ہوگا. ام مسلمہ سے روایت ہے ایک دفعہ شب کو سوتے سوتے رسول اللہ کی آنکھ کُھل گئی اُس وقت آپ نے فرمایا سبحان اللہ کس قدر خزانے اور فتنے نازل کئے گئے ہیں.

صحیحین میں ابو ہریرہ سے مروی ہے. رسول اللہ نے فرمایا عنقریب ایک ایسا فتنہ ہوگا جس میں بیٹھا ہوا کھڑے ہوئے سے اچھا ہوگا. کھڑا ہوا چلنے والے سے چلنے والا دوڑنے والے سے جو اُس میں شریک ہونا چاہے گا وہ بھی اُس میں مبتلا ہو جائے گا. جسے اُس وقت کہیں پناہ کی جگہ ملجائے تو اُسے فوراُس جگہ چلا جانا چاہیے. ابوبکر نے صحیحین میں روایت کی ہے رسول اللہ نے اِس بارے میں یہ بھی فرمایا تھا جب وہ فتنہ پھیل جائے تو جسکے پاس اونٹ ہوں وہ اپنے اونٹوں ہی میں لگا رہے جس کے پاس بکریاں ہوں وہ اپنی بکریوں میں مشغول رہے اور جس کے پاس زمین ہو وہ اپنی زمین کے کاموں میں لگا رہے ایک شخص نے دریافت کیا یارسول اللہ یہ تو فرمایئے کہ اگر کسی کے پاس نہ اُونٹ ہوں نہ بکریاں ہوں نہ زمین تو وہ کیا کرے وہ بھی اِس فتنہ میں شامل ہو جائے گا یا نہیں. فرمایا نہیں. بلکہ وہ اپنی تلوار کی دھار کو پتھر پر توڑ کے بیٹھ جائے اور اُس سے اگر بچا جائے تو وہ اپنی جان کو بچائے ایک اور شخص نے دریافت کیا یارسول اللہ اگر مجھے کوئی زبردستی اُس میں شریک کرلے یا اُن دونوں لشکروں میں سے کوئی جنگجو مجھے تلوار سے قتل کردے یا کوئی تیر میرے آکے لگ جائے اور میں مرجاؤں تو پھر میرا کیا حشر ہوگا.

؟ فرمایا اُس وقت تم خطاوار نہ ہو گے تمھارا گناہ بھی اُسی کے ذمہ ہوگا اور وہ دوزخیوں میں داخل کر دیا جائے گا. ایسی ہی اور حدیث سعد بن ابی وقاص وغیرہ صحابہ سے بھی مشہور ہے اور جن صحابہ نے یہ حدیثیں روایت کی ہیں وہ بڑے جلیل القدر صحابہ ہیں مثلاً سعد بن ابی وقاص، ابوبکر، اسامہ بن زید، محمد بن سلمہ اور ابو ہریرہ وغیرہ وغیرہ یہ سب جنگ جمل اور جنگ صفین کو اسی قسم کی جنگ قرار دیتے ہیں جن کے بارے میں یہ حدیثیں وارد ہیں بلکہ ان لڑائیوں کو اُنہوں نے اس عظیم فتنہ کی سب سے بڑی بنیاد قرار دی ہے جو اسلام میں ہوئی ہیں. یہ لوگ ان جنگوں میں کبھی شریک نہیں ہوئے بلکہ دوسروں کو بھی منع کیا جیسا کہ ان آثار سے ثابت ہے جو اُن سے صحیح طور پر مروی ہیں. مگر جو صحابہ ان جنگوں میں شریک ہوئے تھے اُن میں سے ایک صحابی نے بھی ایسی کوئی حجت بیان نہیں کی جو ان جنگوں کے جائز و درست ہونے کو ثابت کرتی نہ قرآن سے نہ حدیث سے بلکہ اُنہوں نے خود بھی اقرار کرایا تھا کہ ہماری جنگ بے شک ہماری خود رائی پر مبنی تھی مامور بہ ہرگز نہ تھی جیسا کہ خود علی کی طرف سے بھی ایسا ہی بیان کیا گیا ہے. اِس لشکر میں علی سے افضل کوئی نہ تھا ہر شخص آپ سے کم ہی رتبہ کا تھا. خود علی ہی نے اِن لڑائیوں سے ہمیشہ اپنی ندامت اور نارضامندی کا اظہار کیا جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اِس بارے میں اُن کے پاس کوئی ایسی شرعی دلیل نہ تھی جو اُنکی رضامندی اور خوش دلی کا باعث ہوتی. خوارج سے جو جنگ علی لڑے تھے اُس کی نسبت اپنی خوشنودی کا اظہار اُنہوں نے بار ہا کیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ علی کو یقین تھا کہ یہ جنگ اللہ اور رسول کی اطاعت اور اللہ کے مقرب بننے کا پورا باعث ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ خوارج سے جنگ کرنے میں نصوص نبویہ اور ادلہ شرعیہ ایسی ہیں جو اُسے واجب کرتی ہیں. یہ جو کچھ ہم لکھ رہے ہیں فریقین سُنی وشیعہ کے مسلمات میں سے ہے مگر ہماری تحقیق میں جمل اور صفین کی جنگیں ایک افسانہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں. ہم جو کچھ ان جنگوں کی بابت تسلیم کرتے ہیں اُسکا ذکر ایک مستقل باب میں آگے کریں گے. یہاں ہم اسقدر لکھنا چاہتے ہیں کہ اگر صفین اور جمل کی لڑائیوں کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو پھر علی ومعاویہ مشکل سے رہ سکیں گے اور اُن کی نسبت نصوص نبویہ اور ادلہ شرعیہ کا وہ فتوی دینا پڑے گا جسے نہ سنی قبول کریں گے اور نہ شیعہ نہ اُنہیں گوارا ہوگا کہ امیر معاویہ اور حضرت علی کے روایتی احترام کو مٹا کے اُنہیں ان جنگوں کے بعد ان کی اصلی

صورت میں دکھایا جائے. اِس جملہ معترضہ کے بعد ہم پھر اپنے اصلی مطلب کی طرف رجوع کرتے ہیں. چوتھی وجہ یہ ہے کہ یہ آیت حضرت علی کی جنگ پر کسی طرح صادق نہیں آتی کیونکہ اللہ تعالی نے یہ فرمایا تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْیسلمون یعنی یا تو تم اُن سے لڑو گے یا وہ مسلمان ہو جائیں گے. گویا اُن کی نشانی یہ ہے کہ ان دونوں باتوں میں سے ایک بات اُنہیں ضرور اختیار کرنی پڑے گی. یہ ہر شخص کو معلوم ہے کہ جن لوگوں کو حضرت علی نے دعوت دی تھی اُن میں ایک جماعت ایسی بھی تھی جس نے مطلق جنگ نہیں کی بلکہ اُنہوں نے اِس خیال ہی کو دل سے نکال دیا نہ وہ علی سے لڑے نہ اُن کا ساتھ دیا. اس لیے وہ ایک تیسری قسم ہو گئے کہ نہ علی کی اطاعت کی نہ مقابلہ میں ساتھ دیا حالانکہ یہ سب کے سب یقیناً مسلمان تھے. مگر اس آیت میں اُن کی بابت ذرا بھی اشارہ نہیں ہے. پھر بھلا یہ جنگ اِس آیت کا مصداق کس طرح ہو جائے گی اِن لوگوں کے مسلمان ہونے پر قرآن، حدیث اور اجماع صحابہ سب دال ہیں اور اس اجماع میں علی وغیرہ بھی ہیں. چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے. وَاِنْ طَـآئِـفَتٰـنِ مِـنَ الْـمُـؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا. فَاِنْ م بَـغَـتْ اِحْدٰهُمَا عَلَى الْاُ خْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِىْ تَبْغِىْ حَتّٰى تَفِىْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ . فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا. اِنَّ اللّٰـهَ يُحِبُّ الْـمُقْسِطِيْنَ (حجرات:۹) یعنی اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑیں تو تم اُن دونوں میں صلح کرا دو پھر اگر ان میں ایک دوسرے پر زیادتی کرے تو جو زیادتی کرے اُس سے تم سب مل کے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم (یعنی صلح) کی طرف رجوع کرے پس اگر وہ رجوع کرے تو اِن دونوں کے درمیان میں برابر کی صلح کرا دو اور انصاف کرو. بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اس آیت میں باوجود اُن لوگوں کے لڑنے اور زیادتی کرنے کے اللہ نے اُن کی ایمان کے ساتھ تعریف کی ہے اور اُس سے آگے یہ فرمایا ہے کہ یہ سب آپس میں بھائی ہیں اور بھائی پن مسلمانوں ہی میں ہوتا ہے نہ کہ ایک مسلمان اور کافر میں. صحیح بخاری وغیرہ میں ابوبکر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے امام حسن کی بابت فرمایا تھا. ان ابنی هذا سید ویصلح الله به بین فئتین عظیمتین من المسلمین یعنی ہمارا لڑکا سید ہے اس کے ذریعہ سے عنقریب مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں اللہ تعالیٰ صلح کرائے گا.

چنانچہ اُن کے ذریعہ علی اور معاویہ کے لشکروں میں اللہ نے صلح کرادی. اِس حدیث سے صاف معلوم ہوگیا کہ یہ دونوں لشکر یقیناً مسلمان تھے اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ بھی اِن میں صلح کرانی چاہتا تھا. جس نے ایسا کیا اُس کی تعریف فرمائی ہے. یہ بھی اس سے معلوم ہوا کہ امام حسن نے جو کچھ کیا وہ اللہ کے اور اللہ کے برگزیدہ رسول کے بالکل موافق اور اُنہیں خوش کرنے کا باعث تھا. اگر یہ لڑائی واجب یا مستحب ہوتی تو اُسکے ترک کرنے میں اللہ اور اللہ کے رسول کی رضامندی کبھی نہ ہوتی کیونکہ وہ واجب اور مستحب کے ترک کرنے پر کبھی خوش نہ ہوتی. اِس کے علاوہ صحابہ سے اس بارے میں متواتر نقلیں موجود ہیں کہ وہ ان دونوں گروہوں پر مسلمان ہی ہونے کا حکم لگاتے رہیں اِن میں سے ایک دوسرے کے وارث بننے کے فتوے دیتے رہے حالانکہ کافر اور مسلمان ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے. نہ انہوں نے اُنکی اولاد کو قید کیا نہ اُن کا وہ مال لوٹا جسے وہ جنگ میں لائے تھے بلکہ ایک لشکر کے آدمی دوسرے لشکر کے جنازوں کی نماز پڑھتے رہے اِس کے علاوہ نماز جماعت میں سب مل کے نماز پڑھتے تھے. کبھی ایک لشکر کا امام بن جاتا اور کبھی دوسرے لشکر کا. اسلام کی حیثیت سے وہ بالکل سگے بھائیوں کی طرح تھے اور اُن میں کوئی مغایرت نہ تھی. اب رہے خوارج جو علی سے برگشتہ ہوگئے تھے اسکی وجہ یہ تھی کہ جنگ جمل کے دن علی کے منادی نے یہ پکار دیا تھا کہ نہ کسی بھاگنے والے کا تعاقب کیا جائے اور نہ کسی زخمی کو گرفتار کیا جائے نہ ان کا مال لوٹا جائے اور نہ اُن کی اولاد قید کی جائے. اس وجہ کے علاوہ خوارج کے ناراض ہونے کے اور بھی بہت سے اسباب ہیں جنہیں اس وقت یہاں بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے ابن عباس نے خوارج سے اِس بارے میں مناظرہ بھی کیا تھا جسے ابونعیم نے صحیح اسناد کے ساتھ نقل کیا ہے کہ ابوزمیل حنفی نے ابن عباس سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ جب صرور یہ لوگ علی سے دل برداشتہ ہوگئے تو میں نے علی سے کہا اے امیر المومنین ذرا آج نماز میں تاخیر کیجئے میں ان لوگوں کے پاس جا کے ان سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں ابھی آجاؤں گا. علی نے کہا مجھے اُنکی طرف سے کچھ اندیشہ معلوم ہوتا ہے مبادا تمہارے ساتھ بدسلوکی کریں. میں نے کہا نہیں خدا کو منظور ہے تو ایسا ہرگز نہ ہوگا. اس پر آپ نے اجازت دے دی. میں وہاں گیا ٹھیک دوپہر کا وقت تھا اس لیے وہ قیلولہ میں تھے. ایک جگہ اُنکے بہت سے آدمی جمع تھے میں اُن کے پاس پہنچا اور اُن کی

ایسی حالت دیکھی کہ اِس سے پہلے میں نے کسی کی ایسی حالت نہیں دیکھی تھی.مجاہدوں کے مارے اُن کے ہاتھ اُونٹوں کی دموں کی صورت بن گئے تھے. اُن کے چہرے سجدوں کے آثار سے چمک رہے تھے.جس وقت انہوں نے مجھے دیکھا مارے خوشی کے باغ باغ ہوگئے اور مرحبا کہہ کے پوچھا اِس وقت کیسے آنا ہوا.میں نے کہا میں رسول اللہ کے اُن صحابہ کی طرف سے کچھ کہنے آیا ہوں جو نزول وحی کے وقت موجود اور اُسکے معنی ومطالب کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے.یہ سُن کے بعض نے تو اُن میں سے یہ کہا کہ اِس سے کوئی بات نہ کرو بعض نے کہا نہیں ہم کریں گے غرض جب وہ مجھ سے بات کرنے پر آمادہ ہوگئے تو میں نے اُن سے کہا تم یہ بتاؤ کہ رسول اللہ کے چچازاد بھائی اور آپ کے امین سے تم ناراض کیوں ہوگئے ہو حالانکہ رسول اللہ کے صحابی اُن کے ساتھ ہیں.انہوں نے جواب دیا ہمارے ناراض ہونے کی تین وجہیں ہیں.میں نے دریافت کیا،اور کہا پہلی وجہ تو یہ ہے کہ اللہ کے دین میں اُنہوں نے لوگوں پر حکومت جتائی حالانکہ اللہ تعالیٰ فرما چکا ہے "ان الحکم الا للہ" یعنی حکومت اللہ ہی کی ہے.پھر میں نے کہا اچھا دوسری وجہ یہ کیا ہے.؟ کہنے لگے اُنہوں نے قتال تو کیا مگر نہ اُنکا مال لوٹا نہ قید کیا اب اگر وہ کافر تھے تو اُن کا مال لوٹنا اُن کے لیے یقیناً حلال تھا اور اگر وہ مسلمان ہیں تو یہ اُن سے لڑے کیوں اُن کا خون کرنا اُن پر قطعی حرام تھا.کیونکہ مسلمانوں کا خون کرنا ہرگز درست نہیں ہے. پھر میں نے تیسری وجہ دریافت کی.کہا علی اپنے نام کے ساتھ امیر المومنین نہیں لگاتے گویا اس لقب سے وہ سخت نفرت کرتے ہیں تو جب وہ مومنین کے امیر ہونے سے پہلو بچاتے ہیں تو کیا کافروں کے امیر ہیں.؟ میں نے اُن کی یہ سب باتیں سن کے کہا اب تم یہ کہو کہ اگر میں تمہاری ان وجوہات کے جواب میں اللہ پاک کی سچی اور محکم کتاب کی آیت پڑھ کے سناؤں اور تمہارے رسول کی ایسی حدیث پیش کروں جسکا تم بھی انکار نہ کرسکو تو پھر تم رجوع کرلوگے یا نہیں؟ بولے ہاں ہاں ضرور رجوع کرلیں گے.میں نے کہا تمہارا یہ کہنا کہ اُنہوں نے اللہ کے دین میں لوگوں پر حکومت بٹھائی ہے. اُسکا جواب تو یہ ہے خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے. يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ (المائدہ:۹۵) یعنی اے ایمان والو حالتِ احرام میں تم شکار نہ مارو اور تم میں سے جو کوئی اُسے

قصداً مارے گا تو جس کو مارا ہے چوپایوں میں اُس کا مثل جس کو تم میں سے اہل حکم (تجویز کرکے) حکم کردیں اُس کا بدلہ ہے. پھر میاں بیوی کے بارے میں فرمایا. وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا .(النساء:۳۵) اور اگر تمہیں میاں بیوی کی نااتفاقی کا اندیشہ ہو تو ایک حکم شوہر کے کنبہ میں سے مقرر کرو اور ایک حکم عورت کے کنبہ میں سے. پھر میں نے کہا میں تمہیں اللہ کی قسم دے کے پوچھتا ہوں کہ لوگوں کی خونریزیوں وغیرہ میں اُن پر حکومت کرنے اور آپس میں صلح کرانے کا حکم اس سے نکلتا ہے یا نہیں بولے ہاں بیشک نکلتا ہے پھر میں نے کہا لو اب دوسری وجہ کا جواب سنو تم کہتے ہو انہوں نے قتال تو کیا لیکن نہ اُنہیں قید کیا نہ اُن کا مال لوٹا. اچھا تم ہی بتاؤ کہ اگر تمہاری ماں سے اور تم سے لڑائی ہو تو تم اُسے قید کرلو گے یا تم اُس کی اُن چیزوں کو حلال سمجھو گے جو اوروں کی چیزوں کو سمجھتے ہو اگر ایسا کرو گے تو کافر ہو جاؤ گے اور اگر یہ کہو کہ وہ تمہاری ماں نہیں ہے تو بھی تمہارے کافر ہونے میں شک نہیں. رسولؐ اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات سب مائیں ہیں. چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نبی تمہاری جان اور مال سے زیادہ اولیٰ ہیں اور نبی کی بیویاں تمہاری مائیں ہیں اب تم دو گمراہیوں کے بیچ میں پھنسے ہوئے ہو جس سے چاہو اجتناب کرو بولو اُن کا مال نہ لوٹنا یا اُنہیں قید نہ کرنا ٹھیک ہوا یا اُنہیں اور علی نے کوئی بُری بات نہیں کی یہ سن کے وہ اس جواب سے مطمئن ہو گئے انہوں نے کہا بیشک تم سچ کہتے ہو. اب رہا امیر المومنین کا لفظ کہ علی نے اپنے نام سے کیوں اُڑا دیا تم جانتے ہو کہ حدیبیہ میں جب مشرکوں اور مسلمانوں میں صلح کا عہد نامہ ہوا ہے تو حضور انور ﷺ نے اپنے نام کے ساتھ رسول اللہ کے الفاظ لکھے تھے مشرکوں نے اُسے قبول نہیں کیا اور انہوں نے تعجب کر کے یہ کہا محمد تم اپنے نام کے ساتھ رسول اللہ کیوں لکھتے ہو جھگڑا تو اسی میں ہے اگر ہم تمہیں رسول اللہ سمجھتے ہیں تو تم پر ایمان کیوں نہ لے آتے آپ نے فرمایا یقیناً میں خدا کا رسول ہوں تمہاری تکذیب کرنے سے کچھ نہیں ہوتا ہاں تمہاری یہی خوشی ہے تو اچھا میں رسول اللہ کے لفظ کو کٹوا دیتا ہوں. چنانچہ آپ نے علیؓ سے فرمایا کہ رسول اللہ کے الفاظ کاٹ دو، ابن عباس کہتے ہیں میں نے اُن سے کہا کہ اس حدیث کو تم بھی مانتے ہو وہ بولے ہاں اسی طرح علی نے بھی اپنے نام سے امیر المومنین کا لفظ اڑا دیا تو اُن پر کیوں طعن کرتے ہو؟ اس سے اُن لوگوں کا اطمینان ہو گیا بیس ہزار آدمی فوراً ابن عباس کے

ساتھ ہو گئے. چار ہزار نے ابن عباس کے استدلال کو نہیں مانا اور وہ اخیر تک لڑتے رہے. فقط.
ممکن ہے ابن عباس کی فصاحت و بلاغت وجاہت اور پر اثر لہجے نے انہیں اپنا رام بنالیا ہو ہماری سمجھ میں تو ان کا استدلال نہیں آیا. چونکہ یہ بحث دوسری ہے ہم اس وقت اُسے اُٹھانا نہیں چاہتے. ہمارا یہ مطلب نہیں ہے کہ جن باتوں سے حضرت علی پر طعن کیا جاتا ہے وہ باتیں سب کی سب صحیح ہوں مگر ہاں ہم یہ ضرور کہیں گے کہ ان میں سے ابھی تک کسی بات کا جواب جس سے اطمینان ہوجائے کسی کی طرف سے نہیں دیا گیا وہ لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ علی کو خلافت کا حق نہیں تھا علی میں خلافت کی قابلیت نہیں تھی علی نے ہزاروں مسلمانوں کو قتل کرادیا علی نے عمر فاروق کی ان ترقیوں کو خاک میں ملا دیا جو انہوں نے قیصر اور کسریٰ کی سلطنتوں میں کی تھیں. یقیناً اگر عمر فاروق، بارہ برس اور زندہ رہتے تو نہ صرف سلطنتِ مشرقی بلکہ روما بھی مسلمانوں کے زیر نگین ہوجاتی اور چند ہی روز میں فرانس میں ہلال کا جھنڈا اُڑنے لگتا. اگرچہ یہ کامیابیاں مسلمانوں کو بعد میں ہوئیں مگر کمزور بنیاد پر اگر فاروق اعظم کے زمانہ میں یہ ملک فتح ہوتے تو اب بھی وہاں مسلمانوں کی آبادی ضرور ہوتی۔ دیکھ لو اسکی نظیر موجود ہے جتنے ملک فاروق اعظم کے مبارک عہد میں فتح ہوئے تھے وہ اب تک جوں کے توں موجود ہیں اگرچہ بعض ممالک کی سیاسی صورت میں فرق آگیا ہے مگر تو بھی گدی پر مسلمان ہی ہیں عمر فاروق کے نہ صرف قوی بازو تھے بلکہ سچ مچ اُن میں زور قضا چھپا ہوا تھا اُن میں لازوال برکت تھی وہ خود مبارک تھے اُن کے پیرو مبارک تھے ان کے جنگجو مبارک تھے اُن کے سپاہی مبارک تھے اُن کی برکت کا اثر تیرہ سو برس کے بعد آج بھی ہم نمایاں پاتے ہیں اس قسم کے اعتراضات ہیں جنکا جواب ابھی تک نہیں دیا گیا. محض سطح پر تیرا جارہا ہے. گہرائی میں نیچے کا آج تک کسی نے خیال نہیں کیا ہماری ذاتی رائے تو یہ ہے کہ علی انسان تھے اُن سے خطاؤں اور کمزوریوں کا سرزد ہونا ممکن تھا وہ انسان اور کمزور انسان ہونے کی حیثیت میں معذور تھے وہ مسلمان ضرور تھے اور اچھے مسلمان تھے خدا اُن کی مغفرت کرے اور اُنکی خطائیں بخش دے. بس اس سے زیادہ ہم ایک مرحوم مسلمان کیلئے اور کیا کہہ سکتے ہیں. اس جملہ معترضہ کے بعد ہم پھر اصلی مطلب کی طرف آتے ہیں.

شیعی علماء کا یہ کہنا کہ اُن لوگوں نے چونکہ حضرت علی کی طرف رجوع کرلیا تھا. اس لیے یہ

مسلمان ہو گئے. یعنی اُنکے رجوع کر لینے کو اسلام میں آنا ٹھہرانا اور اُسکے ثبوت میں حضور انور ﷺ کا یہ قول پیش کر دینا "یا علی حربک حربی" ایک بڑے عجائبات میں سے ہے. اور اس سے بھی زیادہ عجیب ترین بات یہ ہے کہ حضرات شیعہ اس مہتم بالشان مسئلہ کو ایسی حدیث سے ثابت کرتے ہیں جسکا محدثین کے ان دواوین میں سے کسی میں بھی پتہ نہیں ہے جن پر اُن کا اعتماد ہے. نہ صحاح میں نہ سنن میں نہ مسانید میں اور نہ اُن فوائد وغیرہ میں جو اہل علم بالحدیث نے ایک دوسرے سے نقل کیے اور حاصل کئے ہیں نہ یہ اُن کے نزدیک صحیح ہے نہ حسن ہے نہ ضعیف ہے بلکہ ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ کی ہے اور غلط ہونے میں سب موضوعات سے بدتر ہے. کیونکہ یہ حضور انور ﷺ کی اُس متواتر مشہور سنت کے بالکل خلاف ہے کہ آپ نے طرفین کے لشکروں کو مسلمان قرار دیا تھا اور اس فتنہ میں نہ لڑنے کو لڑنے سے بدرجہا بہتر اور افضل فرمایا تھا اور اُسکی تعریف فرمائی تھی جو ان دونوں میں صلح کرا دے. اب اگر ان دونوں لشکروں میں ایک لشکر اسلام سے مرتد ہوتا تو اِس میں شک نہیں کہ وہ لشکری کفار سے بھی بدتر ہوتے کیونکہ کفار ایک حد تک اپنے اپنے دین پر قائم ہیں اور اُن سے وہ جنگ کرنے کے مستحق ہوتے. جیسا کہ مسیلمہ کذاب کے پیرو مرتد تھے جن سے صدیق اکبر اور باقی صحابہ نے جہاد کیا اور اُن سے جہاد کرنے پر سب کا اتفاق ہے. اُن کی اولاد کو قید کیا جن قیدیوں میں سے علی نے محمد بن حنیفہ کی والدہ کو لے لیا تھا. جس سے ہر شخص جانتا ہے.

جنگ بدر اور ابوبکر: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ جنگ بدر میں قریش پر ابوبکر کا رسول اللہ کے لیے انیس بننا اِس میں بھی ابوبکر کی کوئی فضیلت نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ کو اللہ تعالیٰ سے ایسا اُنس تھا جس کی وجہ سے آپ کو اور کسی انیس کی ضرورت نہ تھی. اِسکے علاوہ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ رسول اللہ کو یہ اچھی طرح معلوم ہو گیا تھا کہ ابوبکر کو لڑائی میں بھیجنا سخت خرابی کا باعث ہوگا کیونکہ پہلے اور غزوؤں میں یہ کئی مرتبہ بھاگ چکے تھے جنگ سے بیٹھنے والا اُس سے کیونکر افضل ہو سکتا ہے. جو اپنی جان اللہ کی راہ میں جہاد کر رہا ہو. (شیعی علماء کا قول ختم ہو گیا)

جواب: اس قول کا غلط ہونا کئی وجہ سے بدیہی ہے. اوّل تو یہ کہ ابوبکر پہلے کئی غزوؤں میں بھاگ

چکے تھے اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ اس قول کے قائل حضور انور ﷺ کے غزووں اور احوال سے بالکل نابلد ہیں. آپ جب اس پر غور فرمائیں گے تو عجیب کیفیت آپ کو معلوم ہوگی. یعنی یہ کہ غزوۂ بدر سب غزووں میں پہلا غزوہ ہے اس سے پہلے کبھی کوئی غزوۂ نہیں ہوا. پھر ابوبکر کا بھاگ جانا کیا معنی رکھتا ہے. کیا یہ چانڈوخانہ کی گپ نہیں ہے؟ کیا بوستان خیال کی کہانی سے زیادہ فسانہ انگیز یہ کہانی نہیں ہے؟ اس سے پہلے رسول اللہ ﷺ یا ابوبکر کی مشرکین مکہ سے کوئی بھی جنگ نہیں ہوئی. وہ غزوات جن میں حضور انور ﷺ نے خود حصہ لیا ہے حسب ذیل ہیں اور اُن کی تعداد کل نو ہے. بدر، احد، خندق، بنی المصطلق، غزوۂ ذی قرد، خیبر، مکہ حنین اور طائف، باقی وہ غزوے جن میں قتل وقتال کی نوبت نہیں آئی دس سے کچھ اوپر ہیں ۔اب رہے سرایا، ان میں بعض ایسے ہیں جن میں قتال ہوا، بعض میں نہیں ہوا بہر حال اس میں سب کا اتفاق ہے کہ قتالی غزوات میں بدر سب سے پہلا غزوہ ہے اور یہ ایسا مشہور مسئلہ ہے کہ جو لوگ حضور انور ﷺ کے احوال سے واقف ہیں خواہ اہل تفسیر ہوں یا حدیث، مغازی، سیر ،فقہ، تواریخ اور اخبار کے جاننے والے اسے جانتے ہیں. جیسا کہ اوپر مذکور ہوا کہ وہ غزوہ جس میں قتال ہوا اور حضور انور شریک ہوئے غزوہ بدر ہے. نہ اُس سے پہلے کوئی غزوہ ہوا نہ سریہ جس میں قتل وقتال ہوا ہو. سوائے ایک نبی احضرمی کے قصے کے مگر ابوبکر اس میں نہیں تھے. پھر بھلا یہ کیونکر ممکن ہوسکتا ہے کہ ابوبکر پر ایسا بہتان عظیم اُٹھایا جائے کہ وہ پہلے غزووں میں بھاگ گئے تھے. لاحول ولاقوۃ دوسری وجہ زیادہ توجہ کے قابل ہے وہ یہ کہ ابوبکر کبھی کسی غزوہ میں نہیں بھاگے یہاں تک کہ احد کی لڑائی میں بھی نہ ابوبکر بھاگے نہ عمر، ابوبکر وعمر کی نسبت تو آج تک یہ کسی نے نہیں کہا کہ ان دونوں نے کبھی بھی کسی جنگ میں پیٹھ دکھائی تھی. بلکہ حنین کے دن بھی یہ دونوں حضور انور ﷺ کے ساتھ موجود رہے تھے. جیسا کہ اہل سیر نے لکھا ہے اور ہم اُسے پوری طرح ثابت کر چکے ہیں. لیکن بعض کذابوں نے محض اپنے دل کے جلے پھپھولے پھوڑنے کے لیے اور محض حضور انور رسول اللہ کے عزیز اور جان نثار صحابہ کو بدنام کرنے کے لیے یہ لکھ دیا کہ حنین کے دن یہ دونوں جھنڈا لے کے واپس چلے آئے تھے اور اُن سے حنین فتح نہیں ہوا تھا. اس کے بعد بعض شیعوں نے اس پر اور بھی رنگ چڑھادیا اور بوستان خیال کے سے قصے گھڑ گھڑ کے جاہل اور لایعقل لوگوں کو بہکانا شروع کردیا اس کے لیے ضروری ہے کہ اپنے اس دعویٰ کو

ایسی نقل سے ثابت کرے جسکی ہر شخص نے کی ہو مگر ایسا ہونا بالکل ناممکن ہے ایسی نقل کہاں اور کونسی ہے جو ابوبکر کے ایک غزوہ میں بھی بھاگنے کو ثابت کر دے چہ جائے کہ اُن کا کئی مرتبہ بھاگ جانا ثابت کر سکے. تیسری وجہ یہ ہے کہ اگر بزدلی اور نامردی میں اُن کی ایسی حالت ہوتی جیسی شیعی علماء کہتے ہیں تو حضور انور رسول اللہ ﷺ اپنے سب صحابہ کو چھوڑ کے اُنہیں ساتھ عریش میں رکھنے کے لیے کبھی مخصوص نہ کرتے بلکہ آپ کبھی جائز نہ سمجھتے کہ ایسے شخص کو اپنے ساتھ غزوے میں رکھتے. امام کی شان کے لائق یہ بات ہرگز نہیں ہے کہ وہ ایسے آدمی کو اور سب ساتھیوں سے مقدم کرے اور اُسے اپنے ساتھ عریش میں رکھے.. چوتھی وجہ یہ ہے کہ اس حالت کی بابت ابوبکر کی ثابت قدمی اور قوت یقینی کا بیان جو صحیحین میں ہے وہ اِن مفتریوں کی بالکل تکذیب کرتا ہے اور اُس کے سراسر خلاف ہے. صحیحین میں ابن عباس نے عمر فاروق سے روایت کی ہے آپ فرماتے ہیں کہ بدر کے دن جب رسول اللہ نے مشرکین کو دیکھا کہ وہ ایک ہزار آدمی ہیں اور آپ کے صحابہ کل ۳۱۷ ہیں تو رسول اللہ قبلہ رخ ہو گئے اور دونوں ہاتھ اُٹھا کے نہایت انکساری سے یہ دعا کی. **اَللّٰھُمَّ انجز لی ما وعدتنی اللھم ان تھلک ھذا العصابة من اھل الاسلام لا تعبد فی الارض** یعنی اے اللہ! آج تو اپنے وعدہ کو میرے لیے پورا کر دے اے رب العزت اگر آج مسلمانوں کی یہ چھوٹی سی جماعت ہلاک ہو گئی تو پھر روئے زمین پر تیری (خالص) عبادت کرنے والا کوئی نہ ہوگا. آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اُٹھائے ہوئے برابر یہی پکارتے رہے اور اس قدر مشغول ہوئے کہ آپ کے مونڈھوں پر سے چادر بھی گر پڑی. صدیق اکبر نے یہ دیکھ کے آپ کی چادر آپ کے مونڈوں پر ڈال دی پھر حضور انور کی خدمت میں عرض کیا. یا رسول اللہ بس کیجئے آپ کی اتنی ہی دعا کافی ہے اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کو عنقریب پورا کر دے گا جو اُس نے آپ سے کر لیا ہے اُسی وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی. اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُم. . پانچویں وجہ یہ ہے کہ سیر کے جاننے والے اس بات کو جانتے ہیں کہ قوی ہونے میں ابوبکر سب صحابہ سے زیادہ تھے ان میں سے کوئی بھی اس میں ان کی برابری نہیں کر سکتا. اِس لیے کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے رسول کو مبعوث فرمایا تھا ابوبکر اپنے اخیر وقت تک ہمیشہ خطرے سے خطرے کے موقع پر سب سے آگے رہے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی دشمن کے مقابلہ کرنے سے اُنہوں نے دل

چرایا اور بزدلی کی ہو بلکہ جب حضور انور کا وصال ہوا تو اکثر صحابہ کے دل بیٹھ گئے تھے مگر وہ صدیق ہی تھے جنہوں نے ان لوگوں کو ثابت قدم کر دیا۔ انس کہتے ہیں جس وقت ابوبکر نے خطبہ پڑھا تو ہم مثل لومڑیوں کے بزدل ہوئے بیٹھے تھے اور ہمارے چھکے چھوٹ رہے تھے مگر ان کی تسکین اور تسلی سے ہم مثل شیروں کے ہو گئے۔ کہتے ہیں اسی اثناء میں عمر فاروق نے کہا اے رسول اللہ کے خلیفہ ان لوگوں سے الفت رکھو یہ سنتے ہی آپ نے عمر فاروق کی ڈاڑھی پکڑ لی اور کہا اے ابن خطاب کیا تمہاری شجاعت زمانہء جاہلیت ہی تک تھی مگر اب وہ شجاعت جاتی رہی بھلا ان سے کس بات میں اُلفت رکھوں کیا ایک من گھڑت قصہ پر تکیہ کر کے اُن کے ساتھ رعایت کروں ایسا کبھی نہیں ہونے کا۔

چھٹے شیعی علماء کا یہ کہنا کہ جہاد سے بیٹھنے والا اُس شخص سے کیونکر افضل ہو سکتا ہے جو اللہ کی راہ میں اپنی جان دینے کے لیے کھڑا ہو۔ اسکا جواب یہ ہے ہمارے مہربان شیعی علماء کو یہ خیال نہیں ہے ایسے موقع پر حضور انور ﷺ کے ساتھ ہونا ہی اعلیٰ درجہ کا جہاد تھا اس لیے کہ دشمن کا اصلی مقصود تو حضور انور ﷺ ہی کا قتل کرنا، گرفتار کرنا تھا نہ کہ آپ کے ساتھیوں کا بھی وجہ تھی کہ 1/3 نے غنیمت لوٹی تھی پھر وہ غنیمت کا مال اللہ نے اُن سب کو تقسیم کر دیا۔ ساتویں شیعی علماء کا یہ کہنا کہ نبی ﷺ کو تو اپنے خالق سے ایسی انسیت تھی کہ اسکی وجہ سے آپ کو اور کسی سے اُنس پیدا کرنے کی ضرورت نہ تھی یا کسی انیس بنانے کی حاجت نہیں تھی۔ اسکا جواب یہ ہے کہ یہ جو کہا گیا ہے کہ ابوبکر عریش میں حضور انور ﷺ کے انیس تھے اسکے یہ معنی ہیں اس قول سے قائل کی مراد یہ نہیں ہے کہ حضور انور نے انہیں اس لیے انیس کر لیا تھا تا کہ آپ کو وحشت نہ ہو بلکہ اسکی مراد یہ ہے کہ ابوبکر قتل و قتال میں آپ کے معاون رہیں جیسا کہ صدیق سے کم درجہ کے صحابہ بھی آپ کی وقت پر معاونت کرتے تھے۔ اس معاونت کا ذکر خود اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا ہے یعنی ارشاد باری ہوتا ہے هُوَ الَّذِىْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ۔ یعنی اللہ وہی ہے جس نے اپنی اور مسلمانوں کی مدد سے تمہاری تائید کی۔ اب یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ صدیق ان سب مسلمانوں سے افضل ہیں جن کے ذریعہ سے اللہ نے آپ کی تائید کی تھی۔ آٹھویں وجہ یہ ہے کہ جب حضور انور نے عریش یا خیمہ وغیرہ میں جو آپ کے لیے وہاں نصب کیا گیا تھا قیام کیا تو آپ کے دشمنوں کا مقصود صرف آپ ہی کا قتل کرنا تھا یعنی وہ آپ ہی کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ آپ کے ساتھ صحابہ میں سے سوائے

اکیلے صدیق کے اور کوئی نہ تھا اور سب کے سب اس عریش کے باہر تھے اسکی وجہ سوائے اسکے اور کوئی نہ تھی کہ صدیق جیسے سب سے زیادہ بہادر تھے ویسے ہی آپ کے سب سے زیادہ خاص تھے محبت رکھنے اور نفع پہنچانے میں سب سے بڑھے ہوئے تھے. جہاد کے موقع پر یہ نفع ہرگز نہیں ہوسکتا مگر اُسی شخص سے جو قوی دل اور ثابت قدم رہنے والا ہو نہ کہ جو بزدل اور کمزور ہو. اس سے یہ بات صاف طور پر پائی جاتی ہے کہ جہاد میں اور ایمان میں صدیق اِن سب سے اکمل تھے. افضل الخلق اہل ایمان اور اہل جہاد ہی ہیں. پس جو اِس میں افضل ہو وہ ہر چیز میں افضل شمار ہوتا ہے. اللہ تعالیٰ فرماتا ہے. اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجَاهَدَ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ . لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ (توبہ:۱۹) یعنی کیا حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کی تعمیر (اور مرمت) کرنے (والے) کو تم اُس آدمی کے برابر کیئے دیتے ہو جو اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان لے آیا ہے اور اللہ کی راہ میں اُس نے جہاد کیا ہو اللہ کے نزدیک یہ سب برابر نہیں ہو سکتے پس اللہ کے نزدیک درجے میں یہ لوگ اہل حج اور اہل صدقہ سے بھی بڑھے ہوئے ہیں اور صدیق ان سب میں افضل ہیں. رہا علی کا بذاتِ خود جہاد کرنا تو یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے اس بارے میں وہ سب صحابہ ان کے برابر ہیں جنھوں نے بدر کے دن جنگ کی تھی یہ کہیں سے نہیں معلوم ہوتا کہ اس جنگ میں سب صحابہ سے زیادہ کوئی کارنمایاں علی نے کیا ہو. نہ صرف بدر میں بلکہ اُحد میں اور دوسری لڑائیوں میں بھی کوئی کارنمایاں علی سے نہیں ہوا اِس بناء پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ صدیق کی فضیلت بیشک ایسی ہے کہ اُن ہی کیلئے مخصوص ہے اس میں کسی کو نہ اُن کی مساوات کا درجہ حاصل ہے. نہ شرکت کا. اب رہی علی کی فضیلت وہ علی میں اور سب صحابہ میں مشترک ہے. اِس میں کسی طرح کی کوئی خصوصیت نہیں ہے.

نویں وجہ یہ ہے کہ اِس کے بعد عریش میں سے حضور انور اور ابوبکر نکلے اور حضور نے دشمن پر وہ مٹی پھینکی جس کی بابت اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اُس وقت صدیق نے اِس جوش کے ساتھ جنگ کی کہ آپ کے بیٹے عبدالرحمٰن نے آپ سے کہا کہ بدر میں میں نے آپ کو دیکھا تھا لیکن میں آپ سے کنارہ کر گیا تھا آپ نے فرمایا خیر اگر میں تجھے دیکھ لیتا تو تجھے ضرور قتل کر دیتا. ابوبکرؓ کے مالدار ہونے اور اپنا مال رسول اللہ ﷺ پر خرچ کرنے کی نسبت شیعی علماء فرماتے ہیں کہ یہ قصہ کہ ابوبکرؓ نے نبی ﷺ پر اپنا مال خرچ

کیا تھا بالکل جھوٹ ہے کیونکہ یہ مالدار آدمی نہ تھے۔ اُن کے باوا انتہاء درجے کے تنگ دست فقیر تھے اور اُن کی تنگدستی یہاں تک پہنچی ہوئی تھی کہ عبداللہ بن جدعان کے لنگر خانے سے اُنہیں آدھ سیر اناج روز ملا کرتا تھا۔ اسی پر اُن کی گزر اوقات تھی اگر ابوبکر کچھ مالدار ہوتے تو اُن کے باوا کی یہ حالت کاہے کو ہوتی۔ اب رہے خود ابوبکر وہ زمانہ جاہلیت میں بچوں کو پڑھایا کرتے تھے۔ مسلمان ہونے کے بعد اُنہوں نے سینا پرونا سیکھ لیا تھا اور درزی کا پیشہ کرنے لگے تھے مگر جب اسلامی حکومت اُن کے قبضے میں آ گئی اور یہ بادشاہ بنا دیئے گئے تو انہیں سینے پرونے سے لوگوں نے منع کر دیا۔ ابوبکر نے کہا میرے پاس کھانے پینے کو کچھ نہیں ہے۔ اِس لیے لوگوں نے تین درہم روز اُن کے بیت المال سے مقرر کر دیئے۔

جواب: اس سے زیادہ ظلم اور بہتان نہیں ہوسکتا کہ آدمی ایسی چیز کا انکار کر دے جو متواتر منقول اور عام و خاص سب میں مشہور ہو اور حدیث وغیرہ کی ساری کتابیں صحاح، مسانید، تفسیر، اور فقہ وغیرہ کی اِسکے ذکر سے بھری پڑی ہوں۔ شیعی علماء ان منقولات میں سے کسی منقول کا دعویٰ بھی کرتے ہیں جو محض اُن کے قول سے کسی طرح معلوم نہیں ہوسکتی۔ اور نہ یہ اُسے کسی معروف سند سے نقل کرتے ہیں نہ کسی ایسی کتاب کی طرف منسوب کرتے ہیں جو اعتماد کرنے کے قابل ہو نہ اُسکے قائل کا ذکر کرتے ہیں تعجب ہے کہ اتنے بڑے امر کس دلیری اور بے باکی سے بلا کسی حجت کے بیان کیا جاتا ہے اور اِسکا خیال بالکل نہیں رکھا جاتا کہ جب کوئی سند طلب کرے گا تو اُسکا کیا جواب دیا جائے گا۔ باقی ابوبکر کا مال خرچ کرنا تو صحیح صحیح حدیثوں میں متعدد طریقوں سے متواتر منقول ہے۔ حضور انور رسول اللہ ﷺ نے یہاں تک فرمایا ہے جیسا کہ ہم کہیں اُوپر بھی نقل کر چکے ہیں کہ ابوبکر کے مال کے برابر مجھے کسی کے مال نے نفع نہیں دیا یہ صحیح طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ آپ نے اپنے ہی مال سے ایسے سات آدمیوں کو خرید لیا تھا جن پر دین اسلام قبول کرنے سے تکلیف دی جا رہی تھی۔ بلال اور عامر بن فہیرہ بھی ان ہی میں تھے۔ باقی یہ بحث کہ ابوبکر کے باوا عبداللہ بن جدعان کے لنگر خانے میں سے آدھ سیر اناج روز لیتے تھے۔ اِسکی کوئی سند شیعی علماء نے کہیں بھی نہیں بیان کی جس سے اِس روایت کی صحت کا پتہ لگ جاتا اور اگر تھوڑی دیر کے لیے ہم مان بھی لیں تو زمانہ جاہلیت میں اسلام سے بہت پہلے ابوبکر کے باپ کا مفلس

ہونا ابوبکر کی آئندہ دولتمندی کے منافی نہیں ہے۔ اس بات کو بھی اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ عبداللہ بن جدعان اسلام سے پہلے ہی زمانہ جاہلیت میں مر چکا تھا۔ اب رہی اسلام میں ابوقحافہ کی حالت اُس وقت اُن کے پاس اتنا تھا کہ انہیں کسی کی ضرورت کچھ نہ تھی یہ کہیں سے ثابت نہیں ہوتا کہ ابوقحافہ نے کسی سے سوال کیا ہو۔ ابوقحافہ اپنے بڑے بیٹے ابوبکر کی وفات کے بعد تک زندہ رہے ہیں۔ صدیق اکبر کے ترکے میں سے ایک چھٹا حصہ حسب دستور شریعت انہیں ملا تھا۔ چونکہ انہیں خود اپنے مالدار ہونے کی وجہ سے اُس کی ضرورت نہ تھی انہوں نے وہ بھی صدیق کی اولاد کو دے دیا تھا۔ یہ بات صاف ظاہر ہے کہ اگر وہ محتاج ہوتے تو صدیق اکبر ضرور اُن کے ساتھ سلوک کرتے مگر اس سلوک کرنے کا کہیں بھی ذکر نہیں ہے۔ وہ تو باپ کی حیثیت رکھتے تھے مگر مسطح بن اثاثہ جو صدیق اکبر کا دور کا رشتہ دار تھا اور مفلس تھا ابوبکر برابر اُس کی مدد کیا کرتے تھے۔ یہ وہ مسطح ہے جس نے صدیقہ پر تہمت لگانے کا چرچا کیا تھا جس پر ابوبکر نے یہ حلف اُٹھایا تھا کہ میں مسطح کے ساتھ آئندہ کبھی سلوک نہ کروں گا مگر جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آیت نازل ہوئی اور مساکین اور قریبوں کے ساتھ سلوک کرنے کی فضیلت بیان کی گئی تو ابوبکر نے یہ کہا اللہ کی قسم دل وجان سے چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری مغفرت کردے لہٰذا میں اپنی پہلی قسم کو توڑتا ہوں اِس کے بعد ابوبکر مسطح کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرنے لگے یہ قصہ صحیحین میں صحیح طور پر ثابت ہے۔ جب آپ نے حضور انور کے ساتھ ہجرت کی تو آپ اپنا کچھ مال بھی ساتھ لے آئے تھے۔ ابوقحافہ آپ کے گھر گئے۔ گھر والوں سے پوچھا کہ ابوبکر خود چلے گئے ہیں یا اپنا مال بھی لے گئے ہیں۔ ابوبکر کی بیٹی اسماء نے جواب دیا نہیں مال تو یہیں چھوڑ گئے ہیں خود اسماء کہتی ہیں کہ میں نے ایک جگہ مکان میں دکھا بھی دیا کہ یہاں یہ مال موجود ہے محض اس خیال سے ان کا دل خوش ہوجائے کہ ابوبکر اپنے بال بچوں کے لیے چھوڑ گئے ہیں۔ اِس میں سے ابوقحافہ نے ایک پیسہ نہیں لیا جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ابوقحافہ کو روپے کی ضرورت نہ تھی۔ پھر شیعی علماء کا یہ کہنا کہ ابوبکر زمانہ جاہلیت میں بچوں کو پڑھایا کرتے تھے اسکی بھی اگرچہ حسب عادت شیعہ اصحاب نے کوئی سند نہیں دی مگر ہم اسے صحیح تسلیم کر لیتے ہیں۔ بچوں کا پڑھانا بُرائی میں داخل نہیں ہے بلکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صدیق عالم، صاحب معرفت آدمی تھے، علماء مسلمین ایسے بہت سے ہیں جو بچوں کو تعلیم دیتے تھے

منجملہ اُن کے ابو صالح کلبی ہیں جو صرف بچوں کو پڑھایا کرتے تھے. دوسرے ابو عبدالرحمٰن سلمی ہیں اور یہ حضرت علی کے بڑے خواص میں سے ہیں یہ بھی بچوں کو پڑھایا کرتے تھے مگر اسکی اجرت نہیں لیتے تھے۔ ایسے ہی قیس بن سعد، عطا بن ابی رباح، عبدالکریم، ابو امیہ، حسین الجعلم، یعنی ابن ذکوان قسام بن عمیر ہمدانی، جو حبیب المعلم معقل بن یسار کے مولیٰ ہیں، علقمہ بن علقمہ، ابو عبید القاسم بن سلام جو امامت بھی کرتے تھے اور بچوں کو بھی پڑھاتے تھے جن کی امامت اور فضل پر سب کا اتفاق ہے. اسکے علاوہ شیعی علماء نے اپنی جودتِ طبیعت سے ایسی باتیں ایجاد کرلیں جن کے ہونے نہ ہونے سے کسی قسم کی برائی صدیق میں نہیں نکل سکتی اس سے بھی زیادہ اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ زمانہ جاہلیت میں صدیق کا شمار ادنیٰ طبقے کے لوگوں میں تھا تو بھی اس سے کوئی بُرائی پیدا نہیں ہوتی. کیونکہ، سعد ابن مسعود، صہیب اور بلال وغیرہ تو کھلے ہوئے ادنیٰ طبقے سے تعلق رکھتے تھے. مشرکین نے حضور انور ﷺ سے درخواست کی تھی کہ آپ ان ذلیل لوگوں کو اپنے ہاں سے نکال دیجئے اُسی وقت یہ آیت نازل ہوئی.

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ مَاعَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَامِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ. (الانعام:۵۲) یعنی اے نبی تم اُن لوگوں کو اپنے پاس سے دور نہ کرو جو صبح شام اپنے پروردگار سے مناجات کرتے ہیں. اور اُسی کی ذات کے طالب ہیں تم پر انکا کچھ محاسبہ نہیں اور نہ تمھارا کچھ محاسبہ ان پر ہے اگر تم انہیں دور کردو گے تو تم ظالموں میں سے ہوجاؤ گے. صحیحین میں ہے ہرقل شاہ روم نے ابوسفیان بن حرب سے رسول اللہ کی کیفیت دریافت کی تھی آیا شریف لوگوں نے اِن کا اتباع کیا ہے یا کم درجہ کے لوگوں نے.؟ اُس نے جواب دیا کہ ادنیٰ درجے کے لوگوں نے، ہرقل بولا ٹھیک ہے. پیغمبروں کے اتباع یعنی پیرو اوّل یہی لوگ ہوتے ہیں پس بفرض محال اگر یہ مان لیا جائے کہ صدیق کم درجے کے لوگوں میں سے تھے تو اُس سے اُن کے کمالِ ایمان اور تقویٰ میں کوئی نقص پیدا نہیں ہوسکتا یہ یادرکھو کہ اکمل الخلق اللہ کے نزدیک وہی ہے جو تقویٰ میں سب سے بڑا ہو لیکن اصل بات یہ ہے کہ اس کلام سے جاہلیت کے مشرکین کے کلام کی بو آتی ہے جیسا وہ اپنے نسب اور باپ دادا کی باتوں پر فخر کیا کرتے تھے اور دین خدا سے کوئی تعلق نہ رکھتے تھے اور انسان پر ایسی باتوں سے

نکتہ چینی کرتے تھے جن سے اُس کے ایمان اور تقویٰ میں کسی قسم کا نقصان پیدا نہ ہوتا ہو ایسی باتیں ہمیں زمانہ جاہلیت کی یاد دلاتی ہیں. اور ہمیں افسوس ہوتا ہے کہ اہل ایمان اور اہل اسلام کی مخالفت جاہلیت کے تاریک پہلو سے کی جائے. اس پر سب کا اتفاق ہے کہ ابوبکر اعیانِ قوم میں سے تھے آپ کی تجارت کا سلسلہ بڑے پیمانے پر پھیلا ہوا تھا خود مشرکین عرب آپ کی عزت کرتے تھے آپ کا مسلمان ہونا مکے میں ہل چل کا باعث ہوگیا تھا. غریبی اور امیری کی پائیداری کو آج تک کسی نے تسلیم نہیں کیا اگر ایک شخص آج غریب ہے تو یہ کس طرح ممکن ہوسکتا ہے کہ کل بھی وہ غریب ہی رہے تجارت ایک ایسی چیز ہے جو آناً فاناً میں انسان کو دولتمند بنا دیتی ہے کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ دس پندرہ برس کی حالت پر موجودہ حالت کو کیوں محمول کیا جاتا ہے اور بلا وجہ سند اور بغیر کسی معتبر نقل کے صدیق کی مفلسی کا کیوں راگ گایا جاتا ہے ان باتوں سے کچھ نتیجہ نہیں نکلتا سوائے اس کے کہ قائلین کی محض ناواقفیت یا بے جا تعصب کا نقشہ دیکھنے والوں کی نظروں میں کھنچ جائے پھر شیعی علماء کا یہ کہنا کہ شروع اسلام میں ابوبکر درزی تھے اور جب مسلمانوں کے بادشاہ بنا دیئے گئے تو لوگوں نے اُنہیں یہ پیشہ نہیں کرنے دیا. محض غلط اور بالکل جھوٹ ہے اس کے جھوٹ ہونے کو ہر شخص جانتا ہے کپڑے سینے کا کام آپ نے کبھی نہیں کیا ہاں آپ تاجر تھے اپنی تجارت کی غرض سے بعض اوقات سفر کرتے تھے. مثلاً اسلام کے زمانے میں آپ نے اپنی تجارت کی غرض سے ایک مرتبہ شام کا سفر کیا تھا قریشیوں میں سب سے افضل اور اعلیٰ درجے کا کام تجارت قرار دیا گیا تھا اور اعلیٰ درجے کا پیشہ تجارت ہی سمجھی جاتی تھی اِس تجارت ہی کے ذریعہ سے قریشوں کے اہل عرب سے بہت وسیع تعلقات ہوگئے تھے اور خود صدیق سے بچہ بچہ واقف تھا جب آپ خلیفہ بنائے گئے تو آپ نے اپنے عیال کے مد خرچ کے لیے پھر تجارت کرنی چاہی لیکن مسلمانوں نے اس سے آپ کو منع کیا اور کہا کہ اب آپ کا یہ کام کرنا مسلمانوں کی مصلحتوں کو انجام دینے سے آپ کو روک دے گا اِس کے علاوہ عرب کا عام لباس تہ بند اور چادریں تھیں. سلنے سلانے کا کام بہت ہی کم ہوتا تھا. ہاں مدینے میں ایک درزی اہل بیت کے کپڑے سینے کے لیے حضور انور ﷺ نے رکھ چھوڑا تھا باقی مشہور مہاجرین میں کہیں کسی درزی کا ہونا معلوم نہیں ہوتا. ابوبکر کا اللہ کی اور اللہ کے رسول کی اطاعت میں خرچ کرنا تو ایسا متواتر مشہور ہے جسے عام خاص

سب جانتے ہیں۔اسلام سے پہلے آپ کے پاس بہت کچھ مال تھا آپ قریش کے معزز خاندانوں میں نہایت عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے ہر شخص آپ سے محبت کرتا تھا اور تجارتی معاملات کے مشوروں کے لیے بڑے بڑے تاجر قریش آپ کے پاس آیا کرتے تھے یہی وجہ تھی کہ جب آپ کے سے ہجرت کرنے لگے تو ابن الدغنا نے آپ سے کہا تھا کہ آپ جیسا آدمی تو نہ نکل سکتا ہے اور نہ اُسے کوئی نکال سکتا ہے قریش میں کوئی آدمی ایسا نہیں ہوا جس نے ابوبکر پر کوئی الزام لگایا ہو یا اُن میں کوئی عیب نکالا ہو یا آپ کو ذلیل اور کمینہ سمجھا ہو جیسا کہ وہ دوسرے مومنین کو سمجھتے تھے یہ سب ابوبکر کی حد سے زیادہ عزت کرتے تھے قریشوں کی نظروں میں ابوبکر میں اگر کوئی عیب اور کوئی نقص نہ تھا اور وہ آپ کو کسی بات میں بُرا نہ جانتے تھے بلکہ آپ اُن کے نزدیک نسب اور خاندان کی رو سے معظم مکارم اخلاق اور صدق و امانت میں بہت مشہور تھے اسی طرح حضور ﷺ کے صدیق بھی اُن میں اعلیٰ پایہ رکھتے تھے۔ابن الدغنا جو قبائل عرب کے ایک بڑے قبیلے قارے نامی کا سردار تھا سارے قریشیوں میں نہایت معزز اور سربرآوردہ شخص سمجھا جاتا تھا جسے وہ پناہ دے دیتا تھا سارے عرب اُسکا پناہ دینا تسلیم کر لیتے تھے اشرف قریش کے سامنے اُس نے صدیق اکبر کے وہی اوصاف بیان کئے تھے جو خدیجہ الکبریٰ نے حضور انور کے بیان کئے تھے۔وہ یہ کہ جب آپ پر وحی نازل ہوئی اور آپ نے اپنی ہمراز بیوی سے یہ ذکر کیا کہ مجھے اپنی جان کا خوف معلوم ہوتا ہے تو اُسکا جواب اُس خاتون نے یہ دیا آپ کچھ خوف نہ کریں میں قسم کھا کے کہتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ کبھی آپ کو رسوا نہ کرے گا کیونکہ آپ ہر ایک کے ساتھ صلہ رحمی کرتے ہیں۔دوسروں کا بوجھ اپنے ذمے لے لیتے ہیں۔مہمان نوازی کرتے ہیں محتاجوں کو دیتے ہیں نوائب حق پر لوگوں کی اعانت کرتے ہیں غرض یہ صفت حضور انور کی تھی جو یقیناً افضل النبیین ہیں اور بلاشک وشبہ آپ کے صدیق افضل الصدیقین ہی ہیں۔صحیحین میں ابوسعید سے مروی ہے ایک دن حضور انور منبر پر کھڑے ہوئے اور یہ فرمایا کہ اللہ نے اپنے ایک بندے کو یہ اختیار دیا ہے کہ یا تو وہ دنیا کی اس تر و تازگی کو اختیار کر لے یا اللہ کے تقرب کو مگر اُس بندے نے اللہ کے تقرب ہی کو اختیار کیا ہے ابوبکر یہ سن رونے لگے اور اُن کی زبان سے صرف اتنا ہی نکلا کہ آپ پر ہمارے ماں باپ قربان ہوں۔ہم اب سمجھے کہ جس بندے کی طرف اشارہ ہے اور جسے یہ اختیار دیا گیا

تھا وہ صرف حضور ہی ہیں. اس میں شک نہیں کہ ابوبکر ہم سے زیادہ اس بات کو جاننے والے تھے حضور انور نے ارشاد کیا ابوبکر رو و نہیں، صبر کرو دیکھو ساتھ دینے اور مال خرچ کرنے میں سب سے زیادہ تم ہی پر اطمینان اور سب سے زیادہ تمہارا مجھ پر احسان ہے اگر روئے زمین کے آدمیوں میں سے میں کسی کو دوست بناؤں تو تمہیں کو بناؤں گا ساتھ ہی یہ بھی حکم دیا کہ مسجد کے دروازوں میں سے سوائے ابوبکر کے دروازے کے اور سب دروازے بند کر دیئے جائیں اس کے علاوہ ابوبکر کے فضائل میں بہت سے صحیح حدیثیں پہلے بیان ہو چکی ہیں. اس لیے اس معاملہ میں مزید بحث کی ضرورت نہیں ہے. باقی شیعی علماء کا یہ کہنا کہ رسول خدا ہجرت سے پہلے خدیجہ کے مال کی وجہ سے بہت مستغنی تھے اس لیے آپ کو دوسرے سے مدد لینے کی ضرورت نہ تھی اسکا جواب یہ ہے کہ ابوبکر کا حضور انور پر خرچ کرنا آپ کے کھانے کپڑے کے متعلق نہ تھا کیونکہ اس میں اللہ تعالی نے اپنے رسول کو تمام مخلوق کے مال سے بے پروا کر دیا تھا بلکہ ابوبکر کا خرچ کرنا اشاعت اسلام پر آپ کی اعانت کی غرض سے تھا۔ وہ اللہ سے اور اللہ کے رسول سے محبت رکھنے میں خرچ کرتے تھے نہ کہ نفس رسول پر جس میں خدیجہ الکبریٰ کے مال کے کافی یا نا کافی ہونے کا خیال کیا جائے. ابوبکر نے جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے، بلال، عامر بن فہیرہ اور زیرہ وغیرہ ایسے آدمیوں کو خریدا تھا جنہیں مسلمان ہونے پر سخت تکلیفیں دی جارہی تھیں اس سے زیادہ اللہ اور اللہ کے رسول کی اعانت کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے. پھر شیعی علماء کا یہ کہنا کہ ہجرت کے بعد ابوبکر کے پاس بالکل کچھ نہ رہا تھا محض غلط ہے یہ تواتر سے ثابت ہو چکا ہے کہ ہجرت کے بعد بھی ابوبکر اپنے مال سے حضور انور ﷺ کی برابر اعانت کرتے رہے انہیں ایک دفعہ حضور انور ﷺ نے صدقہ کرنے کی ترغیب دی تو ابوبکر اپنا سارا مال لے آئے تھے اسی طرح اصحاب صفہ فقیر لوگ تھے ایک دن حضور انور انہیں کھانا کھلانے اپنے گھر لے گئے تھے اسکا مفصل ذکر گزشتہ صفحات میں ہو چکا ہے. پھر شیعی علماء کا یہ کہنا کہ اگر ابوبکر کچھ خرچ کرتے تو اُن کے حق میں قرآن شریف کی آیت ضرور نازل ہوتی جیسا کہ علی کے حق هل اتی علی الانسان . میں نازل کی گئی ہے. اسکا جواب یہ ہے کہ :

ھـل اتـی کا علی کے حق میں نازل ہونا ایسا ہے جسکے باطل ہونے پر تمام محدثین کا اتفاق ہے ہاں ایسے بعض مفسرین نے اسکا ذکر کیا ہے جن کی یہ عادت ہے کہ وہ موضوع قصے اپنی تفسیروں میں لکھا

کرتے ہیں اِس کے جھوٹ ہونے ایک صریح دلیل یہ ہے کہ سورۂ ھل اتی. باتفاق تمام علماء کے مکیہ ہے جو ہجرت سے پہلے فاطمہ کا علی کے ساتھ نکاح ہونے اور حسنین کے پیدا ہونے سے پہلے نازل ہو چکی تھی اِس بارے میں چونکہ پہلے کئی مرتبہ بحث کر چکے ہیں لہٰذا اس بحث کی ہم یہاں زیادہ ضرورت نہیں سمجھتے ہم کہتے ہیں کہ علی کے خرچ کرنے کی بابت کبھی کوئی آیت نازل نہیں ہوئی اس لیے کہ اُن کے پاس کچھ مال ہی نہیں تھا وہ بالکل مفلس تھے ہجرت سے پہلے تو یہ حضور انور ﷺ کے عیال میں سے تھے اور ہجرت کے بعد کبھی کبھی اتنی مزدوری کر لیتے تھے کہ کسی کے لیے ایک ڈول پانی کا کھینچ دیا اور اُس نے عوض میں چند کھجوریں اُنہیں دے دیں جب علی کی فاطمہ سے شادی ہوئی تو علی کے پاس سوائے پرانی اور ٹوٹی پھوٹی زرہ کے اور کچھ نہ تھا ہاں ولیمہ کی تقریب انہوں نے ضرور کی تھی اور یہ وہ روپے تھے جو غزوۂ بدر میں انہیں ہاتھ لگے تھے صحیحین میں خود علیؓ سے مروی ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ بدر کی غنیمت میں سے ایک ہونٹ میرے حصے میں آیا تھا اور ایک اونٹ خمس میں سے رسول اللہ نے مجھے عطا کر دیا تھا جب میں نے ولیمہ کرنا چاہا تو بنی قینقاع کے ایک آدمی کو مزدوری پر نوکر رکھا لیا تھا وہ میرے ساتھ جا کے از خود (گھاس) لایا کرتا تھا میرا ارادہ تھا کہ یہ از خود فروخت کر کے اِس کے روپے سے ولیمہ کردوں گا ایک دن میں اپنے اونٹوں کے کجاوں اور رسیوں کا انتظام کرتا پھرتا تھا میرے یہ دونوں اونٹ ایک انصاری کے گھر کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اسی گھر میں امیر حمزہ شراب پیے ہوئے نشے میں بیٹھے تھے اور ایک لونڈی اُن کے آگے گانا بجا رہی تھی اُس نے گاتے گاتے یہ مصرع گایا. الا یا حمزة لشرف النواع. یعنی اے حمزہ دیکھو کیسے تیار اونٹ ہیں یہ سنتے ہی حمزہ اُٹھے اور میرے اونٹوں کے کوہان کاٹ لیے اور کولھے بھی زخمی کر دیئے علی نے یہ قصہ آگے تک ذکر کیا ہے جس کے یہاں دوہرانے کی ضرورت نہیں ہے. بخاری کا بیان ہے کہ یہ قصہ شراب حرام ہونے سے پہلے کا ہے.

باقی صدیق کی بابت یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کی تعریف میں جو آیتیں نازل ہوئی ہیں اُن میں ساری امت سے پہلے صدیق مراد ہیں اور اس پر تمام مفسرین اور محدثین کا اتفاق ہے منجملہ اور آیتوں کے چند آیتیں یہ ہیں (۱) لَا يَسْتَوِىْ مِنْكُمْ مَنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قَاتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ قَاتَلُوْا ط (۲) اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ

جَاهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَ مْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ (۳) وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَی الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَکّٰی بہت سے مفسرین مثلاً ابن جریر طبری. عبدالرحمٰن بن ابی حاتم وغیرہ نے عروہ بن زبیر. عبداللہ بن زبیر اور سعید بن مسیتب وغیرہ سے باسانید صحیحہ یہ بیان ہے کیا ہے کہ یہ آیتیں ابوبکر کے حق میں نازل ہوئی ہیں.

ابوبکر کا امام بننا: شیعی علما فرماتے ہیں کہ ابوبکر کو نماز پڑھانے کیلئے آگے کھڑا کر دینا بھی غلطی سے ہوگیا تھا اس کی وجہ یہ ہے کہ جب بلال نے اذان دی تو عائشہ نے کہدیا کہ ابوبکر کو امام بنادو لوگوں نے اُن کے کہنے سے امام بنادیا تھوڑی دیر کے بعد جب رسول اللہ ﷺ کو کچھ افاقہ ہوا تو آپ نے یکا یک اللہ اکبر کی آواز سنی دریافت کیا کون نماز پڑھا رہا ہے حاضرین نے کہا ابوبکر . آپ نے فرمایا مجھے لے چلو. چنانچہ علی اور عباس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر رسول اللہ ﷺ باہر نکلے اور اُسی حالت مسجد میں پہنچ کے ابوبکر کو قبلے کی طرف سے ہٹادیا اور امامت علیحدہ کر کے خود نماز پڑھانے کھڑے ہوگئے.

جواب : یہ بالکل غلط ہے اس قول کا غلط ہونا تمام علماء حدیث پر ظاہر و باہر ہے شیعی علماء سے سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ یہ روایت کس راوی نے اِس سند سے نقل کی ہے کہ اس پر اعتماد کرلیا جائے. یہ روایت سوائے اُن کتابوں کے اور کہیں نہیں ہے جو شیعوں نے مرسلاً نقل کی ہیں اور یہ نقل کرنے والے ہمیشہ ایسے ہی بے تکی باتیں نقل کر دیا کرتے ہیں اور یہ لوگ یقیناً حضور انور ﷺ کے صحیح حالات سے بالکل ناواقف ہیں مثلاً مفید بن نعمان اور کراجکی وغیرہ کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے حال اقوال اور اعمال کی معرفت سے بہت ہی دُور ہیں.

دوسرا جواب: یہ قول اُن اصحاب کا جنھیں اصل واقعہ کی مطلق خبر نہیں ہے اُنھیں یہ بھی خبر نہیں کہ حضور انور ﷺ کی بیماری کے دنوں میں ابوبکر نے کتنی نمازیں پڑھائیں یہ سمجھتے ہیں کہ ایک ہی دفعہ ابوبکر امام بنے تھے اِس سے زیادہ ناواقفیت اور کیا ہوسکتی ہے اہل علم یقیناً جانتے ہیں. کہ حضور انور ﷺ کی اجازت سے نماز کے لئے اُنھیں خلیفہ بنا دینے کی وجہ سے حضور انور ﷺ کے وصال ہونے تک ابوبکر

ہی نماز پڑھاتے رہے حالانکہ عائشہ اور حفصہ نے بہت ہی انکار کیا مگر آپ نے نماز پڑھانے کی اجازت اور کسی کو نہیں دی کئی روز تک برابر ابوبکر نے پڑھائی اس سے پہلے جب آپ بنی عمرو بن عوف میں صلح کرانے کی غرض سے اُن کے ہاں تشریف کے گئے تب بھی نماز کے لئے ابوبکر کو خلیفہ کیا تھا۔ یہ کہیں منقول نہیں ہے کہ حضورانور ﷺ نے اپنی عدم موجودگی میں ابوبکر کے سوا اور کسی کو نماز کا خلیفہ بنایا ہو اور وہ عدم موجودگی خواہ آپ ﷺ کے سفر کی وجہ سے ہوئی ہو یا بیمار ہونے کی وجہ سے۔ہاں جنگ تبوک میں ایک مرتبہ صبح کی نماز زیادہ اُجالا ہونے پر عبدالرحمٰن بن عوف نے بیشک پڑھادی تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ حضورانور ﷺ باہر تشریف لے گئے تھے وہاں آپ کو دیر ہوئی جاتی تھی۔اجالا زیادہ بڑھتا جاتا تھا اِس لئے مسلمانوں نے عبدالرحمٰن کو جلدی سے کھڑا کر دیا وہ نماز پڑھا رہے تھے کہ حضورانور ﷺ تشریف لے آئے مغیرہ بن شعبہ آپ ﷺ کے ہمرکاب تھے حضور ﷺ نے وضو کیا اور جرابوں پر مسح کیا پھر جماعت میں مل گئے آپ ﷺ کو ایک رکعت ملی وہ آپ ﷺ نے جماعت کے ساتھ پڑھ کے دوسری رکعت علیحدہ پڑھ لی اور چونکہ نماز کو دیر ہوئی جاتی تھی اس لئے عبدالرحمٰن کے پڑھا دینے سے آپ ﷺ بہت خوش ہوئے۔حضورانور ﷺ کا قاعدہ تھا کہ جب کبھی مدینے سے سفر کرتے تھے تو کسی نہ کسی کو نماز پڑھانے کے لئے اپنا خلیفہ کر جاتے تھے چنانچہ ایک دفعہ عبداللہ ابن اُمِ مکتوم کو خلیفہ کیا اور ایک مرتبہ علی کو اور بعض اوقات آپ ﷺ نے اوروں کو بھی خلیفہ بنایا ہے لیکن بیماری کی حالت میں جبکہ آپ اپنے حجرے سے باہر تشریف نہ لا سکتے تھے تو آپ ﷺ نے اس حالت میں نماز کا خلیفہ اور کسی کو نہیں کیا نہ علی کو نہ کسی دوسرے شخص کو نماز کے لئے صدیق کو خلیفہ بنانا صحاح سنن اور مسانید وغیرہ میں متعدد طریقوں سے متواتر ثابت ہے مثلاً بخاری مسلم ابوخزیمہ۔ابن حبان وغیر نے اہل صحیح سے اُنھوں نے ابوموسیٰ اشعری سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ جب حضورانور ﷺ کا مرض بڑھ گیا تو آپ نے حکم دیا ابوبکر سے کہو کہ وہ نماز پڑھا دیں اس پر عائشہ نے کہا یارسول اللہ ﷺ ابوبکر تو بہت ہی رقیق القلب ہیں جب وہ آپ کی جگہ کھڑے ہونگے تو اُن سے نماز نہ پڑھائی جائے گی آپ نے فرمایا نہیں ابوبکر ہی سے کہو نماز وہی پڑھائیں گے۔پھر حضور ﷺ کی زندگی میں ابوبکر ہی نماز پڑھاتے رہے اس بارے میں حضورانور ﷺ کے حکم دینے پر عائشہ کے تین دفعہ انکار کرنے کو امام بخاری نے ذکر کیا ہے اس حدیث

میں اِس بات کا پورا ثبوت ہے کہ حضور انور کی زندگی میں بیمار ہونے کے وقت ابو بکر ہی نماز پڑھایا کرتے تھے یہاں تک کہ آپ ﷺ کی وفات ہوگئی اس پر تمام علماء نقل کا اتفاق ہے حضور ﷺ کئی روز بیمار رہے ان دنوں میں جیسا کہ اوپر ذکر ہوا سوائے ابو بکر کے کسی نے نماز نہیں پڑھائی۔ اس کے علاوہ حضور انور ﷺ کے حجرے کا دروازہ مسجد ہی کی طرف تھا اسی حالت میں یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ آپ ﷺ نے کسی دوسرے کو نماز پڑھانے کا حکم دیا ہو اور بغیر آپ کی اجازت کے اِن سب دنوں میں ابو بکر ہی نماز پڑھاتے رہے ہوں اگر ایسا ہوتا تو صحابہ اس میں ضرور ردوقدح کرتے حالانکہ کسی نے بھی کچھ نہیں کیا علی اور عباس وغیرہ بھی حضور انور کے حجرے میں برابر آتے جاتے رہے۔ جیسا کہ خود شیعی علماء اقرار کرتے ہیں کہ ایک دن حضور انور علی اور عباس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کے باہر تشریف لائے تھے۔

یہ ثابت ہو چکا کہ حضور انور کا مرض جمعرات کے دن سے شروع ہوا تھا اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ آپ کی وفات اگلے ہفتے پیر کے دن ہوئی اس حساب سے آپ کے مرض کی مدت بارہ روز ہوئی صحیح میں عبید اللہ بن عبد اللہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں میں عائشہ صدیقہ کی خدمت میں گیا اور یہ عرض کیا مجھے رسول اللہ کے مرض کی کیفیت سناؤ فرمایا حال یہ ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ کو بہت زیادہ تکلیف ہوگئی تھی جب کچھ افاقہ معلوم ہوا تو آپ نے پوچھا کہ کیا مسجد میں کچھ لوگ نماز پڑھ چکے ہیں؟ میں نے عرض کیا یا رسول نہیں۔ آپ کا انتظار کر رہے ہیں فرمایا اچھا پانی لاؤ میں غسل کرونگا میں نے پانی حاضر کر دیا۔ جب آپ اُٹھنے لگے تو غش آ گیا کچھ دیر کے بعد پھر افاقہ ہوا تو پوچھا کیا نماز ہو چکی ہے میں نے عرض کیا نہیں نمازی آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ فرمایا پھر پانی لاؤ میں نے پیش کر دیا آپ نے غسل کیا جب کھڑے ہونے لگے تو پھر آپ کو غش آ گیا چنانچہ پھر آپ کو افاقہ ہوا اور پھر آپ نے نماز کی بابت دریافت کیا یہی عرض کیا گیا سب آپ کے انتظار میں بیٹھے ہیں یہ قصہ عشا کے وقت کا ہے اُس وقت سب آدمی مسجد میں بیٹھے ہوئے حضور انور کا انتظار کر رہے تھے حضور انور ﷺ نے ابو بکر کو خود ہی آدمی بھیج کے یہ کہلا بھیجا کہ تم نماز پڑھا دو آدمی اُن کے پاس پہنچا اور کہا کہ رسول اللہ کا یہ ارشاد ہے۔ ابو بکر بہت ہی رقیق القلب تھے آپ نے عمر سے کہا کہ تم نماز پڑھا دو عمر نے جواب دیا سب سے زیادہ حقدار ابو بکر تم ہی ہو اس کے بعد ابو بکر نماز پڑھانے کھڑے ہو گئے اور ان دنوں اُنھوں نے

ہی نماز پڑھائی ایک روز ظہر کا وقت تھا حضور کو اپنے مرض میں کچھ تخفیف معلوم ہوئی آپ ظہر کی نماز مسجد میں پڑھنے کے لئے دو آدمیوں کے کندھوں کا سہارا لیکے باہر تشریف لائے اُن میں ایک عباس تھے۔ابوبکر اس وقت نماز پڑھا رہے تھے جب انھیں معلوم ہوا کہ حضور انور تشریف لے آئے ہیں تو ابوبکر پیچھے ہٹنے لگے ہیں حضور انور نے اشارہ کیا کہ تم پیچھے نہ ہٹو اور ان دونوں سے فرمایا کہ مجھے ان کے پاس ہی بٹھا دو ابوبکر تو کھڑے ہوئے حضور انور کی اقتدا کر رہے تھے اور باقی سب مسلمان کھڑے ہوئے ابوبکر کی اقتدا کر رہے تھے اور حضور انور بیٹھے ہوئے تھے۔ فقط۔

عبیداللہ کہتے ہیں میں یہ سب کیفیت سن کر ابن عباس کے پاس گیا اور اُن سے اجازت لے کے میں نے عائشہ صدیقہ کا قصہ سنایا وہ سب غور سے سنتے رہے مگر اُنھوں نے کسی بات کا انکار نہیں کیا سوائے اتنی بات کے مجھ سے یہ پوچھنے لگے کہ صدیقہ نے اُس آدمی کا نام بھی لیا جو عباس کے ساتھ تھا میں نے کہا نہیں فرمایا وہ علی بن ابی طالب تھے۔ یہ قصہ ہے جس میں عائشہ اور ابن عباس دونوں یک زبان ہیں اور یہ دونوں حضور انور کے مرض کو اور نماز پڑھانے کیلئے ابوبکر کے خلیفہ کر دینے کو ایک ہی طرح بیان کرتے ہیں یعنی یہ کہ حضور انور کے باہر تشریف لانے سے پہلے کئی روز تک ابوبکر ہی نے سب کو نماز پڑھائی تھی اور جب آپ ظہر کی نماز کے لئے باہر تشریف لائے تو ابوبکر کو یہ حکم دے دیا تھا کہ وہ پیچھے نہ ہٹیں اور اپنی جگہ کھڑے رہیں ابوبکر نے اس حکم کی تعمیل کی حضور انور کے پہلو میں بیٹھ گئے لوگ ابوبکر کی نماز کی اقتدا کرتے تھے اور ابوبکر حضور انور کی نماز کی۔اس قصے کی تصدیق کرنے اور اُس بسر و چشم منظور کرنے پر تمام علماء متفق ہیں اور اُنھوں نے اس سے بہت سے فقہی مسائل استنباط کئے ہیں۔منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ رسول اللہ نے تو نماز بیٹھ کے پڑھی اور ابوبکر صدیق اور سب آدمیوں نے کھڑے ہو کے تو آیا اس نماز کا اس طرح ہونا صرف رسول اللہ کی خصوصیت سے تھا یا یہ حضور انور کے اس ارشاد کے لئے ناسخ تھا کہ اذا اصلی جا لسا فصلو ا جلوسا اجمعو ن ۔ ''یعنی جس وقت امام بیٹھ کے نماز پڑھے تو تم بھی سب بیٹھ کے ہی نماز پڑھو'' یا یہ دونوں طرح جائز ہے غرض اس کی تین صورتیں ہیں اور علما کے بھی اس میں تین ہی اقوال ہیں پہلا قول تو امام مالک اور امام محمد حسن کا ہے دوسرا امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا تیسرا امام احمد۔حماد بن زید اور اوزاعی وغیرہ کا جنکا فتوٰی ہے کہ

امام کسی تکلیف کی وجہ سے بیٹھ کے نماز ادا کرے تو سارے مقتدی بھی بیٹھ کے پڑھیں۔ ہاں اس صورت میں علماء کا اختلاف ہے کہ جب امام کس کو خلیفہ کر کے اور پھر نماز ہوتے ہوئے وہ امام آ جائے تو کیا یہ پہلا امام باقی نمازی پوری کرا دے جیسا کہ رسول خدا نے اپنی بیماری میں کیا تھا یا یہ حضور کی خصوصیت کی وجہ سے ہوا تھا؟

اس میں دو قول ہیں اور یہی دونوں صورتیں امام احمد کے مذہب میں ہیں اور ابن عباس اور صدیقہ کے بیان کردہ قصہ میں اس کی پوری پوری تصدیق ہوئی ہے ابن عباس اور صدیقہ میں کچھ شکر رنجی تھی اسی طرح علی اور صدیقہ میں علی کی بعض ناواجب باتوں سے شکر رنجی ہی ہوگئی تھی ممکن ہے کہ اسی وجہ سے صدیقہ نے علی کا نام نہ لیا ہو باوجود اس کے ابن عباس نے سب باتوں میں صدیقہ کی تصدیق کی اور یہ بھی بتا دیا کہ وہ علی ہیں۔ صحیحین میں صدیقہ سے مروی ہے کہ میں نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کے حکم کر دینے پر انکار تو بے شک کیا اور وہ بھی زیادہ تر اس وجہ سے کہ میرے دل میں اس بات کا خیال بھی تھا کہ رسول اللہ شاید یہ چاہتے ہوں کہ لوگ آپ کے بعد آپ کا قائم مقام کسی اور کو نہ کر دیں۔ ورنہ میری رائے تو یہ تھی کہ رسول اللہ کا قائم مقام کوئی نہ ہو۔ ورنہ جو ہوگا لوگ اُسے منحوس ضرور سمجھیں گے۔ اسی لئے میں یہ چاہتی تھی کہ رسول اللہ ابو بکر کو تو اس سے معاف ہی رکھیں۔ صحیحین میں صدیقہ سے ایک اور جگہ بھی یہ مروی ہے کہ جب رسول اللہ کا مرض زیادہ بڑھ گیا تو ایک دن بلال رسول اللہ کو نماز کی خبر دینے آئے۔ آپ نے اُس وقت یہ فرمادیا کہ ابو بکر سے کہو وہ نماز پڑھا دیں گے۔ اس پر میں نے یہ کہا: ''یا رسول اللہ ابو بکر تو بہت رقیق القلب ہیں وہ جس وقت آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو تکبیر وغیرہ کی لوگوں کو آواز بھی نہ سنا سکیں گے۔ آپ عمر فاروق کو حکم فرما دیں وہ پڑھا دیں گے'' فرمایا نہیں ابو بکر سے کہو وہی نماز پڑھا دیں اس پر میں نے حفصہ سے کہا ''تم رسول اللہ سے کہو کہ ابو بکر بہت رقیق القلب ہیں وہ آپ کی جگہ کس طرح کھڑے ہوں گے ان کی اتنی آواز نہیں نکلتی کہ وہ لوگوں کو سنائی دے گی۔ عمر فاروق کے لئے اجازت دے دیجئے'' حفصہ نے اسی طرح رسول اللہ سے کہہ دیا اس پر آپ نے یہ فرمایا ''تم صواحب یوسف کی طرح ہو، تم میرے کہنے پر چوں چرا کیوں کرتی ہو۔ ابو بکر سے کہو وہی نماز پڑھائیں گے۔'' بخاری کی روایت میں عائشہ صدیقہ کے کہنے کے بعد یہ بھی آیا کہ حفصہؓ نے میرے کہنے کے مطابق رسول اللہ سے عرض کر دیا۔ رسول اللہ نے یہ سن کے فرمایا

''خبردار تم صواحب یوسف ہو'' اس وقت حفصہ نے مجھ سے یہ کہا کہ ''دیکھو یہ تم نے کیا کیا'' ایسی بات جس سے مجھے کوئی بھلائی پہنچ جائے تم نہیں کرتیں۔ فقط۔

ان حدیثوں سے یہ بات اچھی طرح ثابت ہوگئی کہ عائشہ صدیقہ کی ہرگز مرضی نہ تھی کہ ان کے بزرگ والد ابوبکر امام بن کر نماز پڑھائیں۔ یہاں ہم نے یہی ثابت کرنا تھا اور ہم کر چکے یہاں تک کہ امامت کے انکار پر اصرار تھا کہ حفصہ سے بھی یہی کہلوایا کہ شاید ان کی بات کی پذیرائی ہو جائے۔ جس پر حضور انور نے انہیں ملامت کی اور اسے خلاف قرار دے کے مثل اس مراد کے قرار دیا جیسا صواحب یوسف نے خود یوسف کے ساتھ کی تھی۔ غرض یہ اس امر کی صریح، بین اور صاف دلیل ہے کہ نماز میں ابوبکر کے سوا اور کسی کو امام بنانا ایسا خلاف امر تھا کہ اس کے کرنے والے کی ویسی ہی برائی کی جائے جیسے ان عورتوں کی گئی ہے۔ جنہوں نے یوسف کو بہکایا تھا یہ باوجود اس بات کے ہے کہ ابوبکر صدیق نے عمر فاروق سے خود کہا تھا: ''نماز تم پڑھادو'' مگر انہوں نے نہیں پڑھائی۔ اور یہ جواب دیا کہ: ''اس کے سب سے زیادہ حق دار اور لائق تم ہی ہو'' پس یہ اس بارے میں عمر فاروق کا اقرار تھا کہ اس کا حق دار تم سے زیادہ اور کوئی نہیں ہے۔ جیسا کہ آپ نے خلافت کے بارے میں بھی یہ اقرار کر لیا تھا کہ اس کے بھی مجھ سے اور تمام صحابہ سے زیادہ حق دار تم ہی ہو۔ مقصود یہ ہے کہ نماز پڑھانے میں ابوبکر کئی روز تک خلیفہ رہے تھے۔ اس پر تمام صحابہ کا اتفاق ہے اور انہیں اہل صحیح نے ابوموسیٰ، ابن عباس، عائشہ صدیقہ، ابن عمر اور انس وغیرہ کی سندوں سے نقل کیا۔ انس سے روایت ہے کہ جس مرض میں رسول اللہ کی وفات ہوئی ہے۔ آخر میں آپ تین دن باہر تشریف نہیں لائے۔ تیسرے دن جب تکبیر ہوئی تو ابوبکر آگے ہونے لگے اتنے میں رسول اللہ نے فرمایا پردہ باندھ دو پردہ باندھ دیا گیا۔ رسول اللہ کا منورہ چہرہ ہمیں معلوم ہوا تو ہم نے ایسا خوش منظر دیکھا۔ اس سے زیادہ کبھی دیکھا نہ تھا پھر رسول اللہ نے اپنے ہاتھ سے ابوبکر کی طرف سے اشارہ کر دیا کہ تم ہی نماز پڑھاؤ اور پھر آپ نے پردہ چھوڑ وا دیا اور باہر تشریف نہ لا سکے یہاں تک کہ وفات ہوگئی۔ فقط

یہاں انس نے یہ بیان کر دیا کہ رسول اللہ کا دوسری دفعہ باہر تشریف لانا حجرہ کے دروازہ ہی تک تھا جو تین روز کے بعد ہوا تھا ان تین دن میں ابوبکر ہی نماز پڑھاتے رہے تھے جیسا کہ حضور انور کی پہلی دفعہ باہر تشریف لانے پر بھی جب آپ علی اور عباس کے کندھوں پر سہارا دے کے نکلے تھے۔ ابوبکر ہی

پڑھاتے رہے۔ یہ ساری باتیں صحیح میں اس طرح ثابت ہیں گویا تم آنکھوں سے دیکھ رہے ہو۔ انس کی ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ نے ابوبکر کی طرف اشارہ کیا کہ تم نماز پڑھا دو وہ پڑھانے لگے بس یہ آخری نماز تھی جو مسلمانوں نے رسول اللہ کی زندگی میں پڑھی تھی اور رسول اللہ نے یہ اشارہ کیا تو نماز میں تھا یا نماز سے پہلے تھا۔اس قصہ کی ابتدا میں رسول اللہ نے ابوبکر کے پاس کئی آدمی بھیجے تھے اور انہوں نے جا کے نماز پڑھانے کے لیے کہا تھا یہ اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ رسول اللہ کا پیغام پہنچانے والی عائشہ صدیقہ ہرگز نہ تھیں نہ انہوں نے اپنے بزرگ باپ سے یہ کہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے تمہیں یہ حکم دیا ہے۔جیسا کہ مفتری گمان کرتے ہیں۔'' پس ان مفتریوں کا یہ کہنا کہ جب بلال نے اذان دی ہے تو عائشہ نے اُن سے کہہ دیا کہ ابوبکر کو امام بنالو بالکل غلط اور سفید جھوٹ ہے۔'' عائشہ صدیقہؓ نے ابوبکر کو امام بنانے کو کبھی نہیں کہا اور نہ اس کے متعلق کوئی اور بات کہی نہ بلال نے اُن سے یہ بات سنی بلکہ بلال نے خود ہی حضور انور کو نماز کی خبر دی تھی کہ اسوقت جماعت تیار ہے۔ بلال وغیرہ جتنے آدمی اُس وقت حضور انور ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے آپ نے سب سے یہ فرمادیا کہ ابوبکر سے کہو وہ نماز پڑھادیں گے اِس خطاب میں آپ نے عائشہ صدیقہ کی خصوصیت نہیں کی۔ پھر شیعی علماء کا یہ کہنا جب رسول اللہ کو کچھ افاقہ ہوا اور آپ نے اللہ اکبر کی آواز سنی تو پوچھا کہ لوگوں کو کون نماز پڑھا رہا ہے؟ حاضرین نے کہا ابوبکر فرمایا: ''مجھے باہر لے چلو'' یہ صریح جھوٹ اور حضور انور پر ایک بڑا بہتان ہے کیونکہ ان مستفیضہ نصوص سے جن کی صحت پر تمام محدثین کا اتفاق ہے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ حضور انور کے باہر تشریف لانے سے پہلے ابوبکر نے کئی روز نماز پڑھائی تھی جیسا کہ حضور انور کے باہر تشریف لانے کے بعد بھی کئی روز نماز پڑھائی۔ اسکے علاوہ یہ متواتر معلوم ہو چکا کہ حضور انور کئی روز ایسے بیمار رہے کہ جماعت کے ساتھ نماز نہ پڑھا سکے لہٰذا مفتریوں کو یہ بتانا چاہیے کہ ابوبکر کے سوا اور کون شخص تھا جو ان دونوں میں لوگوں کو نماز پڑھا تا رہا حالانکہ کہیں کسی نے یہ نقل نہیں کیا نہ کسی مردود سے مردود روایت میں ہم نے انکے کسی شخص کا نام دیکھا۔ جب یہ بات ہے تو اس سے صاف معلوم ہوگیا کہ بس نماز پڑھانے والے ابوبکر ہی تھے اور یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ حضور انور کو اسکی اطلاع نہ ہوئی ہو یا مسلمانوں نے اس میں حضور سے اجازت نہ لی ہو کیونکہ ایسا ہونا عادتاً اور شرعاً ہر طرح ممتنع اور محال ہے پس یہ معلوم ہوا

کہ حضور کی اجازت اور رضا مندی سے ہوا تھا جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے۔ فقط۔

اور جس تحقیق اور انصاف سے یہ مقدمہ لکھا گیا ہے۔ اس کی تصدیق وہی لوگ کر سکتے ہیں۔ جنہیں صحیح رواتیوں کا پورا علم ہے اور جو درایت اور تنقید کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ اور جنہوں نے حضور انور کے احوال عربی تمدن۔ اور صحابہ کے آثار اور معاشرت میں غور کیا ہے۔ یقیناً اِس کا ایک ایک استدلال اٹل ہے اور تمام دنیا مل کے بھی اس کو نہیں توڑ سکتی۔

ہم نے ابتداء میں یہ دعویٰ کیا تھا کہ محض خیال آفرینی پر ہمارے استدلال اور تنقید واقعات کی بناء نہیں ہوگی۔ بلکہ ہر واقعہ ایسا بدیہی ثبوت دیا جائے گا کہ لوگ آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ الحمد اللہ کہ اس میں کامیابی ہوئی۔ کسی کی مجال یہ نہیں ہے کہ اسکے کسی استدلال کو ضعیف کر سکے۔ اسکا توڑنا تو کجا!

عالم اور پڑھے لکھے شیعہ دم بخود ہیں اور کچھ ہوں ہاں نہیں کرتے۔ سچی بات یہ ہے کہ وہ کر بھی نہیں سکتے تحفہ وغیرہ کا جیسا اُنہوں نے جواب دیا ہے مگر اِس کے خلاف قلم اُٹھانا محال ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ اسکی بین دلیل یہ ہے کہ شیعی علمی دنیا بالکل سناٹے میں ہے اور وہ اسی طرح سناٹے میں رہے گی۔ بدیہی بات کا جواب ہی کیا ہوسکتا ہے۔ ہر بات آنکھوں سے دکھادی پھر بھلا اِسکی تکذیب ہوش مند کیونکر کر سکتا ہے میں اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر کرتا ہوں کہ اپنے اِس مشن میں مجھے پوری کامیابی ہوگئی مسلمانوں پر جدید تحقیق کا دروازہ کھل گیا انہیں سچے سچے واقعات معلوم ہوگئے اور جن باتوں پر پردہ پڑا ہوا تھا۔ وہ روز روشن کی طرح چمکنے لگیں۔ غرض اصلی اور سچے سچے واقعات ہر کہ ومہ کو معلوم ہوگئے۔ اِس سے مسلمانوں میں ایک نئی روح پھونکی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ وہ زمانہ قریب آنے والا ہے کہ شیعہ سنی کا یہ جھگڑا تعلیم یافتہ جماعت میں بالکل مٹ جائے گا۔ ایک گروہ ایسا پیدا ہوگیا ہے جو سچی باتوں کی قدر کرنے لگا ہے اور یہ گروہ سنی شیعہ دونوں میں سے بنا ہے پرانے تعصبات جو محض جہالت کی وجہ سے پیدا ہو گئے تھے دور ہونے لگے ہیں اگر حق پوچھئے تو شیعہ سنی دونوں کے لیے کتاب شہادت نے آب حیات کا کام کیا ہے۔ شروع شروع میں لوگ اس کے نام سے بیزار تھے مگر اب اُن کی یہ بیزاری خواب وخیال ہوگئی ہے اور بڑے شوق سے اُس کا مطالعہ کرتے اور اصلی واقعات کے کھلنے سے خوش ہوتے ہیں۔

اَلحَمدُ لِلّٰہ تیسرا مقدمہ ختم ہوگیا۔